جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

سے

جمادات کی محبت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات
کی منفرد تحریر

مصنف

حضرت علامہ عبدالحق ظفر چشتی رحمۃ اللہ علیہ

کرمانوالہ بک شاپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف

حضرت علامہ عبدالحق ظفر چشتی رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ کرم
حضرت سید السادات پیر محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
المعروف حضرت کرماں والے
آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف اوکاڑہ
شمیم باغ ولایت
حضرت سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
منظر بدر طریقت
حضرت سید محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت پیر سید صمصام شاہ بخاری مدظلہ العالی
بفیضانِ نظر
حضرت پیر
سید میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالی
سجادہ نشین حضرت کرمانوالہ شریف
زیر سرپرستی
حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی
زیر اہتمام
سمیع اللہ برکت
جملہ حقوق محفوظ ہیں
اشاعت 2009
قیمت روپے

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سے محبت	۳۳۰		
لاٹھی کی حضور ﷺ سے محبت	۳۳۶		
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے			
درودیوار کی حضور ﷺ سے محبت	۳۳۸		
پتھروں کی حضور ﷺ سے محبت	۳۴۱		
کنکریوں کی حضور ﷺ سے محبت	۳۴۳		
اشارہ پاتے ہی بتوں کا ریزہ ریزہ ہونا .	۳۴۴		
زمین کا حضور ﷺ کی محبت میں سراقہ کے			
گھوڑے کو دھنسا لینا	۳۴۶		
مقامِ ابراہیم کی حضور ﷺ سے محبت ...	۳۵۷		

انتساب

میرے اللہ تعالیٰ کی پارٹی (حزب اللہ) کے ان اجزاء کے نام
جن کو جمادات کہا جاتا ہے۔
آگ کے ان شعلوں، دہکتے انگاروں تپتے کوئلوں کے نام جنہوں نے اپنے مالک کا حکم پا کر اس دور کے پارٹی کے سب سے عظیم رہنما حضرت ابراہیم کو پہچان بھی لیا اور ان کے قدموں میں گلاب، چنبیلی، موتیا، نرگس کی صورت بچھ بچھ گئے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت مسلم خولانی یمنی رضی اللہ عنہ کو بھی پہچان لیا جن کو جھوٹی نبوت کے دعوے دار اسود عنسی نے آگ میں پھینکا تھا۔
اس چھری کے نام جو اپنی ازلی فطرت کاٹنے کو بھول کر، اللہ تعالیٰ کی پارٹی کے صاحب عظمت وجلال حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نازک حلقوم کے بوسے لینے لگی۔
اس مقام ابراہیم کے نام والے پتھر کے نام، جس نے اپنی فطری سنگ دلی ترک کر کے آپ کے قدموں کے پیغامات اور ان کے باریک ریشوں تک کو اپنے اندر سمو لیا اور ساری کائنات کیلئے سجدہ گاہ بن گیا۔
صفا و مروہ کی ان سوکھی سڑی اور کالی کلوٹی پہاڑیوں کے نام جنہوں نے اپنی پارٹی کی عظیم عورت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدموں کے لمس سے دنیا بھر کے پہاڑوں کے منہ موڑ دیئے۔

میرا سلام ہو، حجر اسود کو، میرا سلام ہو، اُستن حنانہ کو، منبر رسول کو، عصاءِ مصطوی کو، کھاری کنویں کے خشک پیندے اور منڈیر کو، کھجوروں کے ڈھیر کو، خشک کنویں کو لباب بھر دینے والی کنکریوں کو، میرا سلام ہو چھاگل کو، اور ہر اس چیز کو، جس کو جمادات سمجھ کر حضرت انسان بے حس سمجھتا رہا ہے، بے جان خیال کرتا رہا، لیکن جب ان سے باتیں کیں، ان کی سُنیں، تو احساس ہوا کہ جتنے وہ احساسِ محبت وعشق اور ادائے حکم الٰہی ومحبوبان الٰہی میں گم ہیں، کوئی کیا ہوگا خصوصاً جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے شیفتگی قابل رشک ہے اسی شیفتگی نے مجھے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا جام پلا دیا ہے۔

عبدالحق ظفر چشتی

ادارہ آغوش محمد ﷺ مصطفیٰ آباد لاہور

7 محرم الحرام 1430، 6 جنوری 2009ء

حرفِ دُعا

اے میرے باخبر رب! اور ہر بے خبری سے باخبر کئے جانے والے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رب!

اے ہر دُکھ کا مداوا کر سکنے پر قادر رب! اور تیری مخلوق کے ہر دُکھ پر تڑپ جانے والے رؤف ورحیم، جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رب!

اے میری رگِ جاں، حبل الورید سے زیادہ قریب ترین تر بسنے والے رب! اور اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کی شان والے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رب!

تجھ سے چھپا ہی کیا ہے۔ تیرا مجبور بندہ، محمد عبدالحق ظفر چشتی چند ماہ سے بسترِ علالت پر فراش ہے۔ سجدوں کی نعمتِ لذت سے محروم پڑا کراہ رہا ہے۔ اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ اغیار کی محتاجیوں کے دروازے کھلتے جا رہے ہیں۔

میں بوصیریؔ ہوں، نہ جامیؔ اور نہ سعدیؔ کہ اتنے درد سے رووں، کہ تیری رحمت کی پھوار شفا بن کر اِنِّیْ قَرِیْبٌ کے نعرے لگاتی ہوئی آ برسے۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ میں ساری کائنات کا جھوٹا ہوں، فریبی ہوں، مکار ہوں، بہروپیا ہوں اور بدعمل ہوں، لیکن تیری ذات اور تیرے محبوب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کی محبت میں جھوٹا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

میں قول قرار دی جھوٹی - نالے کم تے کار دی چھوٹی
نہیں تیرے پیار دی جھوٹی - بھانویں کُل سنسار دی جھوٹی
اس جھوٹی نوں آسرا تیرا - شالا وسدا رہوے تیرا ڈیرہ

اس لئے میرے سوہنے' پیارے اور لاڈلے رب جی۔ میرے خالق و مالک اور قادر رب جی۔ میں شفا کی بھیک مانگنے کہاں جاؤں۔ میرا کون ہے جس کے در پر جاؤں؟ میں نے اس کتاب میں تیرے اور تیرے محبوب کی محبت کے گیت گائے۔ اس میں تیری بے زبان پارٹی (حزب اللہ) سے پوچھ پوچھ کر گائے ہیں۔ یہ صرف تجھے راضی کرنے کے لئے۔ تیرے محبوب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے حصول کے لئے اور اپنی شان و مرتبہ بڑھانے کے لئے گائے ہیں۔

ما ان مدحت محمدًا ممقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمدی

آپ کے فیض و لطف سے میں ہوں جہاں میں سرفراز
میری بلند قامتی آپ کے دم قدم سے ہے

میں ان عطاؤں کی بھیک میں سے شفاءِ جسمی' روحی اور قلبی کی بھیک مانگتا ہوں۔ کبھی تو ایسا ہو کہ تیرا محبوب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی شانِ عطا سے آئے۔ جس طرح بوصیری کی فریاد سن کر آئے تھے۔ اور مجھے بھی چادر شفا عطا فرما جائے۔ گنہگار سمجھے کا جنت ہی پالی۔

کدی میرے گھر وی آقا جی آؤ
میری عمر گلی سجیندے گزر گئی

دعاؤں' عطاؤں اور رداؤں کا طالب

محمد عبدالحق ظفر چشتی

ادارہ آغوشِ محمد ﷺ' مصطفیٰ آباد' لاہور

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق حضرت انسان ہے۔ ہر قسم کی تکریم و تعظیم کے تاج اسی کو زیب دیتے ہیں۔ متعلم رب العزت ہونے کا اعزاز بھی اسی کو حاصل ہے۔ مسجودِ ملائک بھی حضرت انسان ہے۔ تمام اعزازات و اکرامات کے باوصف سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی شاہکار تخلیق، باعث تکوین دو عالم، فخر موجودات امکانی، ظل رحمانی و نورِ یزدانی، نقش قدم اوّل، قدم زندگی کی لوحِ پیشانی، رونق گلزار ہستی، سرِ وحدت، سراجِ بزمِ ایمانی، قاسم انعاماتِ رَب العلیٰ، ہادی سبل، ختم الرسل، مولائے کل، عالم ما کان و ما یکون، خلاقِ عالم کی تخلیق اول، طٰہٰ ویٰسین، آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا چین و قرار، آقائے نامدار، عربی ناقہ سوار، شاہسوار ہفت آسماں، سیاحِ لامکان، راہبر انس و جاں، دھڑکن دل کے مکین، صاحب منصب الفقر فخری، جن کے نور سے زمین و آسماں کا گوشہ گوشہ معمور، وہ زنجیر باطل توڑنے والے، ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے، ارض و سموات کی دلفریب رعنائیوں کا حسن، ہواؤں کی جانفزا کیفیتوں میں کیف و سرور کا دھارا، فضاؤں میں گونجنے والے نغمات کا محور، کائنات آب و گل کے حسن و عشق کا مرکز، گل و لالہ کی نرم و نازک پنکھڑیوں کا نکھار، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انسان ہی ہیں۔ انسانیت کی جان ہیں۔ انسانیت کی آن ہیں۔ انسانیت کا مان ہیں۔ انسانیت کا ایمان ہیں بلکہ انسانیت کا سب کچھ وہی ہیں۔ انہی کے

مقدس وجود سے کلمہ ہے۔ انہی کے حوالہ سے بیت الحرم ہے۔ انہی کے حوالہ سے ربِّ ذوالمنن کے وجود کی تسلیم ہے۔ آنکھوں کا نور، انہی کی ذات، دل کا سرور، انہی کی ذات، کانوں میں رس گھولنے والی سماعت، انہی کی ذات، میرے انگ انگ میں بسنے والی، انہی کی ذات، میری بھیگی پلکوں کا احسان، انہی کے صدقے، میری خلوتوں میں اور حریم دِل میں جلوہ افروزی، انہی کے صدقے، میرے قیام میں مرکزی نقطہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رکوع و سجود اور قعود میں حسن مجسم، حضور، دنیا بھر کی صداقتوں کا منبع، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امانتوں دیانتوں کا حسن عمل، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے متمم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والے، خاک بسر گرنے والوں کو اٹھانے والے، بے آسرا و بے سہاروں کا آسرا بننے والے، بشارتِ عیسیٰ اور دعاء خلیل ونجی و ذبیح، جن کی ذات دنیا بھر کے بتکدوں میں گھرے ہوئے کعبہ کو بیت اللہ بنانے والی، فداہ اُمی و اَبی، عرضی وعزی الفاً الفاً بعد الف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات بھی انسان ہی ہیں۔

جس انسان کی خاطر، مالک نے تسخیر کائنات فرمائی جس انسان کے لئے سات براعظموں پر نیلگوں چھت بغیر ستونوں کے کھڑی کر کے حسین ترین کہکشاؤں، ستاروں، سیاروں، زحلوں، زمردوں، سورجوں اور ستاروں سے سجائی، دھمکتے ستاروں کا دمکنا، مہتکے چاند کا مہکنا، چمکتے سورج کی شعاؤں کا چمکنا، جس انسان کی خاطر ہے۔ اسی انسان کے تمام سرداروں کا سردار، تمام اماموں کا امام، تمام قائدوں کا قائدہ تمام راہبروں کا راہبر، تمام رہنماؤں کا رہنما حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بھی، انہی انسانوں میں ایک انسان ہیں۔

بلکہ صحیح پوچھیں تو ان کی پہچان ہی انسانیت ہے۔ اس پہچان کے ساتھ ان کی تسلیم ہی، انسانیت ہے۔ پہچان اور تسلیم دونوں کا نام ایمان ہے۔ پہچان ہو تسلیم نہ

ہو یہ کفر ہے۔ تسلیم ہو لیکن ان کی عظمت و رفعت کی پہچان نہ ہو تو یہ منافقت ہے۔
کفر جہنم میں پھینکتا ہے اور منافقت، جہنم کے درکِ اسفل میں پھینکتی ہے۔ یہ ہر دو روش اختیار کرنے والا شکلاً جسماً انسان لگتا ہے لیکن وہ انسان ہی نہیں۔ وہ حیوان ہے۔ بل هم اضل بلکہ ان سے بھی بدتر

اور اگر بعض اشیاء جسماً و شکلاً تو انسان نہیں لیکن وہ ان کی جان اور پہچان اور تسلیم کی خو سے متصف ہو گئیں۔ تو بے شک وہ بظاہر انسان نہیں لیکن انسانیت کی جان اور پہچان نے انہیں انسانوں سے بلند مرتبہ پر فائز کر دیا۔

وہ عظیم انسان، وہ عظیم لوگ جنہوں نے اس انسانیت کی جان کو پہچانا، انہیں جانا، انہیں مانا، ان کی شان و منزلت، ان کی رفعت و عظمت کا کیا ٹھکانہ، ان کے ذکرِ جمیل کی بجائے آج ہمارا موضوع وہ اشیاء ہیں جو جمادات میں شامل ہیں۔
جنہوں نے بظاہر لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا لبادہ تو نہیں اوڑھا لیکن انسانیت کی جان، حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانا، پہچانا، انہیں مانا اور اصل انسانیت کے مرتبے پر فائز ہوئیں۔ آج ہمارا وہ موضوع ہیں۔

میرا قلم، میرا ذہن، میری فکر، میری سوچ، میرا دل، میری جان، میرا ایمان، ان کی پہچان اور ان کے تسلیم پر ہزار بار قربان، وہ مٹی، وہ پتھر، وہ پہاڑ، وہ ذرّے، جنہوں نے انہیں جانا، پہچانا اور انہیں مانا، پھر ماننے کا حق ادا کر دیا۔ ان کی اس تسلیم و رضا کی ادا پر ہزار جان فدا،

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

عبدالحق ظفر چشتی

ادارہ آغوشِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصطفیٰ آباد لاہور

جذباتِ تشکر و امتنان

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جو بندوں کا، محسنوں کا، اور خیر خواہوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا وہ اپنے مالک کا بھی شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔

احسان کرنے والوں کو نگاہ میں، فکر میں، دل میں بسائے رکھنے کا نام شکریہ ہے نہ کہ احسان کو نگاہ میں رکھنا۔

انسان تو کئی خوبصورت ہوتے ہیں لیکن بہار سی خوشبو کسی کسی میں آتی ہے۔

زندگی اتنی مختصر ہے کہ انسان محبت کا حق بھی ادا نہیں کرسکتا، پتہ نہیں، لوگ نفرت کے لئے وقت کہاں سے نکال لیتے ہیں۔

میں سب سے پہلے ان محسنوں کا شکر گزار ہوں جو ہر وقت میرے دل میں دھڑکن کی طرح میری آنکھوں میں، پتلیوں کی طرح اور میری فکر میں ''حسن خیال'' کی طرح چھائے رہتے ہیں۔

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی، پروفیسر نصر اللہ معینی، علامہ غلام مصطفیٰ مجددی صلاح الدین سعیدی، محمد عامر چشتی، فیضانِ محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، محمد فرقان چشتی حضرت کرمانوالہ بک شاپ کے سرپرست اعلیٰ حاجی پیر انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی (خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف) اور ہزاروں لاکھوں، اربوں اور کھربوں اربابِ محبت جن کی نیک خواہشات اور تمنائیں میرے ذہن و فکر اور رُشحاتِ قلم کو آباد رکھتے ہیں۔

دل تو جاتا ہے ان کے کوچے کو
جا! میری جان! جا خدا حافظ

عبدالحق ظفر چشتی

ادارہ آغوشِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصطفیٰ آباد لاہور

دیباچہ

دیباءِ عشق میں لپٹے چند حروف

ایک قبطی، آل فرعون میں سے، اپنے پڑوسی، سبطی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے کے پاس اس کے گھر گیا اور بولا موسیٰ نے جادو کے ذریعے ہمارے لئے دریائے نیل کے پانی کو خون بنا دیا ہے اسی دریا سے اس کے چاہنے والے پیٹ بھر کر پانی پیتے ہیں اور ہم پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں یہ خون ہمارے لئے بدقسمتی ہے یا بقول موسیٰ علیہ السلام

ہماری بدفطری ہے پتہ نہیں کیا ہے

تو ایسا کر، دریائے نیل سے پانی بھر لا، میں بھی اس میں سے پی لوں گا تو اپنے لئے بھرے گا تو پانی پاک رہے گا اور خون نہیں بنے گا، میں بھی تیرا طفیلی بن کر پانی پی سکوں گا۔

سبطی دریائے نیل پر گیا، اپنے برتن میں پانی بھر لایا۔ کچھ پی لیا کچھ رکھ لیا اور اپنے بیوی بچوں اور گھر والوں کو پلایا اور جب برتن اس قبطی کی طرف بڑھایا تو وہ خون ہو گیا۔

قبطی غصے سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا، نہ جانے غصے میں کیا کیا بکتا رہا جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے سبطی سے پوچھا، یہ بتا کہ یہ گرہ کیسے کھلے گی۔

سبطی نے کہا کہ پانی ہماری پارٹی کا فرد ہے ہماری پارٹی حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی کہلاتی ہے ہماری پارٹی کا ہر فرد صرف اپنے مالک کی بات مانتا ہے اور اور کسی

کی نہیں مانتا۔ وہ صرف اُسی کی سنتا ہے اور کسی کی نہیں سنتا۔ اور وہ اس قدر قدرت والا ہے کہ ہم نے اس کے حکم سے پانی کو پتھر ہوتے دیکھا ہے اور پتھر کو پانی ہوتے دیکھا ہے لاٹھی کو سانپ اور سانپ کو لاٹھی ہوتے دیکھا زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر ہوتے دیکھا ہے۔ ہم سب ایک ہیں اس وقت مالک کے واحد نمائندے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دنیا کی ہر چیز انہی کی پارٹی میں شامل ہے۔ اب ایک ہی صورت ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پارٹی میں شامل ہو جا پھر پیٹ بھر کر پانی پی، چونکہ تجھے خدا کے بندوں پر غصہ آتا ہے اس لئے تیری آنکھوں پر تاریکی کے پہرے ہیں تیرے پہاڑ جیسے کفر کے ہوتے ہوئے نیل کا پانی ایسا ہی رہے گا کہ وہ بھی اسی کا بندہ ہے جس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں تو لاکھ بھیس بدل کر آ، پانی تجھے پہچان لے گا، کتنی بدقسمتی ہے کہ تو انسان ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں پہچان سکا اپنے کفر کو توبہ کے مضبوط ترین تیشے سے توڑ کر اسے گھاس کا تنکا بنا دے، پھر سبطیوں کے ہاتھ سے جام لے اور جی بھر پانی پی لے تیرا یہ حیلہ کہ میں پانی بھر دوں وہ تو پی لے کامیاب نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دے دیا ہے کہ وہ ہر قبطی کیلئے خون ہے اور خون ہی رہے گا کہ پانی اپنے ربّ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ قبطی نے کہا میں اپنے مالک سے دوری کی غلاظت سے میں اتنا بھرا ہوں۔ کہ میں دعا نہیں مانگ سکتا۔ تو مہربانی کر اور میرے لئے ایمان کی دولت کی دعا کر۔

سبطی نے اُس کے لئے ہاتھ اُٹھائے ابھی وہ دعا میں مصروف تھا کہ قبطی نعرے مارنے لگا اے میرے سبطی بھائی! تیری دوستی نے میری دستگیری کی جلدی کر، مجھے ایمان پیش کر کہ میں مؤمن بنوں اور کفر کا زنار توڑ کر پھینک دوں تیری صحبت میرے لئے کیمیا ہے خدا کرے، میرے دل کے گھر سے تیری محبت کا قدم کبھی باہر نہ نکلے، تو جنت کے درخت کی ایک شاخ ہے جسے پکڑ کر بندہ سیدھا جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

سبطی نے اس کو ایمان پیش کیا اور وہ ایمان قبول کر کے امت موسوی میں شامل ہوگیا سبطی نے اس کی خدمت میں پانی پیش کیا اور کہا: لے اب پانی پی لے قبطی نے جواب دیا، اب اس پانی کی ضرورت نہیں میری پیاس بجھ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے باطن میں چشمے جاری کر دیئے میرا جگر خشک تھا۔ پیاسا تھا جگر کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور پیاس بجھ گئی۔

میں سمجھتا تھا کہ ایمان لانے کے بعد میں دریائے نیل کا پانی پینے کے قابل ہو جاؤں گا یہ خبر نہ تھی کہ میرے اندر ہی انقلاب آ جائے گا اور خود مجھے ہی دریا نیل بنا دے گا میں اب خود اپنی نظروں میں ایک دریائے نیل ہوں جو ساری دنیا کی پیاس بجھانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

راقم الحروف اسی حزب اللہ اور حزب الرسول کا ایک فرد ہے اگرچہ سب سے آخری صف میں بیٹھنے والوں کے قابل بھی نہیں ہے تاہم ہوں میں اسی قبیلے کا ایک فرد۔

تعلق ہے میرا اہلِ نظر کے اُس قبیلے سے
خدا کو جس نے پہچانا محمدؐ کے وسیلے سے

میں نے اپنی پارٹی کے افراد سے باتیں کی ہیں ان کی سنی ہیں اپنی سنائی ہیں میں نے صدیوں نہیں ہزاروں سالوں کے سفر کئے ہیں، میرے لئے یہ دنیا ایک نئی دنیا تھی نئی دنیا میں، اجنبی دنیا میں، غیر ماحول میں، قدم رکھتے ہوئے انسان ڈرتا ہے لیکن اگر اس میں محبت اور مودّت اور عشق و مستی کی چاشنی شامل ہو جائے تو راستے اجنبی نہیں رہتے غیر مانوس ماحول میں قلب و نظر کو گداز نصیب ہوتا ہے۔

میں نے ہزاروں سال پہلے کی آتش نمرود سے ملاقات کی اس نے مجھے بتایا میں تو ابراہیم کو جانتی بھی نہیں تھی۔ میرا کام جلنا ہے جلانا ہے میں تو اپنے پوجنے والوں کو بھی معاف نہیں کرتی میرا ظاہری رنگ سرخ اور سنہرا اور خوبصورت ہے۔ لیکن قریب آنے والوں کو خاک سیاہ کر دیتی ہوں مجھے کیا خبر تھی آج ایک نیا انقلاب

آنے والا ہے میرے شعلے آج آسمانوں کو چھو رہے تھے میرے اوپر سے پرندے بھی ڈرتے نہیں گزر رہے تھے۔ لیکن مالک کی طرف سے اچانک حکم نافذ ہوا۔ یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم۔ اے آگ آج ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ یہ انوکھا حکم تھا جو میری تاریخ میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

میں نے اپنی آنکھیں کھولیں جوش کو ٹھنڈا کیا، ہوش کے ناخن لئے اور انتظار کرنے لگے کون ہے۔ ابراہیم جس نے کھربوں سالوں سے جلتے میرے مقدر کو ٹھنڈک نصیب کی۔ میرے دہکتے انگاروں کو پھول، گلاب، چنبیلی، موتیا، نرگس اور رات کی رانی کا روپ بخش دیا۔ میری آنکھیں صحیح کام کر رہی تھیں میں نے ابراہیم کو دور سے آتے دیکھا ہاں یہ وہی ابراہیم تھا جس نے مالک کے کسی حکم سے روگردانی نہیں کی تھی بلکہ اس کا عندیہ یہ تھا۔

مصور دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو
اُدھر حکم الٰہی ہو اِدھر گردن جھکائی ہو

وہ ہمارے خالق و مالک کا خلیل تھا دوست تھا، نمائندہ تھا، خلیفہ تھا، ان کا میرے ہاں آنا کوئی معمولی بات نہ تھی وہ تشریف لائے اور میں قدموں میں بچھ بچھ گئی۔

البتہ میں نے اپنی تپش کا رُخ فرعون اور آلِ فرعون کی طرف کر دیا وہ اپنی نامرادی، اپنی ناکامی، اپنی توہین اور اتنے بڑے اختیارات کی مسند بیٹھے ذلت و رسوائی کی آگ میں جھلس کر رہ گئے۔

میں اس چھری سے بھی ملا ہوں، میں نے داستانِ اسماعیل کا جب ورق الٹا تو فرطِ جذبات سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ کہنے لگی چشتی بھائی، کیا پوچھتے ہو، ایک طرف پیکر تسلیم ابراہیم، اور ایک طرف پیکر صبر و رضا اسماعیل تھا۔ میرے لئے وہ لمحہ بڑا عجیب تھا میں اپنے خالق و مالک کے حکم کی پابند بھی تھی۔ پاس ادب تھا میں ایک نبی بلکہ ابوالانبیاء کے ہاتھ میں تھی اور ایک نبی کے نازک حلقوم پر تھی نہ جائے

ماندن، نہ پائے رفتن میرا کام کاٹنا ہے دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، لیکن میری کاٹ، تیز اور تیز دھار ہوتے ہوئے اسماعیل کے گلے کو کاٹ نہ سکتی تھی کہ مالک کا یہی حکم تھا ابراہیم جتنا زیادہ زور سے چلاتے میں اتنا ہی زیادہ کند ھ ہو جاتی تھی ابراہیم تھے تو نبی لیکن انہیں ابھی اس بات کی خبر نہ تھی کہ مالک پیچھے سے مجھ جیسی تپلی کی ڈور کس طرح ہلا رہا ہے انہوں نے جب دیکھا کہ میں اپنے فطری کام سے، کاٹنے سے، غفلت برت رہی ہوں تو انہوں نے زور سے مجھے ایک پتھر پر دے مارا میں نے بھی پورا زور لگا کر پتھر کے ٹکڑے کر دیئے ابراہیم نے خشمگیں نگاہوں سے جھڑکتے ہوئے کہا پتھر ٹکڑے کر سکتی ہو یہ نازک حلقوم کو کاٹ نہیں سکتی تو میں نے اپنی بے زبانی میں کچھ نہ کہنے کی آرزو کے باوجود، حضرت ابراہیم کو آتش نمرود کی برودت اور سلامتی یاد کرا دی کہ اگر آتش نمرود کو کوئی آپ کیلئے ٹھنڈا ہونے کا حکم دے سکتا ہے تو مجھے بھی وہی حکم دینے والا حکم دے رہا ہے، بس اسی ثناء میں پردہ کشائی کرتے ہوئے اللہ ربّ العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبارکبادیوں کے پیغام فرماتے ہوئے، وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا، ہم نے سنا دی۔ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔

اگرچہ اس واقعہ کو چار ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس کرم کے سحر سے میں آج تک باہر نہیں نکل سکی۔

دوستو! مہربانوں! میں اسی طرح کائنات کی بکھری رعنائیوں میں گھومتا رہا اپنی پارٹی کے اُن افراد کو ملتا رہا، جن کے کردار نے سنہری حروف سے اپنے نام تاریخ کے اوراق پر کندہ کئے ہیں اصحاب کہف اور ان کے کتے کے جسم کو گزند نہ پہنچانے والے غار کے پتھروں سے، ریزوں سے، ذروں سے ملا ان کی بیان کردہ کیفیات میں ڈوب ڈوب مست ہوتا رہا، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے ملا اس سے ایک طویل عرصہ اس کے ہاتھ میں رہنے کی کیفیات و جذبات سن سن کر مست ہوتا رہا۔

میں نے تصور ہی تصور میں اس اونٹنی کے قدم چومے ہیں، جس کی اپنی کوئی کل بھی سیدھی نہ تھی، لیکن خالق و مالک کی محبوب ترین شخصیت کے قرب نے اسے بھی مامور من اللہ بنا دیا تھا وہ دراز گوش میرے خوابوں کی دنیا کو حسین ترین بنا تا رہا جسے ان کی صحبت و معیت نے اتنا باشعور بنا دیا تھا کہ اسے صحابہ کے نام، ان کے گھروں کے پتے اور گلی محلوں کے نام تک یاد ہو گئے تھے اور جب بھی کسی صحابی کو بلانے کا حکم ہوتا، وہ فوراً بھاگا بھاگا جاتا اور حکم کی تعمیل میں ذرّہ بھر کوتاہی نہ کرتا۔

علیٰ ہذا القیاس ! میں نے ان سے باتیں کیں، ان کی باتیں سنیں اور پھر قلم قرطاس کے حوالے کرتے ہوئے ان کی ترجمانی کی باتیں کیں۔ یہ باتیں اتنی سچی ہیں کہ کوئی جھٹلانے کی جرأت و حماقت نہیں کرسکتا۔ البتہ ترجمانی چونکہ میں نے کی ہے، اس لئے عین ممکن ہے ہزار جگہ میرے قلم نے لغزش کھائی ہو۔

کہاں سے لائے گا قاصد دہن میرا زباں میری
یہی بہتر ہے خود سن لیں وہ مجھ سے داستاں میری

اس لغزش و کوتاہی پر مری گرفت نہ فرمائے اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، اپنی پارٹی، حزب اللہ، کے ان بے زبان افراد سے آپ خود ملاقات فرمائیں، بخدا یہ داستانیں اتنی حسین ہیں، آپ کے خلوت کدے آباد ہو جائیں گے، آنکھوں کی پلکیں بھیگ بھیگ جائیں گی ایمان کی حلاوت اور مٹھاس سے اس قدر سرشار کر دے گی کہ آپ بھی ہمہ وقت رجوع اللہ رجوع الی الرسول کی کیفیت اور جذبات سے مسحور رہنے لگیں گے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ

عبدالحق ظفر چشتی

چیئرمین ادارہ آغوش محمد ﷺ

مصطفیٰ آباد، لاہور

[illegible] 2008

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی مرکزِ محبت ہیں

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

نگران اعلیٰ مرکزی مجلس رضا لاہور

علامہ عبد الحق ظفر چشتی، صاحب طرز ادیب ہیں، عالم ہیں، فاضل ہیں، خطیب ہیں، ادیب شہیر ہیں کئی خوبصورت کتابوں کے مصنف اور کئی علمی مجالس میں شمع محفل بن کر بیٹھتے ہیں، سب سے بڑھ کر وہ ہمارے دوست ہیں، مہربان ہیں، قدر دان ہیں اور ہمارے رفیق مجالس بھی ہیں انہوں نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت کا ایک نذرانہ پیش کیا ہے، جس کا عنوان ہے۔

"جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جمادات کی محبت"

یہ کتاب حضور سیّدی و مولائی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں ایک انوکھا عنوان ہے، جسے غالباً پہلے کبھی نہیں لکھا گیا نہ پڑھا گیا جمادات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایک منفرد انداز تحریر ہے، جسے ہمارے فاضل مؤلف بارگاہِ رسالت میں پیش کر کے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جمادے چند دا دم جان خریدم
بحمد اللہ چہ ارزاں خریدم

حضور جانِ کائنات ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، اور کائنات میں کروڑوں اشیاء ہیں، ان میں جمادات بھی ہیں جو حضور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں شاید ہم نے کبھی خیال ہی نہیں کیا کہ آیا پتھر، حجر و شجر، چٹانیں، پہاڑ، ریت کے

حقیر ذرّے، اور پہاڑوں کی بلند چوٹیاں بکھرے ہوئے سنگ ریزے، پاؤں کے نیچے مسلے جانے والے حقیر ذرّے بھی جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں فاضل مصنف نے ان بے زبانوں کی بے زبانی کو زبان بخشی ہے۔
جمادات فاضل مصنف سے ہمکلام ہوتے ہیں، وہ گفتگو کرتے ہیں، جذبات کی بھٹی تیز کرتے ہیں، کبھی ہنستے ہیں، کبھی روتے ہیں، کبھی وجد کرتے ہیں، کبھی اپنے آپ پر فخر کرتے ہیں کبھی آہیں بھرتے، روتے، چیختے اور چلاتے ہیں اور فاضل مصنف ان کی زبان کو، جذبات کو، خیالات کو، آہوں کو، مسکراہٹوں کو وجد آور کیفیات کو اپنے نوک قلم پر رکھتے ہیں صفحات قرطاس پر بکھیرتے ہیں خود بھی جذبات میں ڈوب جاتے ہیں اور قاری کی خشک سے خشک ترین آنکھوں کے خشک سوتوں سے آنسو کھینچ لاتے ہیں سینکڑوں واقعات اور ہزاروں روایات بحوالہ بیان کرتے ہیں اور رہوارِ قلم کو مزید سے مزید اڑاتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کے قلم نے بتایا ہے۔

سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

آپ کتاب کا صفحہ صفحہ الٹتے جائیں، آپ کو جمادات کے ذرے ذرے کا دل حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں دھڑکتا دکھائی دے گا مطالعہ کرتے جائیں، صرف دکھائی نہیں دے گا بلکہ ذرّہ ذرّہ ثنائی خوانی سرکار میں دھڑکتا سنائی دے گا ہم چاہتے ہیں کتاب سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کریں اور فاضل مصنف کے جمادات کے خوبصورت جواہر پارے جمع کردہ آپ کی نذر کریں اگر ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا تو جواہر دیواقیت کا بہتا ہوا دریا گدلا ہو جائے گا۔

غزوۂ تبوک سے واپسی پر وفد کندہ کا حضور کے بارگاہ میں حاضری کا تذکرہ کرتے ہوئے چند ذروں کا تذکرہ یوں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"اشعث نے کہا: اے ابوالقاسم! ہم نے دامن میں ایک چیز چھپا رکھی

ہے بتائیے وہ کیا ہے آپ نے فرمایا یہ باتیں تو جادوگروں سے پوچھی جاتی ہیں، ہم جادوگر نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ لو ایسا کرتے ہیں۔ میں چند خاک کے ذرّے ہاتھ میں لیتا ہوں یہ گواہی دیں گے ہم کون ہیں''۔

آپ نے یہ فرمایا: تو ہماری قسمت جاگ اُٹھی، زمین پر بچھے لاکھوں کروڑوں ذرّوں کی تمنا تھی کہ حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کا لمس ہمیں نصیب ہو اور ہم گواہی دیں لیکن یہ تو نصیب نصیب کی بات ہے جن کی مٹھی میں ساری کائنات کا نظم ہے انہوں نے ایک مٹھی ہم ذرّوں سے بھری اور ہم واشگاف الفاظ میں آپ کے اور اپنے ربّ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کے گیت گانے لگے، یوں تو کوئی ذرہ ایسا نہیں جو کسی بھی لمحے اپنی مالک کی تسبیح سے غافل ہو، البتہ اس روز تو جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھی میں ہمیں ایسی زبان بخش دی گئی جس کو انسان بھی سمجھ سکتے ہیں۔

ہماری شہادت کی کیفیت، اس وفد کندہ پر ایسی طاری ہوئی کہ وہ بھی سب کے سب بیک زبان ہو کر پکارنے لگے، نشھد انک رسول اللہ، کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

''سنگ ریزے اور محبت'' کے عنوان کی چند سطور پڑھئے۔

ہم پتھر تو ہیں، پتھر دل نہیں، نہ ہماری آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں ہم محبت کرنا جانتے ہیں، ہم محبت نبھانا جانتے ہیں ہم اپنے قریب آنے والوں میں کون محبت کرنے کے قابل ہے اور کون نہیں، دیکھ لیتے ہیں ہم اظہارِ محبت بھی کرتے ہیں سر دھننا جانتے ہیں مست ہونا جانتے ہیں ہم رقص کرنا جانتے ہیں ہم محبوبوں کی آمد پر چلنا بھی جانتے ہیں ہم محبوبوں کا استقبال کرنا بھی جانتے ہیں ہم قدم چومنا جانتے ہیں ہم رقصِ بسمل کی طرح تڑپنا بھی جانتے ہیں ہم پانی کی نہریں بہانا جانتے ہیں

ہم محبوب کی محبت میں ریزہ ریزہ ہونا جانتے ہیں۔

ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ محبت ہی ایک ایسا جذبہ ہے جو پتھر کو پتھر نہیں رہنے دیتا موم کر دیتا ہے جس طرح موم جلتا بھی ہے پگھلتا بھی ہے اسی طرح ہم بھی محبوب کی محبت میں جلتے بھی ہیں پگھلتے بھی ہیں۔

کہتے ہیں محبت مردہ کیلئے زندگی روح کی غذا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، حیف ہے، اس پر جس کے پاس دل ہو، مردہ ہی سہی، لیکن وہ محبت کر کے زندہ نہ ہو سکے، حیف ہے اس پر، جو اپنی روح کو زندہ نہ کر سکے اور بجھ جائیں اس کی آنکھوں کے چراغ جو کسی کو اپنا محبوب بنا کر اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر سکے۔

محبت وہ روشنی ہے جس سے منزل نظر ہی نہیں آتی، منزل پر پہنچاتی بھی ہے۔ محبت کی روشنی میں سفر کرنے پر جو منزل ملتی ہے وہ جھوٹی نہیں ہوتی دھوکہ نہیں ہوتی فریب نہیں ہوتی"۔

کائنات کی تخلیق پر غور و خوض کرنے والے مؤرخین نے زمین کی تخلیق اور بناوٹ کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بڑے لطیف انداز میں خطۂ ارضی پر جمادات کی ابتداء کا نقشہ کھینچا ہے وہ بتاتے ہیں کہ حضرت انسان کے زمین پر آنے سے لاکھوں سال پہلے کئی قسم کی مخلوق کا اقتدار قائم کیا پہاڑوں کو پیدا کیا، قرآنی اصطلاح میں انہیں "اوتاد" کہا گیا ہے۔ یہ وہ میخیں اور ستون تھے جنہوں نے زمین کو سکون بخشا۔

جمادات کی بے شمار قسمیں زمین کے تختے پر ان جمادات کا لاکھوں سال، کروڑوں سال تسلط رہا، پہاڑوں سے لے کر ریت کے حقیر ذرّوں تک بے شمار قسم کی جمادات نے اپنا سکہ جمایا اور ایسا اقتدار جمایا کہ ہزاروں نہیں کروڑوں سال تک زمین کو پرسکون رکھنے اور اپنی جگہ برقرار رکھنے کے فرائض انجام دیتے رہے،

زمین تھی جمادات تھے زمین تھی پہاڑ تھے، زمین تھی پتھر تھے، زمین تھی، لعل و جواہرات تھے، زمین تھی اور سنگریزے اور ذرّے تھے یہ سب جمادات کی دنیا تھی جو کائنات ارضی پر حکمران رہی۔

ہزاروں صدیاں گزرنے کے بعد دریائے رحمت جوش میں آیا تو بادلوں کو حکم ہوا کہ زمین کے پہاڑوں، پتھروں، وادیوں، صحراؤں پر جا کر برسو، بادلوں نے کمال محبت سے ہر جگہ ہر بستی اور ہر کونے کھدرے میں برسنا شروع کر دیا، بادلوں کے برسنے پر سنگلاخ زمین، نرم و گداز ہوئی اور نباتات نے اس کی کوکھ سے جنم لیا، درختوں، پودوں بیلوں اور اشجار نے پیار کی چھاؤں سے ساری زمین، کو پہاڑوں کو، وادیوں کو، سرسبز کر دیا، ہر طرف بہار آ گئی نباتات کے کرشمے دکھائی دینے لگے۔ جمادات کی کائنات پر نباتات کے اقتدار کا موسم آیا، یہ شجر، یہ پھل، یہ پھول، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت، یہ پھول کی وادیاں، جمادات کی دنیا میں جلوہ گر ہو گئیں۔

یوں زمین پر صدیوں پہاڑوں کے اقتدار پر نباتات کے اقتدار کا زمانہ آیا، پھر جمادات اور نباتات کا تسلط صدیوں تک قائم رہا، پھر اللہ ربّ العزت نے اپنی مشیت سے حیوانات کو زمین پر بھیجا، جو جمادات (پتھروں) اور نباتات (پھلوں اور پھولوں) سے لطف اندوز ہونے لگے، حیوانات کی آمد کے بعد جمادات اور نباتات نے اپنے آنے والے مہمانوں حیوانات کے لئے اپنے سینے کھول دیئے اور وہ جمادات کے زیر سایہ رہنے والے اور نباتات کی گوناں گوں مخلوق سے اپنا پیٹ بھرنے لگے، حیوانات کی دنیا کی مختلف شکلیں تھیں، یہ چرند، یہ پرند اور اُڑنے والے اور رینگنے والے حیوان جمادات و نباتات سے نہ صرف فیض یاب ہوتے رہے بلکہ یہ بھی اپنی محبت کی چادر جمادات و نباتات کے سروں پر تانتے چلے گئے۔

کائناتِ ارضی کی یہ مخلوق اور خطہ زمین کی رونقیں اپنی جگہ مگر ایک وقت آیا کہ جنت کے باغوں میں کچھ تبدیلیاں نمودار ہونے لگیں، حضرت آدم علیہ السلام، رونق

کائنات ارضی بنائے جانے لگے، جہاں جمادات، نباتات اور حیوانات کا تسلط تھا، وہاں حضرت ربّ آدم علیہ السلام کا تخت بچھایا جانے لگا اور اعلانات ہونے لگے کہ ہم زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بھیجنے والے ہیں یہ تخلیق خالق عالم کی دنیائے زمین و آسمان کی تمام تخلیقات میں بالکل انوکھی اور نرالی تھی جسے مالک نے فخلقت بیدی کا اعزاز بخشا تھا۔ ساری مخلوق ارادہ کے بعد کن کہنے سے بنی تھی اور آدم و نبی آدم کی تخلیق خود اپنے ہاتھ سے فرمائی تھی خالق نے اپنی اس تخلیق کو اپنا شاہکار بنا دیا اور بے حد و عد مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق ملائکہ کو اس کی عظمت کا اعتراف کرا کراس کے حضور سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔

زمین اور زمین پر رہنے والی ہر قسم کی مخلوق، جمادات، نباتات، حیوانات غرض جو کچھ بھی تھا، وہ تابع فرمان تو پہلے ہی تھی نافرمانی اس کی جبلت ہی میں نہ تھی فرمانبردای اور صرف فرمانبرداری، اس کے کان میں یہ بھی کہہ دیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام جن کو میں کائنات ارضی پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیج رہا ہوں دراصل یہی وہ شخصیت ہے جس کے لئے تمہیں تخلیق کیا گیا ہے اس میرے خلیفہ کے حکم تعمیل دراصل میرے ہی حکم کی تعمیل ہو گی۔ اور سنو! حضرت آدم علیہ السلام اور بنی آدم کی تخلیق کا باعث ایک اور ذات بھی ہے جس کی عظمت کے جھنڈے ساری مخلوقات کی تخلیق سے بھی بہت پہلے گاڑے جا چکے تھے۔ جب وہ تشریف لے آئیں تو حضرت آدم و بنی آدم، ان میں جلیل القدر میرے فرمانبردار بندوں سے لے کر ہر چیز کو ہمارے اُسی محبوب کے حضور جھکنا ہو گا، اتباع کرنا ہو گی، محبت و اطاعت کرنا ہوگی، ان کا قرب، میرا قرب ہو گا، ان سے دوری، مجھ سے دوری ہو گی۔

تیرے در سے جو یار پھرتے ہیں
دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

زمین پر بسنے والی مخلوقات میں سے ہر ایک نے اس حکم کی اطاعت کا حق ادا

کر دیا، جمادات ہوں یا نباتات ہوں یا حیوانات، سب نے آپ کے حضور بے دام غلاموں کی طرح نقدِ دل کے نذرانے پیش کر کے انوکھے باب رقم کئے ہیں اور یہی ہمارے فاضل مصنف علامہ عبد الحق ظفر چشتی کا موضوع ہے آپ کے ہاتھوں کے لمس کا شرف پانے والی یہ کتاب اس موضوع کا ابتدائیہ ہے۔ اس کے بعد جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نباتات کی محبت کے حسین تذکرے ہونے والے ہیں پھر اس کے بعد جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے حیوانات کی محبت کے حیران کن، ایمان افروز، اور محبت کی دنیا کے انوکھے باب کے دروازے کھلنے والے ہیں۔

آپ کو ان کتابوں میں محبت کے عشق کے، پیار کے، فدا کاری، جان نثاری کے ان بے جان و بے حس اور غیر متحرک اشیاء کے البیلے واقعات ملیں گے۔ کبھی کبھی تو احساس ہوگا کہ اے کاش! ہم بھی ان پتھروں، ذرّوں، روڑوں، درختوں اور جانوروں کی فدا کاری کے ابواب کا ایک حصہ ہوتے۔

اسی چاہت، اسی احساس کو بیدار کرنا ہی کتاب کی تصنیف کا اصل مقصد ہے کہ انہیں کی محبتوں کے معجزے اپنی جگہ، اگر کوئی انسان ہو کر، اس فخر انسانیت سے محبت کے زمزمے بہانے لگے۔ تو یہ صرف مسجود ملائک ہی نہ رہے بلکہ محبوبیت خلاق عالم کے سب سے عظیم تر درجے پر پہنچ جائے، جمادات کو، نباتات کو، حیوانات کو تو اس وقت ہی اپنے یہ دلفریب انداز دکھانے کا موقع ملا، لیکن انسان کیلئے تو اس شاہکار سے محبت، الفت، عشق اتباع اور اطاعت کے آج بھی دروازے کھلے ہیں۔ عظمتوں کے تاج ایک عرصہ سے اس کے سر پر سجنے کو بے چین و بے قرار ہیں۔

ہم فاضل مصنف کو دعا دیتے ہیں کہ انہوں نے محبت و اتباع اور اطاعت کے خوابیدہ جذبہ کو مہمیز لگانے کے لئے خوبصورت انداز اختیار کیا ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

04-08-2008

مفرداتِ ثلاثہ میں جمادات اور اُن سے ہم کلامی

سیرت النبی اور فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین موضوع رہا ہے، کوئی شعروں میں مدحت حبیب خدا کے نغمے الاپتا ہے تو کوئی نثر پاروں کی صورت میں محبت وعقیدت کے پھول محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پہ نچھاور کرنے کی سعادت پاتا ہے اور یہ قافلۂ عشاق روز بہ روز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

اسی قافلہ عشاق کے ایک فرد فرید جناب علامہ عبدالحق ظفر چشتی بھی ہیں محترم چشتی صاحب کا شمار ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جو علم و دانش کے ساتھ ساتھ درد و سوز کی دولت فراواں سے بھی سرفراز ہیں، ان کا رہوارِ قلم ہمیشہ انوکھے مگر فیض رساں موضوعات کا متلاشی رہتا ہے۔

چند روز قبل آنجناب نے محترم صلاح الدین سعیدی ڈائریکٹر تاریخ اسلام فاؤنڈیشن لاہور کی رفاقت میں غریب خانہ کو قدوم میمنت لزوم کا شرف بخشا تو معلوم ہوا کہ جسمانی عوارض کی گرفت میں آئے لوگوں کو روحانی شفا خانوں کی راہ دکھانے والے یہ صاحب قلم اب چمنستان سیرت سے ایک حسین گلدستہ تیار کر کے ہمارے طاق قلب پر سجانے کے لئے کمر بستہ ہیں لگتا ہے اہل درد وفراق کی ''ھل من مزید'' نے انہیں یہ نئی راہ سمجھائی ہے جو ہمیشہ یہ فریاد کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسنِ یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بارسید

سو علامہ عبد الحق ظفر چشتی صاحب اپنی کتاب ''جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جمادات کی محبت'' کے ذریعے تماشائے حسن یار کا سامان کرتے نظر آتے ہیں یہ کتاب شجر و حجر کی زبانی رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمادات کی محبت کے عطر بیز تذکروں سے مزین ہے۔

اس پہ شاید کسی کا ماتھا ٹھنکے کہ کیا جمادات بھی دل رکھتے ہیں؟ اور کیا ان میں بھی احساس و شعور ہے کیا یہ بات بھی کر سکتے ہیں؟

قرآن و حدیث اور صوفیانہ ادب سے آگاہی رکھنے والوں کے لئے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ربّ العزت کے سامنے زندہ ہے ان میں حِس ہے ادراک ہے، وہ ربّ العزت کے مطیع اور عبادت گزار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنے ناقص اور محدود علم اور اپنے حواس کی نارسائی کی بناء پر ان کے احساس و ادراک اور ان کی زندگی کو سمجھ نہ پائیں۔ ورنہ بعض اوقات تو ہم اپنے ہم جنس کی بات نہیں سمجھ سکتے۔

علم لدنی کے بحر ذخار حضرت عبد العزیز بن دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جمادات کے دو پہلو ہیں ایک رخ خالق کی طرف سے ہے اسی میں وہ اللہ تعالیٰ سے نہ صرف واقف بلکہ اس کے مطیع و عبادت گزار بھی ہیں ربّ العزت کا یہ فرمانا اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ''وان من شیء الا یسبح بحمدہ'' یعنی ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہیں اور آیت کا دوسرا حصہ ''ولکن لا تفقھون تسجیھم'' لیکن تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے، جمادات کا یہ دوسرا رخ مخلوق کی طرف سے ہے کہ اس کے مطابق ہم سمجھتے ہیں کہ بظاہر جمادات کچھ نہیں جانتے نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ پردہ ہٹانے کی درخواست کی تھی تاکہ ہم ان کی تسبیح اور کلام سن لیں چنانچہ کنکریوں کی تسبیح کھجور کے تنے کی سسکیاں، پتھروں کا سلام اور درختوں کی سجدہ ریزی، ان سب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے احساس و

ادراک اور قوت نطق وسماعت پر پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا۔

حضرت عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں خود اپنے بعض مشاہدات بھی بیان فرمائے کہ کس طرح انہوں نے جمادات سے تسبیح اور ذکرِ الٰہی سنا، اس پر جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ کلام انہوں نے عربی میں سُنا۔یا جمادات کی اپنی زبان میں تو حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جمادات کی زبان میں کیونکہ ان کی اپنی زبانیں اور اپنی بولیاں ہیں جو ان کی ذات کے لائق ہیں۔ (خزینہ معارف ترجمہ الابریز)

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مثنوی میں کئی مقامات پر اس موضوع کے حوالے سے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں:

بادو خاک و آب و آتش بندہ اند
بامن وتو مردہ، باحق زندہ اند

ہوا مٹی، پانی اور آگ یہ سب خدا کے مطیع وغلام بندے ہیں یہ میرے تیرے سامنے تو بے جان ہیں مگر حق تعالیٰ کے سامنے زندہ ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

در جمادات از کرم عقل آفرید — عقل از عاقل بقہر خود برید

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جمادات کے اندر عقل وشعور پیدا کیا ہے جبکہ وہ اپنے قہر سے عقلمند سے عقل چھین لیتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
ولے داند دریں معنی کہ گوش است

کائنات کی ہر چیز جو تجھے نظر آرہی ہے ذکر الٰہی میں مصروف ہے لیکن یہ وہی جانتا ہے جو گوش (باطنی) رکھتا ہے۔

راقم الحروف کا خیال تھا کہ ایسے مخصوص ''گوش'' کے حاملین اب صرف

کتابوں میں ہی بستے ہیں۔ لیکن زیر نظر کتاب کے صفحات غمازی کر رہے ہیں کہ نہیں! صاحبان گوش ہوش آج ہمارے درمیان بھی موجود ہیں اور ہمارے کرم فرما مصنف کتاب تو ایسے صاحب گوش ہیں جو دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمادات کی ایمان افروز اور روح پرور گفتگو سننے کی سعادت بھی پا چکے ہیں، یقیناً یہ بہت بڑی سعادت ہے لیکن اس مبارک دور کے شجر و حجر اور دیگر جمادات سے گفتگو کرنے کیلئے جس طرح انہیں دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جینے کے لئے جتن کرنے پڑے ہوں گے۔ وہ سعادت در سعادت ہے آج جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جسے جینا مل جائے اس کی خوش بختی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ سو اس عظیم سعادت پر مصنف کتاب صد مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ایں سعادت بزور باز و نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشدہ

مصنف مدظلہ منجھے ہوئے ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں اور شعر گوئی و شعر فہمی کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسی کتاب میں برمحل خوبصورت اشعار پڑھ کر مزہ دو آتشہ ہو جاتا ہے اور قاری جھوم اٹھتا ہے۔ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو میں گندھی ہوئی یہ کتاب قارئین کے ہاتھ میں ہے میرے لئے اس پر تبصرہ اس لئے ممکن نہیں کہ

خوشبو آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

سو قارئین اس سے اپنے مشامِ جان ایمان کو معطر کریں اور مصنف دامت برکاتہم کی صحت میں برکت کے لئے دعا کریں کہ ان کے دست مبارک سے مزید ایسی خوبصورت تحریریں ہمیں پڑھنے کو ملتی رہیں، آمین یا ربّ العالمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد نصر اللہ معینی

ڈائریکٹر ریسرچ ونگ ادارہ منہاج القرآن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جانِ کائنات ہی محبوبِ کائنات ہیں

نبوت ہر دور میں غالب تھی، غالب ہے اور غالب رہے گی۔ موجودہ دور، سائنسی انکشافات کا دور ہے۔ ایسے ایسے راکٹ، میزائل اور طیارے معرض وجود میں آ چکے ہیں کہ آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تر رفتار کے ساتھ محو پرواز ہیں لیکن اتنی برق رفتاری اور بلند پروازی کے باوجود، براقِ نبوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح طب کی کون سی دوا، لعاب دہن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کر سکتی ہے۔

یہ کمالِ نبوت ہے کہ جس کے آگے ساری کائنات زیر و زبر ہو جاتی ہے۔ حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کے تاجدار بن کر جلوہ فرما ہوئے تو آپ کے کمالات و تصرفات کا کیا کہنا۔ آپ خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ارض و سماوات کی وسعتوں میں آپ کی حکمرانی کے پرچم لہرا رہے ہیں۔

صدقے اس اکرام کے، قربان اس انعام کے
ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ

اللہ اکبر، آپ کی حکمرانی صرف جنوں اور انسانوں تک محدود نہیں۔ فرشتے بھی آپ کے خدامِ بارگاہ ہیں۔ حور و غلمان بھی آپ کے متلاشیان حسن ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات کے جہان بھی آپ کے حضور ناز میں مسخر ہیں۔ ذرّہ

ذرّہ آپ کی محبت کی فراوانیوں سے سرشار ہے۔ قطرہ قطرہ آپ کی مؤدت کے سوز دروں سے مالا مال ہے جس کو بھی اک نگاہ دلربائی سے دیکھتے ہیں وہ چیز سو جان سے قربان ہو جاتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات کے لئے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

صحیح مسلم شریف میں حدیث مبارکہ ہے

ارسلت الی الخلق کافة

یعنی میں تمام مخلوقات کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یاد رہے کہ رسالت، مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان واسطے اور رابطے کا نام ہے۔ اب جس کو جو عظمت و نعمت، میسر ہوگی وہ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے اور رابطے سے حاصل ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں جب تمام کائنات وجود میں وجود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محتاج ہے تو کمالات وجود میں کیوں ان کی محتاج نہ ہوگی۔ واقعی محبوبِ رب العالمین ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (ملخصاً)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالق و مخلوق عابد و معبود، ساجد و مسجود، طالب و مطلوب اور رازق و مرزوق کے درمیان، واسطہ، رابطہ، وسیلہ اور برزخ بن کر آئے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ہر چیز حصول کمال کے لئے آپ کی محتاج ہوگی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ

اس پر آشوب دور میں باطل قوتوں کا سب سے خطرناک حربہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کو حضور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات و تصرفات سے ناآشنا کر دیا جائے۔ اس مذموم کوشش کے لئے ان کے وفادار ایجنٹ، دن رات کام کر رہے ہیں توحید کی آڑ میں۔ آپ کی شان و عظمت کا انکار کیا جا رہا ہے۔

افسوس! توحید کے سب سے بڑے علمبردار کے کمالات کو ہی توحید کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھ لیا گیا ہے تاکہ لوگ توحید رکھ لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیگانہ ہو جائیں۔

عصرِ ماز ما بیگانہ کرد
از جمال مصطفیٰ ﷺ بیگانہ کرد

جس توحید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و وجاہت کا انکار پایا جاتا ہو۔ اس سے کسی کو کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ شیطان آج بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علمبردار ہے لیکن اس تسلیم و رضا کے باوجود، وہ شیطان ہی ہے۔ راندۂ درگاہ ہے، رجیم ہے، کیوں؟

اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ اس نے محبوبانِ خدا کی عظمت کا انکار کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری طرح آگاہ کیا جائے اور اسے شیطانی وسوسوں، حربوں اور حملوں سے بچایا جائے۔

زیر نظر کتاب ''جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جمادات کی محبت'' میں محقق عصر حضرت علامہ محمد عبدالحق ظفر چشتی مدظلہ نے اسی مقصد کو سامنے رکھا ہے اور بے شمار فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ایک فضیلت پر کھل کر بات کی ہے۔ آپ نے اپنے قلم گوہر رقم سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک شاہکار تخلیق کیا ہے جس کا ایک ایک لفظ خمیر عشق میں گندھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جمادات، کنکر، مٹی کے ذرّات، پتھر، روڑے، کس طرح دل و جان سے، جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوتے ہیں۔

سیرۃ ابن ہشام میں روایت مرقوم ہے۔ فَلَا یمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

علیـه و آلهٖ وسلم بحجر ولا شجر الا قال السلام علیك یا رسول اللّٰه
یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بھی پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ یوں پکارتا السلام علیک یا رسول اللہ اس موضوع پر اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔

اس کتاب میں اہل دل اور اہل محبت کے لئے معلومات کا ایک وسیع ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے اور اس عقیدے کو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کائنات کی نگاہوں کا قبلہ ہیں اور آرزوؤں کا کعبہ ہیں۔

ماہ ٹوٹے پیڑ دوڑیں، جانور سجدہ کریں
اللہ اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہیں

مولا کریم! حضرت مؤلف اور جناب ناشر کو تمام اہل اسلام کی طرف سے بہترین اجر وثواب عطا فرمائے اور تمام امت مسلمہ کو داخلی و خارجی فتنوں سے محفوظ رکھے۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

غلام مصطفیٰ مجددی
۳۱ مئی ۲۰۰۸ ہفتہ شکر گڑھ

حضرت ظفر، شجرِ پُر ثمر

خوبصورت ، گھنے سایہ دار درخت کا ایک ماضی بھی ہوتا ہے جب بظاہر وہ ایک ننھے سے ''بیج'' سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتا، مگر جب کسی کی نگاہِ انتخاب اُسے پروان چڑھانے کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ اس ''صاحبِ نظر'' کی کرم گستری سے اپنے اس ننھے سے وجود کو خاک میں خاک کردینے پر تُل جاتا ہے۔ چند دن بعد وہ ننھا سا بیج ایک نرم و نازک کونپل کی صورت زمین کا سینہ چیر کر ''سرفرازی'' کا پہلا زینہ چڑھتا ہے۔ وہ اپنے گردو پیش کا جائزہ لیتا ہے، اور اپنی کمزور، نحیف اور لاچار حیثیت کو دیکھتا ہے جس کے ماحول میں اس جیسے اَن گنت شگوفے مختلف حادثات کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ کر ''بے نام'' ہو گئے۔

لیکن اس شگوفے کی خوش بختی کہ یہ کسی کی نگاہ میں تھا جو اُس کی جہد مسلسل سے نگرانی و نگہداشت سے غفلت کا شکار نہیں تھا بلکہ شب و روز رسمی شدائد کے اثرات سے بچاؤ سے لے کر ڈھور ڈنگر کے پاؤں تلے آ کر کسی حادثے سے بچائے رکھنے کی سعی جمیل پر بھی مستعد و تاک تھا۔ یوں ماحول کی کج ادائی و سنگینی کے باوجود یہ نرم و نازک شگوفہ چرخِ نیلی فام کے ماہ و سال گنتے گنتے پودا اور پھر پودے سے تناور درخت بن گیا۔

کل تک یہ شگوفہ، یہ کونپل ایک ''بے سُود اور بے ضرر'' وجود تھا مگر موسمی

شدائد، جاڑے کی جاں گسل زندگی، گرم لُو کے بے رحم تھپیڑے، طوفانی بارشیں، آندھیوں کے قیامت خیز جھگڑ ...... یہ سب کچھ سہتے سہتے ایک دن یہ ''بے سُود و بے ضرر'' شگوفہ ایک نفع بخش پیڑ کی شکل اختیار کر چکا تھا، جس کی زندگی کی ابتداء بے ضرر ہونا اور انتہاء نفع بخش ہونا قرار پائی ...... جو بھی زمانے کی دھوپ کا جھلسایا، ستایا ہوا اس کے قرب میں آیا اس نے بے لوث، بے غرض اپنے بازو وا کر دیے، آنے والا کوئی عامی راہ گیر بھی ہوسکتا ہے اور کوئی دشمنِ جاں بھی ہوسکتا ہے ...... مگر اسے کسی کی دوستی سے کیا غرض، یا دشمنی کی کیا پرواہ! لوگ باگ پتھر مارتے ہیں اور یہ جواب میں پھولوں سے جھولی بھر دیتا ہے کہ لے میاں خود بھی کھا اور بال بچوں کے لیے بھی لے جا ......

''درخت کی ابتداء بے سُود بے ضرر ہونا اور اس کی انتہا نفع بخش ہونا ہے'' اگر یہ بات دل کو لگتی ہے تو یقین جائیے ''رجال اللہ'' کی زندگیاں بھی اس مثال کی حقیقی اور سچی تصویر ہوتی ہیں۔

جس ہستی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی ادھوری سی کوشش کر رہا ہوں یہ ہستی جو ''خود پرستی'' کے ہر شائبے سے پاک، عجز و انکساری میں ڈھلی ہوئی ''بے ضرر اور مکمل نفع بخشی'' کے منشور پر گامزن ...... جو لوگ آپ کے ''کل'' سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ شخصیت جو آج بلاشبہ ایک گھنے سایہ دار ثمر بخش درخت کی صورت نظر آ رہی ہے اِس کا ''کل'' کتنے گھمبیر تاؤں سے گزرا، مسلسل ہجرت، مخالفتوں کی آندھیاں، عداوتوں کے طوفان، کون سا جاں گسل حادثہ تھا جو اس ''بے ضرر'' جان پہ نہ گزرا! لیکن صدقے اس کرم گستر ماں کرم بی بی کے جس نے اس کونپل کو ہر حادثے، ہر سانحہ اور خطرے سے دعاؤں کی باڑ کے ساتھ محفوظ رکھ کر یوں پروان چڑھایا کہ آج بڑے بڑے ''قد آور'' اس کے زیرِ سایہ آ کر اپنا ''قد بڑھاتے'' ہیں۔ اس شجرِ سایہ دار کا اس عالمِ ہست و بود میں ورودِ مسعود 1939ء میں ہوا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لبریز سینے والے حافظ و قاری میاں مستقیم رحمۃ اللہ علیہ کے وارث و جانشین کی ولادت بھی تعجب انگیز ہے کہ والد میاں عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی پشت میں ہیں مگر کسی ''کرم'' کے منتظر، اور جب ''آغوشِ کرم وا'' ہوئی تو فداکارانہ اداؤں سے رونق افروز آغوشِ مادر ہوئے ...... مادرِگرامی! سبحان اللہ، کیا شانِ توکل رکھتی ہیں کہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اپنی سوتن (بے اولادی کے باعث جسے لوگ منحوس سمجھتے تھے اور اپنے بچوں کو اس کے سائے سے بھی بچاتے تھے) کی گود میں یہ کہہ کر ڈال دیا کہ یہ بچہ آپ ہی کا ہے، گاؤں بھر کے لوگوں نے ایسا کرنے کو بچے کی زندگی کے لیے خطرہ قرار دیا مگر اس کرمانوالی بھاگاں بھری ماں کے جذبۂ صادقہ کو کوئی خوفزدہ نہ کر سکا ...... بچے کو رضاعی ماں نے جب دودھ دینا چاہا ہوگا اس وقت مثالی کردار کی حامل خاتون نے اپنے ربّ سے اپنی سوتن کے لیے ضرور دعا کی ہوگی کہ یا اللہ! تو مُردے زندہ کرنے والا مہربان مالک ہے، سائیاں! میری اس بہن کی امید کی کھیتی بھی ہری بھری کردے، اور شاید یہ شیرخوار بھی اپنی ماں کا دودھ منہ میں لینے سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں التجائیہ نظروں سے مالک سے کچھ مانگ رہا ہوگا اور اپنی والدہ محترمہ کی دل کی دھڑکنوں سے اس کے دل کی دھڑکنیں بھی ہم آہنگ ہوگئی ہوں گی۔ اور پھر اس سڑے نصیباں والی، منحوس سمجھی جانے والی، ناامیدی کی کسی گہری کھائی میں گری پڑی ماں پر اللہ الباری الخالق کے کرم کی برکھا کچھ ایسی برسی کہ اس کی سوکھی کوکھ بھی ہری ہوگئی ...... یہ دو ماؤں کا دودھ پینے والا ...... جس نے شیرخوارگی کا حق ادا کردیا، جسمانی طور پر تو پہلوان نہیں مگر یہ منحنی سا، پیارا سا، سانولا سجیلا، سلطنتِ وفا کا تاجور ضرور بن گیا۔

شیرِ مادر تھا یا شرابِ کہن
جس کا ہے یہ خمار آنکھوں میں

جس کو یقین نہ آئے ایک بار مل کے دیکھ لے، دانشوروں میں ایک ذہین مشیر و رہبر، بزرگوں اور ہم رتبہ احباب میں مضبوط و قابلِ بھروسہ دوست، جوانوں کو زندگی کے گُر سکھانے، سمجھانے والے رہنما اور بچوں میں ایک معصوم اور بھولا سا ٹافیاں بانٹتا ہمجولی......

ماجھے کے علاقے کے جاٹ (جنہیں راجپوتوں نے اپنے خاندان سے خارج کر دیا تھا) غیور، بہادر اور سورما مشہور ہیں۔ طبیعت میں خاص قسم کی شوخی، اور احساسِ تفاخر، کہ اپنی بات پہ اڑ جانا...... یہ ماجھے کے جاٹوں کی خصوصیات میں سے ہیں مگر حیرت اس وقت ہوئی جب پتا چلا کہ آپ بھی خیر سے جاٹ نسل سے تعلق رکھتے ہیں...... سچی بات یہ ہے کہ دیر تک یقین نہیں آیا مگر یہ کوئی بھارتی مہاجر تو نہیں ہیں کہ ان کے اگلوں پچھلوں کا پتہ نہ چل سکے۔ شرقپور شریف کے علاقے میں ان کا آبائی ہی نہیں بلکہ جدّی پشتی گاؤں فتو والا اور ملتان روڈ پر واقع گاؤں جلیانہ نزد چوہنگ ان کی جنم بھومی ہے۔ اور امامیہ کالونی سے مسن کالر کے درمیان رنگیاں جنگیاں ان کا مسکن رہا ہے......اب سوائے یقین کر لینے کے چارہ نہیں مگر حسین لمحوں کے تراشے اس ہیرے کی شرافت، نجابت، درویشی، فقر، استغنا، للّٰہیت، اخلاص، ہمدردی، خیر خواہی......اس کے باوجود کہ آپ مستند عالم ہی نہیں بدرجہ سند دینی شخصیت کے مالک، قابلِ رشک مدرس، ہر دلعزیز ہمسایہ، شاگردوں میں بحیثیت مرشد و مربی، پُر درد خطیب، دوستوں کے لیے بہترین مشیر و معاون...... یہ ساری باتیں ان کے نام سے منسلک نا قابل ترمیم و تنسیخ حوالہ و نسبت ''چشتی'' سے روزِ روشن سے زیادہ عیاں ہو گئیں کہ یہ چشتی گھاٹ سے پانی پلائے ہوئے ہیں۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

تو پھر کہاں کا جاٹ اور کہاں کا راجپوت، جب حضرتِ عشق بسیرا کرتا ہے تو سب جھوٹے بانے اتر جاتے ہیں۔ شاید اسی لیے اب خود دار تو ضرور ہیں مگر خودسر نہیں، سرفراز تو ہیں مگر گردن میں غرور نسب کا سریا نہیں۔

عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی تصویر، زُودنویس مصنف، پُرمغز نعت گو شاعر، محقق مترجم اور مفسر ہیں، متعدد فلاحی، تعلیمی، اصلاحی اور رفاہِ عامہ کے اداروں کے بانی، سربراہ و سرپرست اور روحِ رواں ہیں۔ مداحوں کی تعریف و توصیف، دشنام طرازوں کی شماتت سے بے نیاز، تعریف سن کر غبارہ اور تنقید سے انگارہ نہیں بن جاتے ...... کوئی کرّ و فرّ نہ طمطراق، جبہ و قبہ، عُجب نہ کبر، کوئی ہاؤ ہو نہ غُل غپاڑہ، ہٹو بچوں کے ڈونگرے نہ تکلفِ استقبال، ان سب چیزوں سے بے نیاز بس سوہنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نیاز مند و خوش قسمت ہیں ......

وہ ،ادارے کا سربراہ، بانی یا سرپرست، وہ ، اولاد جس کی نسبت ولدیت، وہ، بستی جس کی گلی کے مکین، وہ دوست جن کے قابلِ اعتماد و اعتبار دوست کا نام حضرت علامہ عبدالحق ظفر چشتی زیدہ مجدہٗ ہے۔

اور میں اس خوش گمانی میں خوش ہوں کہ میں ان کے دوستوں کی فہرست میں شامل ہوں۔ ان کی شخصیت پر چند سطریں بے معنی سی ہیں پوری مفصل کتاب کی ضرورت ہے۔

مفتی ضیاء الحبیب صابری

ملتان روڈ، لاہور

خاک کے ذرّوں کی حضور سے محبت

حکم کو ماننا، دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک بادل نخواستہ، ٹوٹے دل کے ساتھ، ایسی تسلیم، سر سے بوجھ اتارنے والی بات ہوتی ہے۔ سر سے بوجھ اترا اسکھ کا سانس لیا۔ جان چھوٹی، ایسی تسلیم میں، مجبوریاں، مقہوریاں اور بے چارگیاں اصل عامل ہوتی ہیں۔ ڈنڈا، تلوار اور جان جانے کا خوف یا کسی طمع و لالچ کی حرص یا کسی مجبوری اور لاچاری کی کیفیت، حکم ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ڈنڈا اور تلوار ٹوٹی، تسلیم کی خو بھی ختم، طمع و لالچ اور حرص پوری ہوگئی تو پھر تو کون اور میں کون، مجبوری، مقہوری اور لاچاری ختم ہوئی تو تعلقات کی کچی ڈوری، کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ پھوٹ گئی۔

حکم ماننے کا دوسرا انداز، اس کی ترجمانی کیلئے، حروف کہاں سے لاؤں، ان کو الفاظ کا جامہ کیسے پہناؤں، جذباتِ دروں کی دھڑکنیں کیسے گنوں، نہ کوئی پیمانہ ایجاد ہوا، نہ تھرمامیٹر

آئیے! خاک کے ذرّوں سے پوچھتے ہیں کہ خاک کے ذرّو! ہم نے تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں پڑھا ہے اور قرآن مقدس سورۂ انفال کی آیہ مبارکہ نمبر ۱۷ اس پر اپنی گواہی ثبت کرتی ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کہ تم نے اے مسلمانوں ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

جب آپ خود کنکریاں پھینک رہے تھے اس وقت آپ تو نہیں پھینک رہے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ خود پھینک رہا تھا۔ یہ کنکریاں پھینکنا، ہجرت کی رات، غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں واقع ہوا تم تو ان کے ہاتھوں کے لمس کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اس وقت تمہارا اپنا عالم کیا تھا۔

خاک کے ذرّوں نے زبان حال سے کیفیات بیان کرتے ہوئے یہ راز افشا کیا کہ ہجرت کی رات تو صرف سات آدمی تھے۔ حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، ابوالہیثم اور ابوجہل، اس وقت ساتوں دشمنی محبوبِ خدا میں جل رہے تھے۔ اپنی زبانوں سے زہر بھرے الفاظ کے تیر تمسخر کے طور پر پھینک رہے تھے۔ گویا غصے میں اندھے ہو چکے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں ابوجہل کہہ رہا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتا ہے اگر ہم اس کی اطاعت اختیار کر لیں تو عرب وعجم کے بادشاہ بن جائیں گے اور مرنے کے بعد جب ہمیں زندہ کیا جائے گا تو ہمیں ایسے باغات ملیں گے جو اردن کے باغات سے کہیں زیادہ سرسبز و شاداب ہوں گے اور اگر ہم اس کی اطاعت قبول نہیں کرتے تو ہمیں بے دریغ قتل کر دیا جائے گا اور مرنے کے بعد جب ہم زندہ کیے جائیں گے تو جہنم کے بھڑکتے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے زوردار تمسخر آمیز قہقہہ لگایا۔

کہ اچانک ہمارے آقا، ہماری جان، ہمارا ایمان، حلم و بردباری کا پیکر عظیم مستقبل کی ہر چیز پہ نگاہ رکھنے والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنے کاشانہ اقدس سے باہر نکلے اور فرمایا: اَنَا اَقُوْلُ ذٰلِكَ اَنْتَ اَحَدُهُمْ ہاں! میں نے ایسے ہی کہا ہے اور ان میں سے ایک تم بھی ہو۔

اتنے میں ہمارے مقتدا جان کہ وہ جانِ جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھکے اور [illegible] خاک کے ذروں کو اپنی مٹھی میں لیا

اور ایسا لیا کہ ہماری جان میں جان آ گئی۔

آپ نے سورۃ یٰسین کی مقدس آیہ مبارکہ پڑھی:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○

یعنی ہم نے بنا دی ہے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے عقب میں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے لہٰذا وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔

یہ پڑھ کر ہم پر دم کر دیا اور ان کی طرف پھینک دیا۔ ہم تو اپنے مالک کے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے تھے بلکہ نہ صرف یہ کہ ان کو ماننے والے تھے بلکہ ان کی ہر بات ماننے والے تھے۔ ہمیں علم ہو گیا تھا ہم نے کیا کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا دشمن منتخب کر لیا۔ اس کے ذہن، اس کی فکر، اس کی سوچ، اس کی بینائی پر قبضہ کر لیا۔ ہم میں سے ہر ایک ایک ذرّہ کہہ رہا تھا اے دورِ حاضر کے دانشورو! تمہارے سروں پر نامرادی کی خاک جس کا منہ جس طرف بھی تھا۔ ہم اسی طرف سے ہو کر ان کی آنکھوں کے پپوٹوں کے اندر تک پہنچ گئے۔

غزوۂ بدر میں ایک ہزار دشمن رسول تھا۔ اس وقت ہمیں ہجرت کی شب کی نسبت کچھ زیادہ محنت کرنی پڑی لیکن کسی دشمن رسول کو ہم نے چھوڑا نہیں۔ خواہ کسی کی آنکھ بند تھی یا کھلی تھی، کسی کا منہ ادھر، کسی کا منہ ادھر، کوئی بیٹھا تھا تو کوئی کھڑا تھا، ہم ہر ایک کی آنکھ کے اندر گھس گئے اور ان کی آنکھوں سے قوتِ بینائی اس وقت تک سلب کر لی جب تک خالق ارض و سما نے چاہا۔

یہی کیفیت غزوۂ حنین کی بھی تھی۔ بس کچھ نہ پوچھ۔ اُن کئی ہزار مشرکوں تک پہنچنا تھا اور ہم پہنچ گئے۔ کہتے ہیں محبت محبّ کو اندھا کر دیتی ہے یعنی نفع و نقصان کو ناپنے والے پیمانے دیکھے نہیں جا سکتے۔ البتہ دشمن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تک پہنچنے کے لئے ہمیں ایسی بینائی مل گئی جو کسی اور کے حصہ میں کہاں نصیب ہو گی۔

غزوۂ حنین میں جب غضب کا رن پڑا۔ تو جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا چچا جان! مجھے ایک مٹھی کنکروں کی دیں۔ یہ سننا تھا کہ حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری دراز گوش، گدھا خود ہی اتنا نیچے جھک گیا کہ اس کا پیٹ زمین کے ساتھ لگ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی مٹھی ہم خاک کے ذرّوں سے بھری اور زبان پاک سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

شَاھَتِ الْوُجُوْہُ حٰم لَا یُنْصَرُوْنَ

دشمنوں کے چہرے بدنما ہو جائیں۔حم ان کی کبھی مدد نہ کی جائے گی۔ ہماری قسمت جاگی ہم بے جان سرکار کے سپاہی، محبت رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار میدان کارزار میں کود پڑے۔ ہزاروں کی تعداد میں دشمنانِ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں جہاں بھی تھے اور جدھر جدھر بکھرے ہوئے تھے ہم ان کی آنکھوں کے پپوٹوں کے اندر تک گھس گئے اور ان بے بصیرت لوگوں سے ان کی بصارت بھی چھین لی۔ یہ اسی حسین لمحے کی حسین یادوں کا تذکرہ ہے کہ خالق و مالک اپنے محبوب سے فرما رہا ہے۔ وَمَا رَمَیتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کہ اے جانِ کائنات! جب آپ کنکر پھینک رہے تھے۔ اس وقت آپ نہیں پھینک رہے تھے بلکہ خود اللہ تعالیٰ پھینک رہا تھا۔

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جس سے اتنے کافروں کا دفعۃً منہ پھر گیا

وفدِ کندہ اور خاک کے ذرّے

میں نے ایک بات اور پوچھی، غزوہ تبوک کی کامیاب رجعت کے بعد جانِ

کائناتِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور جب وفود آنے لگے تو ان وفود میں سے ایک وفد، وفد کندہ کے حوالہ سے بھی تمہارا ایک واقعہ تاریخ نے رقم کیا ہے۔ ذرا وہ واقعہ سنا سکتے ہو۔

تو خاک کے ذرّے جھوم جھوم گئے کہنے لگے واہ خوب یاد کرایا۔ کندہ یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے جو اپنے دادا کندہ کے نام سے موسوم ومنسوب ہے۔ ان کے دادا کا نام ''نور بن عفیر'' تھا اور ''کندہ'' اس کا لقب تھا۔ جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دادی جان اسی قبیلہ کی ایک خاتون تھیں جو جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا کلاب کی امی جان تھیں۔ یہ وفد کندہ جب مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو ان کی تعداد اسی تھی یا ساٹھ، کوئی صحیح طریقہ سے یاد نہیں پڑتا، البتہ ساٹھ سے کم نہ تھی۔

اس وفد میں ایک شخص بڑا ہی حسین وجمیل، خوبصورت اور وجیہہ الشکل و جثہ تھا۔ اس کا نام اشعث بن قیس تھا۔ اگرچہ ابھی کم عمر اور کم سن تھا لیکن اس کی صلاحیتوں کی وجہ سے سارا قبیلہ اس کا بڑا احترام کرتا تھا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں اس کی ہر بات مانتا تھا۔

جب وہ بارگاہِ جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہونے لگے تو اس نے خوب تیاری کی۔ نہا دھو کر کنگھی سرمہ کیا۔ زلفوں کو سنوارا، خوشبو لگائی۔ خوبصورت اور قیمتی لباس زیب تن کیا جس کے کنارے ریشمی کپڑے سے سجے سجائے ہوئے تھے۔ حیرہ کے بنے ہوئے جُبّے زیب تن کئے یہ وہ جبے تھے۔ جو وہ بادشاہوں اور سلاطین کو پیش کرتے یا ان کے درباروں میں پہن کر جاتے۔

جب یہ حاضر دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے تو انہوں نے اپنے رواج کے مطابق بادشاہوں کو پیش کیا جانے والا سلام پیش کیا۔ اَبَیْتَ اللَّعْنَ

تو پیکر سادگی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں بادشاہ یا سلطان نہیں ہوں

میں تو محمد بن عبداللہ ہوں۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو آپ کے نام سے بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اپنا کوئی لقب ارشاد فرمائیں۔ ہم اس لقب سے آپ کو یاد کریں تو آپ نے فرمایا میں ابو القاسم ہوں۔

آپ تو انسان ہیں اشرف المخلوقات ہیں ہم خاک کے ذرّے آپ لوگوں کے قدموں کی دھول، نہ جانے آپ کی محفل میں بیٹھنے، شرفِ انسانیت سے نوازے جانے والے لوگ، اس سارے واقعہ کو کس رنگ میں دیکھ رہے تھے۔ ہمارے تو سامنے جب یہ سارا واقعہ ہو رہا تھا جب کوئی وفد آتا تو ہم جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں بچھ بچھ جاتے۔ جب آپ نے اپنی کنیت ابو القاسم فرمائی تو سچ پوچھئے۔ ہماری آنکھیں بھر آئیں۔ وہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر قاسم رضی اللہ عنہ جو دو اڑھائی سال ہی کی عمر میں وصال فرما گئے تھے۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اُمّ المومنین ہونے کا سب سے پہلا شرف پانے والی اور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین بیوی بھی آپ کو اسی کنیت سے یاد فرمایا کرتی تھیں۔ شاید اسی وجہ سے آپ کو یہ کنیت بہت محبوب تھی۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کو وصال فرمائے کئی سال ہو گئے۔ اعلان نبوت سے بہت پہلے کی بات ہے لیکن آپ اس کنیت کو بھولے نہیں۔ اپنے چاہنے والوں، محبت کرنے والوں، جاں نثاروں کو ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

اپنے بچوں کا نام قاسم رکھ لو لیکن ان کی نسبت سے ابو القاسم کنیت استعمال نہ کرنا۔

یہ بات درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی۔ جذبات محبت سے مغلوب ہو گئے۔ معذرت چاہتے ہیں آیئے اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ ویسے اس واقعہ کے سحر سے باہر ہم نکلے ہی کب تھے۔

اشعث نے کہا اے ابو القاسم! ہم نے اپنے دامن میں ایک چیز چھپا رکھی

ہے۔ بتایئے وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ باتیں تو جادوگروں سے پوچھی جاتی ہیں۔ ہم جادوگر نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں لو ایسا کر لیتے ہیں۔ میں یہ خاک کے ذرّے ہاتھ میں لیتا ہوں۔ یہ گواہی دیں گے کہ ہم کون ہیں۔

آپ نے یہ فرمایا اور ہماری قسمت جاگ گئی۔ زمین پہ بچھے لاکھوں کروڑوں ذرّوں کی تمنا اور چاہت تھی کہ حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کا لمس ہمیں نصیب ہو اور ہم آپ کی گواہی دیں لیکن یہ تو نصیب نصیب کی بات ہے۔ جن کی مٹھی میں ساری کائنات کا نظام تھا۔ انہوں نے ایک مٹھی ہم ذرّوں سے بھری اور ہم واشگاف الفاظ میں۔ آپ کے رب کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کے گیت گانے لگے۔ یوں تو کوئی ذرّہ ایسا نہیں جو کسی بھی لمحے اپنے مالک کی تسبیح سے غافل ہو۔ البتہ اس دن تو جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹھی میں ہمیں ایسی زبان بھی بخش دی گئی جس کو انسان بھی سمجھ سکتے ہیں۔

ہماری شہادت کی کیفیت، اس وفد پر کچھ ایسی طاری ہوئی کہ وہ بھی سب کے سب بیک زبان یہ ذکر پکارنے لگے۔

نَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

جانِ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ رب العزت نے مجھے ایک کتاب سے نوازا ہے۔ وہ کتاب ایسی ہے جس میں باطل کسی بھی سمت سے گھس نہیں سکتا۔

انہوں نے کہا اس میں سے ہمیں بھی کچھ سنایئے تو معلم جن وانس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ والصافات کی یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا○ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا○ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا○ اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ○ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ

الْمَشَارِقِ۝
قسم ہے قطار در قطار صف بستہ جماعتوں کی پھر بادلوں کو کھینچ کر لے جانے والی یا برائیوں پر سختی سے جھڑکنے والی جماعتوں کی پھر ذکر الٰہی (یا قرآن مجید) کی تلاوت کرنے والی جماعتوں کی۔ بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو (مخلوق) ان دونوں کے درمیان ہے اس کا ربّ ہے اور طلوعِ آفتاب کے تمام مقامات کا رب ہے۔

آپ کی زبان مبارک آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کر رہی تھی اور چشم مازاغ کے کٹورے موتیوں سے بھر رہے تھے۔ سبحان اللہ! کیا روح پرور نظارہ تھا۔ آپ صرف ہماری زبانِ بے زبانی سے سن تو سکتے ہیں لیکن وہ سماں جو ہماری آنکھوں کے سامنے بندھا ہوا تھا ہم اس کا نقشہ کھینچ نہیں سکتے۔ رحمت کے ان انمول قطروں نے کئی دِلوں کی بنجر زمینوں کو سیراب کر دیا اور ماحول کو رشک فردوس بریں بنا دیا اور کتنی ہی روحوں کو حیاتِ جاوداں عطا فرما دی تم لوگ ذرا آنکھیں بند کرو۔ عشاقانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانفروزی پر اچٹتی نظر ڈالو اور سحر آفریں کیفیت میں ڈوب جاؤ۔

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے دیدار کا عالم کیا ہو گا

باقی ہم نے تو اپنے مالک کو راضی کرنے کے لئے واحد یہی راستہ تلاش کیا ہوا ہے کہ اس کے محبوب کے ہو کر رہو۔ اس کی شان و مرتبہ پہچانو۔ اس کی عظمت و رفعت کو مانو پھر اس کے ہر حکم کو مانو۔

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

اے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کے لمس کا شرف

حاصل کرنے والے خاک کے ذرّو، تمہاری جان پہچان اور تمہارے ایمان اور تسلیم کے قربان، کوئی اور واقعہ سناؤ جس سے میرا ایمان اور تازہ ہو جائے۔

کچھ ذکر یار کر اے دوست

اس حکایت سے جی بہلتا ہے

خاک کے ذرّے مجھ سے گویا ہوئے۔ ہماری گفتگو، ہماری بات، جواب ہم کرنے والے ہیں۔ اس کا تذکرہ جمیل، جلیل القدر محدثین امام بیہقی، بزار طبرانی اور ابن عساکر میں موجود ہے۔ یہ تیرے آباء کی کتابیں ہیں۔ ان کی ایک ایک سطر میں ایسے ہزاروں واقعات، حقائق اور چشم دید نظائر محفوظ ہیں۔ پڑھا کر، تیری نظر اور ایمان خیرہ نہ ہو تو ہمارا گریبان حاضر ہے۔

کنکروں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

یہ کہانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے خود سنائی۔ اس کہانی کے گواہ خود انس رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ہاں ہاں وہی خادم جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کو تقریباً دس سال تک آپ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہے اور وہ جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ملنے والی دعاؤں کی پھوار سے اکثر بھیگے رہتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے ایک بار جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت تنہا آرام فرماتے دیکھا اور میں اکثر ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا کہ آپ کی خلوت عالی شان کے چند لمحات کی ارزانی نصیب ہو۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر نزول وحی الٰہی کے آثار ہیں اور اس وقت آپ کے پاس کوئی اور شخص بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے اذن حضوری طلب کیا۔ آپ نے اجازت عطا فرمائی اور فرمایا کیسے آنا ہوا عرض گزار ہوا کریم و مہربان! صرف آپ کی چاہت کھینچ لائی ہے۔ میں یہ تو نہ کہہ سکا لیکن جذبات کچھ ایسے ہی تھے جن سے نڈھال میں حاضر

ہوا تھا۔

میں اک عاشق نو پچھیا، جے رب پچھے تے کی منگاں
تے اُس عاشق نے فرمایا، زیارت مصطفیٰ دی اے
ارشاد ہوا بیٹھو! اور میں باادب بیٹھ گیا اور خاموشی اختیار کر لی۔

مجھے بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہو گئی تھی کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آ حاضر ہوئے اور اذنِ حضوری طلب فرمایا۔ آپ جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی اور فرمایا خیر باشد کیسے آنا ہوا۔ ان کا بھی وہی جواب تھا جو میں نے عرض کیا تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا، بیٹھیں، تشریف رکھیں۔ حضور جانِ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور انہوں نے بھی ادباً سکوت اختیار فرمایا۔

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ جن کے سایہ سے بھی شیطان لعین ڈرتا ہے۔ یعنی حضرت عمر ابن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی آ حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی۔ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذن حضوری بخشا اور فرمایا کیسے آنا ہوا۔ عرض کیا حضور آپ کی محبت ہی کھینچ لائی ہے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ، وہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے جیسے ہم خاموش بیٹھے تھے وہ اسی طرح خاموشی سے بیٹھ گئے۔

خدا کی شان دیکھئے۔ اتنے میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی آ حاضر ہوئے۔ اجازت طلب کی۔ وہی سوال ہوا اور وہی جواب۔ آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور وہ بھی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک پہلو میں بیٹھ گئے۔

یہ وہ قدسیوں کی جماعت تھی جن کے تقدس کا خمیر ویزکّیھم کی مسند پر بیٹھنے والے مزکی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود گھوندا تھا۔ ذرا تصور کیجئے۔ وہ ذاتِ عظیم، جس کا سوتے میں بھی وضو نہ ٹوٹتا ہو۔ اس کی اپنی پاکیزگی کا عالم کیا ہو گا۔

اسی نے ان ہستیوں کو ایسی پاکیزگی بخش دی تھی کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔

اسی اثناء میں جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں سے چند کنکریاں اٹھائیں۔ ان کی تعداد سات یا نو تھی۔ ان کو ہاتھ میں لیا تو وہ سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرنے لگیں۔ اگرچہ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کہ دنیا کی کوئی شے ایسی نہیں جو اپنے مالک و خالق کی تسبیح سے ایک لمحہ بھی غافل و فارغ ہو لیکن ہر چیز کی تسبیح یا خالق و مالک جانے یا اس کی طرف سے جو ساری کائنات کے لئے نمائندہ بن کر آیا ہو، وہ جانے۔ یہ تو میر محفل کا فیضان تھا کہ وہ خود تو ان کی تسبیح سن ہی رہا تھا۔ اس نے اپنی محفل میں بیٹھنے والے نفوس قدسیہ کے کانوں کے پردے بھی کھول دیئے اور وہ بھی تسبیح سننے لگے۔ ان کی تسبیح کی آواز ایسی تھی جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

کچھ دیر بعد آپ نے کنکریاں زمین پر رکھ دیں تو وہ خاموش ہو گئیں۔ شاید یَدُاللّٰہ والے ہاتھوں کو دیکھ کر بے ساختہ ان کی زبانِ بے زبانی سے حیرت و تعجب اور فرحت و انبساط کے ساتھ سبحان اللہ سبحان اللہ نکلنے لگا ہو۔

آپ نے ان کنکریوں کو پھر اٹھایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔ ان کی خاموشی کے بندھن پھر ٹوٹ گئے اور وہ پھر سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھنے لگیں اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی صورت آواز آنے لگی۔ ان سے لے کر حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو زمین پر رکھ دیا۔ وہ کنکریاں خاموش ہو گئیں۔ آپ نے پھر اٹھایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔ ان کی تسبیح پھر جاری ہو گئی۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک یہ سلسلہ تسبیح وتحمید جاری رہا۔ اور جب وہ کنکریاں میرے ہاتھ میں آئیں تو ان کی تسبیح کی آواز بند ہو گئی۔

آپ یہ ساری خوبصورت اور ایمان افروز کہانی زینی دحلان میں السیر ۃ النبو یہ جلد۳ صفحہ ۱۲۸ پر خود پڑھ سکتے ہیں۔

کہانی آپ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سنی جس کے وہ چشم دید گواہ ہیں لیکن ہم اپنی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ جب سید لولاک لما صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنے دست مبارک میں لیتے۔ ہماری سرشاری محبت میں جان پڑ جاتی۔ ہمیں یہ احساس ہو جاتا تھا کہ یہ ہاتھ وہی ہاتھ ہیں جن کو ہمارے خالق و مالک نے ید اللّٰہ کا لقب مرحمت فرمایا ہوا ہے۔ یہ ید اللّٰہ کی شان والے دست ہائے مبارک ہمیں اپنے ہاتھوں میں لیتے تو آپ نے دنیا کے سب کے سچے انسان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کا پس خوردہ کھانے والے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سن ہی لیا ہے۔ آیئے ہم سب زبانِ حال سے اعتراف کا اظہار کر کے اپنے ایمان مزید مضبوط کر لیں۔

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آپ البتہ ایک بات یاد رکھیں آنکھ ہوتی تو دیکھنے ہی کیلئے ہے لیکن انسان اور حیوان کی آنکھ، اکثر دیکھنے میں دھوکا کھا جاتی ہے۔ اس کے علاوہ باقی کائنات میں ہر چیز کو جو آنکھ نصیب ہوتی ہے وہ دیکھنے میں کبھی دھوکہ نہیں کھاتی۔ وہ دریائے نیل کا پانی ہو یا یدِ بیضا یعنی دست موسیٰ علیہ السلام میں آنے والا عصا ہو۔ وہ استن حنانہ ہو یا کنکریاں جب ان کو اظہار سرشاری محبت کا اشارہ ملتا ہے تو ایسے ایسے گل کھلاتے ہیں کہ دیکھنے والے کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ ہم بھی اسی قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ہماری نگاہیں مالک کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتیں۔ ہم تو جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں بے ساختہ ہماری زبان پہ جاری ہو جاتا ہے۔

جس پر ہوئے تمام مراتب کمال کے
اے جانِ کائنات وہ تنہا تمہی تو ہو

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اللہ تعالیٰ کی اربوں کھربوں پدموں اور سنکھوں سے کہیں زیادہ مخلوق ہے۔ ان میں ایسے انسان بھی ہیں جن سے انسانیت کا دور سے بھی واسطہ نہیں ہے۔ ایسے بھی ہیں جو ننگ انسانیت ہیں۔ ایسے بھی جو عتابِ الٰہی کے سزاوار ہیں۔ مشرک ہیں کافر ہیں۔ بے ایمان ہیں، ہمارے خالق و مالک پروردگار کی مخلوق ہو کر بھی غیروں کی جھولی میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں تو جو ہمارے کریم پروردگار کے دشمن کے ساتھ ہیں وہ ہمارے بھی دشمن ہیں۔ ہمارا ان سے کیا واسطہ، ان کا زمین پر چلنا پھرنا تو چلو ہم گوارا کر لیتے ہیں لیکن جب دنیا والے انہیں ہمارے سپرد کرتے ہیں پھر تو ہم ان کی ہڈیاں تک چبا جاتے ہیں۔ ان کے جسم کے ایک ایک انگ کا بھرکس نکال دیتے ہیں۔ ہم خاک کے ذرے سہی لیکن ہم اپنے مالک کے ادنی سپاہی ہیں۔ کوئی دشمن خدا اور رسول ہمارے اڈے چڑھ جائے ہم اس کے وجود کا نشاں بھی ختم کر دیتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی ہماری پارٹی کا بندہ آ جائے تو پھر اس کو اپنے سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔ اس کے جسم کی بات نہ کرو۔ ہم اس کے پہنے ہوئے نئے لباس کفن پر بھی کوئی آنچ نہیں آنے دیتے۔ اس کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ آخر ہمارے آقا کا غلام ہے۔ ہماری پارٹی کا بندہ ہے۔ ہمارا تحریکی بھائی ہے۔ ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں اس کو جتنا سکون ہماری قبر کی گود میں آ کر ملتا ہے اتنا تو شاید انہیں دنیا میں ماں کی گود میں بھی نہ ملا ہو گا۔

اور اگر ان نیک انسانوں میں سے کوئی ان کا امام، سردار، آقا، رہبر، نبی تشریف لے آئے تو پھر تو ہماری مسرت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا۔ آپ نے ان

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار کا فرمان نہیں سنا۔ ابو داؤد شریف نے ان کی زبان مبارک سے نکلے حروف تک کو ڈیڑھ ہزار سال سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ کہ اس میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیدیا ہے۔ انسان تو شاید حرام و حلال کی تمیز نہ کرتا ہو ہم تو ایک لمحہ بھی اپنے مالک کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتے اور نہ اپنے مالک کے حکم سے ذرّہ بھر سرتابی کر سکتے ہیں۔

یہ ہم خاک کے ذرّوں کو اعزاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی یا اس کے پاک نبی کا کوئی وفادار غلام ہمارے سپرد کر دیا جائے تو ہم تا قیامت اس امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ ان کی حفاظت ایسی کرتے ہیں کہ جب کبھی یہ راز کسی طرح افشا ہو جائے۔ تو اہل دنیا کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ہم اس احسان عظیم کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

نَحْنُ بَایَعُوْمُحَمَّدًا

ہم نے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ بیعت قیامت تک نبھائیں گے انشاء اللہ

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آراء ہمارا نبی

خاکِ شفا

یوا [illegible] ان کا ہر انداز ہی ہمارے لئے فرحت و انبساط کی بہار جانفزا ہے۔ [illegible]پ کو خبر ہے اس محسن اعظم اس جانِ کائنات، اس شاہسوار قلوبِ اہل دل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر ایک اور احسان فرمایا ہے کہ اپنے شہر مقدس کی ایک خاص

مٹی کو خاکِ شفا کا نام دیا ہوا ہے۔ ہم نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے پاک جم غفیر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے
اٹھا لے جائے تھوڑی خاک اُن کے آستانے سے

یہ تو ان کا کرم ہے۔ ورنہ بھلا مٹی میں بھی کبھی شفا ہوئی ہے۔

فرخا شہرے کہ تو بودی درآں
اے خنک خاکے کہ آسودی درآں

اے لوگو! ہماری قسمت کو سراہو۔ ہم خاک نشیں خاک کے ذرّے مٹی کے، زمین کے، بالکل نیچے والی تہہ کے ذرّے اور عرش کے دولہا، رفعت و عظمت ہفت آسماں کے منفرد اسلوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تا قیام قیامت ہمارا مہمان ہونا پسند فرمایا جب سے اب تک اور اب سے طلوعِ قیامت تک وہ ہمارے ہی مہمان ہیں۔ ان کی مہمانی کے فیوض و برکات کا آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ایک تو جہاں آپ اکثر خطبہ فرمایا کرتے تھے اور ایک وہ جگہ جہاں آپ نے آرام فرمایا۔ اس کو جنت کے ٹکڑوں میں ایک ٹکڑا قرار دیدیا گیا چونکہ وہ خود مقنن ہیں۔ قانون بنانے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنا اختیار استعمال فرماتے ہوئے ہمیں یہ اعزاز بخش دیا ورنہ کہاں دنیا اور کہاں جنت۔

قدسیوں کی جماعت ہماری مہمان

ہمیں تو اپنے کریم کی کرم نوازیوں کی بلائیں لینے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ البتہ گاہے گاہے صبح وشام احساس ہوتا ہے کہ قدسیوں کی ایک کثیر تعداد صبح اور شام آتی ہے اور صبح تا شام اور شام تا صبح تسبیح وتہلیل میں صرف کرتی ہے۔ قدسیوں کی جماعت کی تسبیح وتہلیل کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ سنا ہے کہ آتے ہوئے انہیں بتا دیا جاتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی پہلی اور آخری حاضری ہے۔ وہ بھی نصف دن کی

حاضری، صلوٰۃ وسلام ادب و نیاز میں اپنی حسرت پوری کر لینا پھر دوبارہ قیامت تک تمہیں حاضری کا شرف نہیں ملنے کا۔

ہم خاک کے ذرّوں نے لوگوں کی زبان سے یہ جملے نکلتے بارہا سنے ہیں۔

نبی کا جس جگہ پر آستاں ہے
زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

زمین پر عرش الٰہی

اس لئے اگر تم سے کوئی پوچھے کہ بتاؤ دنیا میں زمین پر عرش الٰہی کہاں ہے تو تم بے ساختہ پکار اٹھنا، مسجد نبوی میں روضۃ من ریاض الجنہ کے بالکل بائیں پہلو میں۔ کہ دل ہمیشہ بائیں پہلو ہی میں ہوتا ہے۔

اگر طیبہ نہ ہوتا دیکھنے کو — تو پھر دنیا میں کیا تھا دیکھنے کو
نہ لپکو ہر تماشہ دیکھنے کو — نظر مانگو وہ جلوہ دیکھنے کو
اگر تکمیل حج کی چاہتے ہو — چلو کعبے کا کعبہ دیکھنے کو
وہ جس نے دیکھا ہے اک بار طیبہ — تڑپتا ہے دوبارہ دیکھنے کو

(ہلال جعفری رحمۃ اللہ علیہ)

مزدلفہ کے پتھر

اللہ تعالیٰ آپ کو حج کی سعادت نصیب فرمائے۔ جب آپ میدان عرفات سے مغرب کی نماز کا وقت ہوتے ہوئے بھی مغرب کی نماز ادا کئے بغیر مزدلفہ کی طرف جلدی جلدی چل دیتے ہیں شاید اس میں یہی راز پوشیدہ ہو کہ وہاں مزدلفہ میں ہم کنکروں کا ایک بہت بڑا قبیلہ آباد ہے۔ وہ آپ کا منتظر ہوتا ہے۔ ہر حاجی

جب میدان عرفات میں اپنی ساری زندگی کی خطاؤں کی غلاظت سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح کہ وہ آج ہی پاک و صاف اور مزکی و منقی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ ساری زندگی جس نے ہر انسان کو گناہوں کی دلدل سے آلودہ کیا تھا وہ بدترین دشمن انسانیت شیطان کا مجسمہ بھی وہیں قرب ترین بستی میں گڑا ہوا ہے۔ ہم پاک و صاف بندۂ مومن، جو ہماری پارٹی کا فرد بن چکا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کے لمس کو ترس رہے ہوتے ہیں اور ایک سال کے تین سو پینسٹھ دن کے انتظار سے ہماری آنکھیں پتھرا چکی ہوتی ہیں۔

یوں تو یہ ہزاروں سال پرانی بات ہے لیکن ہے سچی کہ سچے لوگوں کی زبانی ہم تک پہنچی ہے۔ اس شیطان لعین نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں حزب اللہ کے عظیم ذمہ داروں کو مالک کی راہ میں فدا کاری کی راہ چلتے چلتے ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے اسے پتھر مار مار بھگا دیا تھا۔ بس ان پتھروں کا ایک قبیلہ یہیں مزدلفہ میں آ کر آباد ہو گیا۔ اس قبیلہ کی نسل اتنی بڑھی کہ آج اگر تیس لاکھ انسان بھی اکٹھے ہو جائیں اور ہر انسان ستر ستر اسی اسی کنکریاں ایک ہی سائز کی چننا چاہے تو کبھی کوئی ایک بندہ بھی مایوس نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سیدہ ہاجرہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ تینوں عظیم انسان ایک ہی گھر کے فرد تھے اور ہمارے مالک و خالق کے انتہائی فرمانبردار، ہم پتھروں، کنکروں اور خاک کے ذرّوں کا ہر فرد انہیں اور ان کی تسلیم و رضا کو خوب خوب جانتا ہے، پہچانتا ہے اور ان کی عظمت کو مانتا ہے۔ تسلیم کرتا ہے سارے زمانے میں۔ ان کی عظمت کا پڑوسی ہونے کی وجہ سے ہماری دھوم مچی ہوئی ہے۔ خانہ کعبہ کی ایک دیوار میں، ایک کالا کلوٹا پتھر ہے پتہ نہیں۔ اس کا اصل نام کیا تھا۔ اس کے کالے کلوٹے ہونے کی وجہ سے ہی اس کا نام حجر اسود پڑ گیا ہے۔ اس نے بھی

اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ میرا یہ نام کیوں رکھ دیا ہے۔ پس اس کی اسی خو نے اپنے بزرگوں کے احترام کی خو نے اسے زمانے بھر کا مخدوم کر دیا ہے جو بھی اس کے محلے میں آتا ہے وہ اس کو چومنا اپنی عبادت سمجھتا ہے۔

خانۂ کعبہ کے دروازہ کے عین سامنے ایک اور پتھر ہے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے لمس کو اپنے انگ انگ میں سمو لیا ہے۔ مالک نے اس کو مقامِ ابراہیم کا نام دیکر سجدوں کا مرکز بنا دیا ہے۔

اس کے قریب ہی دو سوکھی سڑی پہاڑیاں ہیں لیکن سیدہ ہاجرہ کے قدموں کی آمد سے ہزاروں سال سے بہاروں میں نہا رہی ہیں۔

گویا ہم سب اور ہمارے قبیلے کے تمام پتھر، کنکر اور تمام خاک کے ذرّے ان عظیم ہستیوں کو خوب خوب جانتے ہیں۔ مزدلفہ میں ہم اربوں، کھربوں اور پدموں سنکھوں کی تعداد میں تمام پڑے ہوئے چھوٹے کنکر انہی کی فوج کے سپاہی ہیں۔

زمانے کی دُھول نے، بڑے بڑے پہاڑوں کو بھولی بسری یادیں بنا دیا۔ ہمارے ساتھ بھی شاید یہی ہوتا لیکن شاہکارِ ربوبیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر خاک کے ذرّے کو رشک خورشید و قمر بنانے والے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار پھر ہمیں زندہ کر دیا اور ابد الا آباد تک گستاخانِ خاصانِ ربوبیت کو رجم کرنے کی ذمہ داری ہمیں سونپ دی۔ ہم صرف اسی کام کے لئے زندہ ہیں۔ کوئی بندہ مومن آئے اور ہمیں اپنے مقدس ہاتھوں میں لے۔ وہی مقدس ہاتھ جو عرفات کی وادی سے منزہ و مذکی ہو کر نکلے اور منیٰ کی وادی میں دشمن مبین کے ٹھکانوں پر گن گن کر مارے، اپنی ساری پارٹی کے دشمن کو اگر ہماری مار سے رسوائی کی کالک ذلیل و رسوا کر دے تو ہمیں ٹھنڈ پڑ جائے۔

لوگو! ہم اپنے خالق و مالک اور اس کی پارٹی کے تمام عظیم انسانوں کو آج بھی

جانتے ہیں مانتے ہیں، ان کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

میرے دل پہ ہیں نقش قدم آپ کے
مجھ گنہگار پر ہیں کرم آپ کے
چڑھتی رہتی ہے مینار پر زندگی
گرتے رہتے ہیں قدموں پہ ہم آپ کے

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی لمس کی برکت

جن کی نسبت سے خالق کائنات نے ہم خاک کے ذرّوں کی قرآن پاک میں قسم کھا کر ہمیں امر کر دیا ہے اس ذاتِ اقدس پہ لاکھوں سلام۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان تو سنہری حروف سے لکھا جانا چاہئے آپ حضور کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں آقا حضور بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ الْفَضِیْلَۃِ عِنْدَہٗ اَنْ اَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَیْکَ فَقَالَ لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مرتبہ کتنا بلند ہے کہ اس نے آپ کے قدموں کی خاک کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا: لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ

پتھروں کی حضور سے محبت

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ہم پتھر تو ہیں لیکن پتھر دل نہیں۔ نہ ہماری آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں۔ ہم محبت کرنا جانتے ہیں ہم محبت نبھانا جانتے ہیں۔ ہم اپنے قریب آنے والوں میں سے کون پیار اور محبت کرنے کے قابل ہے اور کون نہیں۔ دیکھ لیتے ہیں ہم اظہار محبت بھی کرتے ہیں سر دھنا جانتے ہیں مست ہونا جانتے ہیں ہم رقص کرنا

جانتے ہیں۔ ہم محبوبوں کی آمد پر مچلنا بھی جانتے ہیں۔ ہم محبوبوں کا استقبال کرنا جانتے ہیں۔ ہم قدم چومنا جانتے ہیں ہم رقص بسمل کی طرح تڑپنا بھی جانتے۔ ہم پانی کی نہریں بہانا جانتے ہیں۔ ہم محبوب کی محبت میں ریزہ ریزہ ہونا بھی جانتے ہیں۔

ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ایک جذبۂ محبت ہی ایسا جذبہ ہے جو پتھر کو بھی پتھر نہیں رہنے دیتا، موم کر دیتا ہے جس طرح موم جلتا بھی ہے پگھلتا بھی ہے۔ اسی طرح ہم بھی محبوب کی محبت میں جلتے بھی ہیں پگھلتے بھی ہیں۔

ہم نے یہ بھی سنا ہے محبت مردہ دلوں کے لئے زندگی، روح کی غذا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ حیف ہے۔ اس پر جس کے پاس دل ہو، مردہ ہی سہی لیکن وہ محبت کر کے زندہ نہ ہو سکے۔ حیف ہے۔ اس پر جو اپنی روح کو زندہ نہ کر سکے اور بجھ جائیں ان کی آنکھوں کے چراغ، جو کسی کو اپنا محبوب بنا کر اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر سکے۔

کہتے ہیں محبت وہ حیات ہے جو اس سے محروم ہو وہ گویا مردہ ہے اور مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں۔ محبت ہی تو جینا سکھاتی ہے مرنا سکھاتی ہے۔ محبت وہ روشنی ہے جس سے منزل نظر ہی نہیں آتی۔ منزل تک پہنچاتی بھی ہے محبت کی روشنی میں سفر کرنے پر جو منزل ملتی ہے وہ جھوٹی نہیں ہوتی۔ دھوکا نہیں ہوتی۔ فریب نہیں ہوتی۔ وہ منزل جو جھوٹ ہو، دھوکا ہو، فریب ہو، وہ منزل طمع کی ہوتی ہے۔ حرص کی ہوتی ہے لالچ کی ہوتی ہے محبت کی منزل سے کبھی پچھتاوا نہیں ہوتا۔

محبت کی معجز نمائیاں

دانشوروں کا کہنا ہے محبت شفا ہے جو اس شفا سے محروم ہو دنیا کی ہر بیماری اس کے گھر آ مہمان ہوتی ہے۔ اس بیماری میں حرماں نصیبی کی تہیں جم جاتی ہیں۔

دم گھٹ جاتا ہے۔ بندہ سسک سسک کر مر جاتا ہے جبکہ محبت کی بیماری میں کیفیت ہی اور ہوتی ہے۔ محبت میں مرض اور شفا میں امتیاز نہیں رہتا۔

ہر ٹیس میں سکوں ہے، تڑپ میں مزہ بھی ہے
یعنی فراقِ ماہ مدینہ، دوا بھی ہے

(اختر الحامدی رحمۃ اللہ علیہ)

ٹیسوں میں سکون، تڑپ میں مزہ، فراق میں دوا، عجیب فلسفہ ہے۔ ہم پتھر لوگ کیا جانیں یہ باتیں۔ عشق کے مکتب میں پڑھنے والوں کو معلوم ہوں گی۔ البتہ ہم پتھر ہو کر بھی ان کیفیات سے سرشار ضرور رہتے ہیں۔ آپ اشرف المخلوقات ہیں۔ آپ کے پاس علم ہے، تفکر ہے، تدبر ہے، ہم عقل نہیں رکھتے۔ البتہ شعور ضرور رکھتے ہیں ہم تدبر و تفکر نہیں رکھتے البتہ احساس ضرور رکھتے ہیں۔

بے زبانوں کی زبان سمجھنے والوں پر جب صحیفہ آسمانی میں ہمارے حق میں ہماری ترجمانی میں جب یہ ناقوسِ ازلی وابدی سنایا گیا تو کچھ نہ پوچھئے۔ ہماری کیا کیفیت تھی اور کیا کیفیت ہے اور پتہ نہیں یہ کیفیت ہمیں ابدالآباد تک مست رکھے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

یعنی پھر اس کے بعد بھی (اے لوگو!) تمہارے دل سخت ہو گئے۔ ایسے ویسے سخت جیسے وہ اپنی سختی میں پتھر ہو گئے ہوں۔ یا ان سے بھی زیادہ سخت حالانکہ پتھروں میں بعض ایسے پتھر بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور واقعتہ ان میں بعض ایسے پتھر بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی ابل پڑتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان پتھروں میں بعض

ایسے پتھر بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (افسوس تمہارے دلوں میں اس قدر نرمی، خستگی، شکستگی بھی نہیں رہی) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے غافل و بے خبر نہیں۔

یہ ہے وہ انعام خداوندی جس سے ہم سرشار رہتے ہیں جیسے ہر شخص میں کیفیات و جذبات دروں کا سمندر موجزن نہیں ہوتا ایسے ہی ہم میں بھی ہر پتھر ایسا نہیں ہوتا لیکن جو ہوتا ہے وہ قابل رشک ہوتا ہے۔

ہم نے سنا ہے محبت تلخ کو شیریں بنا دیتی ہے۔ محبت مس خام کو سونا بنا دیتی ہے۔ محبت نار کو نور بنا دیتی ہے۔ دہکتے انگاروں کو مہکتے پھول، گلاب، چنبیلی، نسترن، نرگس اور مروا بنا دیتی ہے۔ محبت، دیو کو حور بنا دیتی ہے۔ محبت خار کو گلزار بنا دیتی ہے اجنبی راستوں سے مانوس کر دیتی ہے۔

اگر یہ شنید درست ہے اور یقیناً درست ہے تو یقین کیجئے کہ خالق محبت نے اس بحر بے کراں میں سے ایک جرعہ ہمیں بھی بخشا ہے۔ اس کرم سے محروم نہیں رکھا البتہ ہم نے یہ نعمت۔ ہر ایرے غیرے پر قربان کبھی نہیں کی جس میں کوئی ذرا سی خوبی دیکھی تو یہ موتی۔ اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیا نہیں نہیں ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ ہم یہ نعمت عام تقسیم کرنے میں بڑے زبردست قسم کے بخیل ثابت ہوئے ہیں۔

ہم نے یہ نعمت، یا صرف، اپنے خالق و مالک کے لئے مخصوص کی ہوئی ہے۔ یا پھر اس کے لئے ہے جو ہمارے خالق و مالک کا پسندیدہ ہے۔ جو جتنا زیادہ محبوب ہوگا ہم اتنا ہی زیادہ اس کے قدموں میں بچھ بچھ جاتے ہیں۔

اس ساری کائنات میں ازل سے ابد تک ان تمام پسندیدگان میں سے جو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے محبوب ہے، مطلوب ہے، مکرم ہے، مشرف ہے، منظم ہے، محترم ہے وہ وہی ہیں جو مقصودِ کائنات ہیں جو باعث تخلیق ارض و سماوات

ہیں۔ ہاں ہاں وہی ہیں جو
شَفِیْعٌ مُطَاعٌ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ قَسِیْمٌ جَسِیْمٌ وَسِیْمٌ نَسِیْمٌ ہیں جو زین النبیین ہیں جو سائر فوق العرش ہیں الی تحت الثریٰ ہیں جو رسول ہیں اور سراج العالمین ہیں محمود ہیں، مطیب ہیں، السید المعلی ہیں، قاسم خیر خلق اللہ ہیں، اولی من عباد اللہ ہیں، صاحب الدارین ہیں، جد الطیبین الحسن و الحسین ہیں۔ مقتدیٰ الائمۃ المھدیین ہیں۔ مہدی من الضللۃ ہیں۔ صفی ہیں حجۃ اللہ ہیں۔ کریم ہیں خلیفۃ اللہ ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مرے خیال نے جتنے بھی لفظ سوچے تھے
ترے مقام اور مرتبے سے چھوٹے تھے

جن کے یہ سارے نام ہیں اور کئی حسین وجمیل نام ہیں خوبصورت لوگوں کے خوبصورت نام۔ ہم نے اس نعمت محبت کے سارے ٹوکرے۔ ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے ہیں۔

وہ ہمارے پاس سے گزرتے تھے تو ہم سلام کرتے تھے۔ ہمارا سلام کوئی اور سنے نہ سنے جن کو ہم سلام کرتے تھے وہ ضرور سنتے تھے۔ ہماری بھی خواہش یہی ہوتی تھی کوئی اور نہ ہی سنے۔ بس اسی کو سنائیں جو ہم پتھروں، راہ کی ٹھوکروں میں پڑے ہوؤں کو بھی جانتا ہے اور پھر ہماری محبت کی قدر کرتے ہوئے جواباً ہم سے بھی محبت کا اظہار کرتا ہے۔

حجر اسود

ہمارے قبیلے کا عظیم نمائندہ، پہلے اس کا نام حجر ابیض ہوا کرتا تھا۔ یہ جنت سے منگوایا گیا تھا اگرچہ جنتی ہیرا تھا لیکن اس کا نام پتھر رکھ کر ہمارے قبیلے میں اسے شامل کر دیا۔ اس کی آنکھیں بڑا کام کرتی ہیں۔

ہمارے اور تمہارے آقا، چودہ طبق کے والی، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب

حلیمی و بردباری کی صفات کی پیکر حلیمہ سعادت مندی کے بام عروج پر قدم رکھنے والی سعدیہ رضی اللہ عنہا اپنی آغوشِ محبت میں لے کر اپنے قبیلہ کی طرف واپس جانے سے پہلے حرم کعبہ میں لے کر آئیں تا کہ مکہ مکرمہ سے روانگی سے پہلے حجر اسود کا بوسہ دلوا دیا جائے۔ وہ اسی خیال سے سرشار جب حجر اسود کے قریب پہنچیں تو ان کی حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔ ہمارے بھائی حجر اسود نے پہلی نظر پڑتے ہی پہچان لیا کہ یہ کون آ گیا ہے۔ اس کے مردہ جسم میں جان آ گئی۔ اس نے جھرجھری لی جن پتھروں نے اسے جکڑا ہوا تھا ان کو پیچھے دھکیلا۔ ان سے جان چھڑائی اور جلدی سے آ کر چہرۂ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلائیں لینے لگا۔ آپ کے لبہائے مبارک کے بوسے لینے لگا۔

لوگ جائیں حجر اسود چومنے
حجر اسود نے تیرے بوسے لئے

اور یہ سلسلہ تادمِ زیست جاری رہا۔ آپ کا جب بھی وہاں سے گزر ہوتا تو وہ آپ کے حضور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے کلمات سے سلام کرتا حالانکہ سلام کے لئے اس وقت اس قسم کے الفاظ مروج نہیں تھے۔ یہ تو صرف حجر اسود کا اپنا ادراک تھا اور اس کو سو فیصد درست کہہ سکتے ہیں۔ یہی وہ ادراک تھا جو ہم سب میں تقسیم کر دیا گیا ہے جب بھی آپ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر آئیں۔ عقیدت و محبت سے سلام کا نذرانہ پیش کریں۔ کوئی حکم ارشاد ہو تو فوراً اس کو تسلیم کریں پھر ہم نے اور ہم میں سے ہر ایک فرد نے ایسا ہی کیا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار سے گریز نہ کیا۔

جبل اُحد، جبل حرا اور جبل ثبیر

جبل احد تو مدینہ منورہ میں ہے۔ آئیے ہم آپ کو پہلے مکہ معظّمہ کے ایک دو واقعات سناتے ہیں۔ آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔

اشرف المخلوقات انسانوں میں سے بھی وہ اشرف ترین شخصیات جنہوں نے اشرفِ انبیاء ورسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف اور عظمت کو جانا پہچانا اور پھر دل کی عمیق گہرائیوں سے تسلیم کیا۔ ان میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ بہتر ہے آپ انہی کی زبانی سن لیں اگر ہم بیان کریں تو ہوسکتا ہے کوئی تعلّی اور خودنمائی یا خود پسندی سے تعبیر کرلے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حرا پہاڑ پر کھڑے تھے تو وہ اچانک حرکت میں آ گیا۔ ہمارے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِھْدَأ فَمَا عَلَیْكَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْ صِدِّیْقٌ اَوْ شَھِیْدٌ یعنی ٹھہر جا تجھ پر نبی صدیق اور شہید کھڑے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کا بیان کردہ یہ واقعہ باقاعدہ مسلم شریف میں فضائل صحابہ میں موجود ہے۔

اس واقعہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں نو افراد کے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور اگر دسویں کے جنتی ہونے کی بھی گواہی دے دوں تو گنہگار نہیں ہوں گا۔ پوچھا گیا کیسے تو فرمایا ہم حرا پر حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ تو حرا نے حرکت کی تو آپ نے فرمایا۔

اُثْبُتْ حِرَا فَاِنَّہٗ لَیْسَ عَلَیْكَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْ صِدِّیْقٌ اَوْ شَھِیْدٌ

یعنی حرا ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔

عرض کیا گیا وہ کون لوگ تھے تو آپ نے فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان،

حضرت علی، حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پوچھا گیا۔ وہ دسویں کون خوش نصیب ہیں۔ فرمایا بندہ عاجز۔

اس انداز سے یہ واقعہ امام احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابوداؤد، ترمذی حاکم اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ اور ابویعلی نے اس کو روایت کیا ہے۔

(مسند امام احمد ۱۸۸)

حدیث عثمان، حدیث حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی وقاص، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہم میں بھی جبل حرا کی حرکت کا تذکرہ موجود ہے اور یہ تمام روایات فضائل مدینہ کے ذکر میں آئی ہیں۔

جبل ثبیر

مکہ معظمہ ہی میں جبل ثبیر کا واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ جب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک جبل ثبیر نے چومے تو وہ بھی وجد میں آ گیا۔ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ٹھہرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو وہ ٹھہر گیا گویا اس کو سکون مل گیا۔

وہ اس لئے آتے نہیں گورِ غریباں کی طرف
کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے کوئی زندہ نہ ہو جائے

حضرت ثمامہ بن حزن القشیری کہتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو میں اس وقت وہیں تھا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ ثبیر پر تھے۔ ان کے ساتھ ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما اور میں تھا۔ پہاڑ نے حرکت کی۔

فَرَكَزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّ صِدِّيْقٌ وَّ شَهِيْدَانِ

یعنی آپ نے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا ثبیر رک جا، تجھ پر نبی صدیق اور دو شہید ہیں۔

کہنے لگے، ہم جانتے ہیں فرمایا اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم تم میری شہادت کے گواہ ہو جاؤ۔

اس واقعہ کو ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا، نسائی اور دار قطنی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (ترمذی کتاب المناقب)

جبل اُحد

کوئی بتلائے کہ بچھڑا ہوا محبوب اگر
اتفاقاً کہیں مل جائے تو کیا کہتے ہیں

یہ تو آپ کو پتہ ہی ہے کہ جس سے محبت ہو اس سے اگر ملاقات ہو جائے تو جذبات قابو میں نہیں رہتے۔ انسان تو بہر صورت بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں اور نہ جانے اس کیفیت میں وہ کیا کیا کر گزرتے ہوں گے۔ ہم تو پتھر ہیں پتھر جامد و ساکت، نہ ہوں نہ ہاں، محبت کا اعجاز دیکھئے۔ وہ ہم جیسے پتھروں کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ جانِ کائنات محبوبِ محبوبانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز کرم فرمایا اور آپ ہمارے بھائی جبل احد پہ آ نکلے۔ آپ کے بے دام غلام، دنیا بھر کے غلاموں کو غلامی محبوب کے آداب سکھانے والے بھی چند ایک ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ آپ کا احد پر جلوہ افروز ہونا تھا۔ نہ جانے اس وقت احد کی کیا کیفیت تھی۔ آپ کو دیکھتے ہی مچل گیا۔ شاید یہ آداب کے خلاف بات تھی یا نہیں۔ ہمیں تو خبر نہیں البتہ جو واقعہ ہوا وہ اپنے ہی ایک عظیم ساتھی کی زبان مبارک سے سن لیں۔

کہاں سے لائے گا قاصد دہن میرا زباں میری
یہی بہتر ہے خود سن لیں وہ مجھ سے داستاں میری

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ وہ کانپ اٹھا آپ نے قدم مبارک سے ضرب لگائی اور فرمایا

اُثْبُتْ اُحُدُ فَمَا عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْ صَدِیْقٌ اَوْ شَهِیْدَانِ

یعنی احد ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ بخاری شریف ہی میں ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ایسے روایت کیے گئے ہیں۔

فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَّ صَدِیْقٌ وَّ شَهِیْدَانِ

بلاشبہ تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں

اسی واقعہ کو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ شہنشاہ خوبانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ آپ کی آمد سے احد پہاڑ مچل گیا تو آپ نے فرمایا۔

اُثْبُتْ اُحُد فَمَا عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیَّ وَ صِدِیْقَ وَ شَهِیْدَانِ

اے اُحد! ساکن ہو جا، تجھ پر نبی صدیق اور دو شہید ہیں۔

بس آپ کا فرمانا تھا کہ دردِ دل تھم گیا نیند آ گئی پروانے کو

ایک ٹھوکر سے احد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

اے ہمارے آقا کے جانثارو! آپ ہمیں گونگے بہرے اور اندھے بے حس کہنا چاہتے ہو کہہ لو سو بار کہہ لو لیکن اگر انہی واقعات کو ہی سامنے رکھا جائے تو اپنے ایمان سے کہیے اندھے ایسے ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے

ہیں کہ اندھے نہیں ہو تو اپنی آنکھوں سے پردہ اٹھاؤ ہم بھی دیکھ لیں لیکن ہمارا عندیہ یہ ہے کہ اندھا وہ نہیں ہوتا جس کی آنکھیں نہ ہوں۔ ہمارے نزدیک تو اندھا وہ ہے جو آنکھیں بھی رکھتا ہو لیکن اسے کچھ نظر نہ آئے۔ مکہ شہر کے بازاروں میں گلیوں میں صحن حرم میں کئی اندھے وہیں پھرتے رہتے ہیں۔ اسی اندھیارے میں انہوں نے بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں لیکن ان کی آنکھیں نہیں کھلیں۔

آپ حجر اسود کو اندھا کہنا چاہتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ اس کے پاس ایسی آنکھیں ہیں کہ اللہ کے دوست خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، ان کے بیٹے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے، اور پوری کائنات کی خبر رکھنے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، جب سے اسے اپنے دست مبارک سے اس جگہ پر لگایا ہے اس وقت سے اب تک۔ اور اب سے قیامت تک جتنے لوگ اربوں کھربوں سنکھوں پدموں کی تعداد نے اسے بوسے دیئے ہیں۔ وہ اس کی نظر میں ہیں اور اس کے حافظے میں محفوظ ہیں اور روز محشر ان سب کو پہچانے گا۔ ان کی سفارش کرے گا۔ اللہ کے پیاروں کے سوا کوئی اور تم میں ایسی نظر والا، ایسی آنکھ والا ہے تو سامنے لاؤ۔

آپ کہتے ہیں ہم بہرے ہیں، ہمارے کان نہیں۔ اللہ کے بندو چھاج چھاج جتنے بڑے کان کس کام کے اگر کسی کی سننی ہی نہیں۔ یا سارے زمانے کی سننی ہے اور جس نے کان دیئے ہیں اس کی ایک نہیں سننی۔

ہمارے پاس کان نہیں۔ بے شک نہیں لیکن قوت سماعت اتنی ہے آپ اندازہ نہیں لگا سکتے اگر ہم سن نہیں سکتے تو جس کی زبان سے نکلا ہوا ہر حرف صرف سننے ہی کیلئے ہے۔ اگر کوئی غور سے نہ سنے تو اسے اپنے حلقے سے ہی اٹھا دیا جائے وہ کیوں بار بار ارشاد فرماتے ہیں اسکن یا ثبیر اے ثبیر صبر کر اثبت حرا اے حرا ٹھہر جا اثبت احد اُحد اے اُحد سکون لے ٹھہر جا۔ اے کنکریو بتاؤ، میں کون ہوں۔ کیا تمہیں میرا

کلمہ یاد ہے اور وہ دشمن کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی اس کی پرواہ کئے بغیر فر فر کلمہ پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور قوت سماعت اور قوت گویائی اور کیا ہوتی ہے۔

آپ کے خیال کے مطابق ہم بے حس ہیں۔ ہم میں زندگی نہیں ہے۔ ہم بے جان ہیں۔ بے حرکت ہیں خدا کا خوف کرو بے حس ایسے ہوتے ہیں کہ محبوب رب ذوالمنن عرش اعظم تک پہنچ جانے والے جوڑوں کے ساتھ ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم وجد میں آ جائیں مچلنے لگیں کبھی بے حس بھی وجد میں آتے ہیں مچلتے ہیں۔

جبل اُحد پیکر محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اچھا یہ بتاؤ بے حس محبت کے جذبات کو سمجھ سکتا ہے محبت کر سکتا ہے۔ محبت کا اظہار کر سکتا ہے۔

چلئے چھوڑیئے! ہم اس حوالہ سے کچھ نہیں کہتے لیکن وہ ذات، جو دنیا میں ہر سچے شخص سے بھی بڑھ کر سچ بولنے والے ہیں جو صادق ہیں بلکہ اصدق الصادقین ہیں۔ ان کی زبان مبارک سے نکلے الفاظ کتنے سچے ہوں گے۔

ہمیں تو غزوۂ خیبر کی فتح کے بعد آپ کی مدینہ منورہ کی طرف واپسی پر پہلے ہی بڑی خوشی تھی لیکن جب آپ وادی ''جرف'' میں ایک رات آ کر قیام پذیر ہوئے اور صبح اٹھ کر روانگی کا حکم دیا تو آپ کی نگاہِ التفات کوہِ احد پر پڑ گئی تو آپ نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا۔

هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ بَيْنَ لَا بَتَیِ الْمَدِيْنَةِ

یہ پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! میں مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے درمیان سارے علاقہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔

آپ کے اس ارشاد پر ہماری تو باچھیں کھل گئیں۔ خوشی و مسرت کی بہار آ

گئی۔ چاند نکلتا ہے تو زمانہ دیکھتا ہے ہماری یہ کیفیت ایسی تھی جیسے ہمارے اندر ہی سے کوئی چاند نکل آیا اگر آپ بھی اس کو زمانے کی آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم دکھائے دیتے ہیں۔

آپ ہی کے قبیلے کے ایک بزرگ ترین محدث و محقق حضرت قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک کتاب عارضۃ الاحوذی ۱۳=۱۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا اِضْطَرَبَتِ الصَّخْرَۃُ وَرَجَفَ الْجَبَلُ اِسْتِعْظَامًا لَمَا کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الشَّرْفِ وَبِمَنْ کَانَ عَلَیْہِ الْاَشْرَاف

یعنی پتھر اور پہاڑوں نے بطور فخر وجد کیا کہ انہیں شرف ملا کہ اتنی عظیم ہستیاں آج میرے ہاں جلوہ افروز ہیں۔

رُخ وقت کے دھارے کا بدل کیوں نہیں جاتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے نکل کیوں نہیں جاتا
دیوانے ابھی بیڑیاں کٹ جائیں گی ساری
دہلیز محمد(ﷺ) پہ مچل کیوں نہیں جاتا

ایک اور بات بھی ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ حضور رحمت عالم جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیں ساکن رہنے کا حکم دینا۔ آپ کے اپنے اور آپ کے ساتھ بزرگ ہستیوں کے شرف کی وجہ سے تھا۔

یہ ہم پہاڑوں کے وجد و سرور کی کیفیت کا اظہار، مکی زندگی میں بھی ہوا اور مدنی زندگی میں بھی۔ گویا ان عظیم ہستیوں کی بزرگی ان کے شرف اور فضیلت کا اظہار کرنا مقصود تھا یعنی یہ اظہار محبت کا انداز بھی من جانب اللہ ہی تھا۔ ورنہ آپ کی بات صحیح ہے کہ ہم میں جذبات محبت کہاں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہماری یہ وجدانی کیفیت خدانخواستہ، العیاذ باللہ کسی زلزلہ یا کسی غضب اور

ناراضگی کی وجہ سے بھی نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے حوالہ سے کوہِ طور میں آیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا۔ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً ہم ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے۔

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن منیر کے حوالہ سے تحریر کیا ہے۔

فَتِلْكَ رَجْفَةُ الْغَضَبِ وَهٰذِهٖ لهزة الطرب وَهٰذَا نَصٌّ عَلٰی مَقَامِ النُّبُوَّةِ وَالصِّدِّيْقِيَةِ وَالشَّهَادَةِ الَّتِیْ تُوْجَبُ سُرُوْرٌ مَّا اتَّصَلَتْ بِهٖ فَاقِرُ الْجَبَلِ بِذٰلِكَ فَاسْتَقِرْ (ارشاد الساری ۶=۹۷)

یعنی وہ غضب، غصہ اور جلال کی کڑک تھی اور یہ خوشی و مسرت کا وجد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مقامِ نبوت و صدیقیت اور شہادت کا ذکر ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے سرور و کیف میں اضافہ ہوا۔ انہیں ٹھنڈک ملی اور سکون پا گئے۔

یقیناً یہی وجہ ہے کہ جناب سرور کائنات جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ عاقلوں والوں معاملہ فرمایا۔ آپ نے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا اثبت احد اسکن ثبیر اور اثبت حرا اور ساتھ ہی پاؤں مبارک کی ہلکی سی ٹھوکر کا عمل بھی فرمایا اور وہ پرسکون ہو گئے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ہم موسیٰ علیہ السلام اور پہاڑ کے زلزلے کا تذکرہ جاری رکھیں گے۔ پہلے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ایک سوال اٹھتا ہے۔ اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ان بزرگ ترین ہستیوں کی آمد پر پہاڑوں پر وجد و سرور کی کیفیت طاری ہوگئی تھی تو اس کیف کا انہیں بھرپور لطف لینے دیا جاتا۔ ان کو پرسکون ہونے کا ارشاد کیوں فرمایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی یہ حرکت واقعۃً خوشی و مسرت ہی کی وجہ سے تھی۔ جس کا انہوں نے اظہار کیا لیکن ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ انہیں ادب و احترام بزرگان کی خاطر سکون کا حکم دیا گیا اور کہا گیا نادانو! تمہاری خوشی و مستی اپنی جگہ درست سہی لیکن ہوش کرو کہیں تمہاری اس حرکت سے محبوب محبوبان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جاں نثار صدیقوں اور شہیدوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اپنی محبت کا اظہار ضرور کرو لیکن محبّ کو چاہئے کہ وہ آداب مدرسۂ محبت بھی سیکھے۔

ہم مکتب عشق کے بندے ہیں۔ کیوں بات بڑھائی جائے خاموشی میں، ادب میں اور ضبط میں ہی بھلائی ہے لہٰذا آپ کا فرمان سن کر اور آپ کے قدم مبارک کی ٹھوکر نے ہمیں راہ دکھا دی کہ محبت و عشق کے بھی کچھ آداب ہیں بلکہ عشق ہی تو آداب سکھاتا ہے۔

ہم پھر موسیٰ علیہ السلام اور پہاڑ کے زلزلے والی بات آگے بڑھاتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر سرداروں کو ساتھ لے کر طور پر تشریف لے گئے اور ان بے سمجھ سرداروں کے مطالبہ دیدارِ الٰہی پر کوہِ طور جلال میں آ گیا۔ وہ تو پہلے ایک منظر دیکھ چکا تھا۔ وہ تو پہلے جلال الٰہی کی تاب نہ لا کر جل کر سرمہ بن چکا تھا جبکہ وہ مطالبہ دیدار الٰہی اس کی طرف سے تھا بھی نہیں اور وہ مطالبہ بھی ایک عظیم شخصیت اشرف انسانیت کا تھا اور جن کو خصوصاً منصب نبوت سے مطلع کرنے کے لئے طور پر طلب فرمایا گیا تھا جبکہ یہ مطالبہ ناہنجاروں بے ادبوں اور گستاخوں کی طرف سے تھا۔ اس مطالبہ میں اور اس مطالبہ میں بھی اگرچہ بہت فرق تھا لیکن اس وقت زلزلہ میں آنا اور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجد و حال میں مست ہونے میں بڑا فرق ہے۔ ادھر تو یہ عالم ہوا کہ جب حرا کو شبیر کو اور احد کو ان کے پاس آنے والی بزرگ ہستیوں کا تعارف کرایا گیا تو وہ ادباً احتراماً اسی دم

خاموش ہو گئے۔

رہا معاملہ قوم موسیٰ علیہ السلام کا تو وہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ انہوں نے تو بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا۔ انہی کی اس ذلیل حرکت کی وجہ سے مقدس تورات کی تختیوں کی بے حرمتی ہوئی تھی۔ انہی کی وجہ سے تو جلال موسوی دیکھنے والا تھا۔ انہی کی اس حرکت ہی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عظیم بھائی ہارون علیہ السلام کی داڑھی مبارک پکڑی تھی۔ انہی خطاؤں کی معافی کے لئے انہیں طور پر لایا گیا تھا تو کیا ایسے گستاخوں کے گستاخ نمائندوں اور نااہلوں کے مطالبہ دیدار الٰہی پر طور وجد میں آ جاتا۔ نہیں بھائی نہیں۔ وہ وجد نہیں تھا بلکہ وہ غصے اور جلال میں ان گستاخوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے زلزلہ زدہ ہو گیا تھا۔ وہ تو کریموں کی مہربانی ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر وہ جل مر کر بھی زندہ ہو گئے ورنہ آپ ان کی طرف داری نہ فرماتے تو شاید وہ قیامت تک اسی جلال کی آگ ہی میں جلتے رہتے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ یہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقتوں رحمتوں اور عظمتوں کے دست شفقت کے سائے میں طور پر جا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے، گڑگڑاتے التجائیں کرتے رحمت باری جوش میں آتی اور انہیں اپنے دامن رحمت میں چھپا لیتی۔ ان کم بختوں نے الٹا کام کیا۔ قرآن پاک کے مقدس حروف گواہ ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُوْنَ○ (البقرہ ۵۶۔۲/۵۴)

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا ہے تو اب اپنے پیدا فرمانے والے حقیقی رب کے حضور توبہ کرو۔

پس آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس طرح کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی اور اپنے دین پر قائم رہے تھے۔ وہ بچھڑے کی پرستش کرکے دین سے پھر جانے والوں کو سزا کے طور پر قتل کریں۔ یہی (عمل) تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک بہترین (توبہ) ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور جب تم نے کہا کہ اے موسی! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو (اپنی آنکھوں کے سامنے) بالکل آشکارا نہ دیکھ لیں۔ پس اس پر انہیں ایک کڑک نے آ لیا۔ (جو تمہاری موت کا باعث بن گئی اور تم خود یہ منظر دیکھ رہے تھے پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دیا تاکہ تم (ہمارا) شکر ادا کرو)

ان مذکور ہر دو واقعات کو سامنے رکھیں۔ بنی اسرائیل بھی پہاڑ پر گئے اور صدیق اور شہداء بھی پہاڑ پر گئے اُن کے ساتھ بھی ایک جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور اِن کے ساتھ بھی نبی الانبیاء حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے والے یقین کی دولت سے محروم، آداب سے ناواقف، جذبہ جاں نثاری سے محروم، کہ جب ان سے جہاد کا کہا گیا تو کہنے لگے

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ○ (المائدہ ۲۴)

کہ اے موسیٰ! آپ جائیے اور اپنے رب کو ساتھ لے جائیے آپ دونوں جا کر ان سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اور جب طور پہاڑ پر آپ کے ساتھ آئے کھلم کھلا دیدار الٰہی کا مطالبہ کر دیا جبکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے والے تصدیق رسالت پر اور تصدیقِ معجزہ معراج پر صدیق کا لقب پانے والے حق و باطل کے درمیان واضح کھل کر امتیاز کر کے حق کا ڈٹ کر ساتھ دینے والے ہیں۔ جاں نثاری کے تمام آداب سے واقف ہیں انہیں ان پر سب کچھ قربان کر دینا اچھا لگتا ہے۔ انہوں نے نہ کوئی مطالبہ کیا نہ آگے بڑھے، نہ حد سے تجاوز کیا اور نہ کوئی ناجائز مطالبہ کیا حتیٰ کہ ایسے وفادار کی زندگی ہی میں ان کو جنت کی بشارت عطا فرمائی گئی۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یعنی انبیاء کرام کے بعد بلکہ تا قیامت تمام انسانوں پر فضیلت کا تاج ان کے سر پر سجایا۔

اب بتائیے کیا پہاڑ ہر دو کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک کرتے ہیں۔نہیں ان کے لئے وہ سراپا غضب بن گیا اور ان کے لئے سراپا محبت بن گیا۔ ان کے آنے پر جلال میں آ کر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے آنے پر خود بھی حیات جاوداں پا گئے۔ اس لئے ہم پر مہربانی فرمائیں۔ ہمیں اتنا اندھا بہرا اور بے حس نہ سمجھیں۔ ہم الحمد للہ امتیاز حق و باطل بھی سمجھتے ہیں اور اپنے اور بیگانے کی پہچان بھی رکھتے ہیں۔

ایسے نہ کٹ سکے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں

اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دینے سے دنیا و آخرت میں لعنتوں اور پھٹکاروں کے طوق گلے کا ہار بنتے ہیں۔ آخرت کے عذاب کا دھانہ منہ کھولے ہوئے ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ٥ (احزاب ۵۷)

یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

تو اس کے برعکس جو محبت و اطاعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت سے مالا مال ہوتا ہے اس کا انعام ہاں ہاں سب سے بڑا انعام، مقامِ محبوبیت رب العزت ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اے محبوبِ محبوبان عالم صلی اللہ علیک وسلم آپ ساری دنیا کیلئے اس راز سے پردہ اٹھا دیں کہ تم میں جو جو بھی محبت الٰہیہ کا دعویٰ کرتا ہے ان سب سے کہہ دیں۔ اس کی ذات تک پہنچنے کے تمام راستے تمام سڑکیں، تمام گلیاں، سب بند کر دی گئیں۔ اس تک پہنچنے کے لئے جنگلوں بیابانوں، دریاؤں، سمندروں، آسمانوں حتیٰ کہ عرش تک بھی آنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم اس کے پاس جاؤ جس نے عرش بھی دیکھ لیا ہے اور عرش والا بھی دیکھ لیا ہے۔ جو اس کے نقوش قدم پر ادباً، احتراماً، اتباعاً قدم پر قدم رکھ کر جو سفر طے کرے گا۔ اسے اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنے کی حاجت نہیں رہے گی بلکہ خود مالک اسے اپنا محبوب بنا لے گا۔ لوح و قلم اس کے ہاتھ میں دے دے گا۔ اب تقدیر زمانہ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اے اشرف المخلوقات انسان! آپ کی یہ شان و مرتبہ ہے۔ ہمارے لئے کیا جر ہے کیا نہیں۔ ہم نے اس موضوع کو کبھی چھیڑا ہی نہیں۔ ہماری چاہت ہے بس

اسی کو چاہیں اور کسی کو ہرگز نہ چاہیں۔ اسی کے حضور سر افگندہ ہوں اور کسی کے حضور حاضری نہ دیں۔ بس اسی کے بارے میں سوچیں اور کچھ نہ سوچیں۔

اس میں کیا ہے کیا نہیں اس سے مجھ کو کیا غرض
مجھ کو وہ اچھا لگا میں نے سوچا کچھ نہیں
اس کی بابت سوچنا اور سوچنا بھی رات دن
پھر بھی مجھ کو یوں لگا میں نے سوچا کچھ نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر سلام کرنے میں پہل کرنا

لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔ ہم خاک کے ذرّے، ریزے، کنکر اور پتھر لکھنا پڑھنا کیا جانیں۔ آپ ہی کے قبیلے کے کچھ عظیم لوگوں نے ہمارے چشم دید واقعات یا اپنے کانوں سنی بات، یا کسی باوقار کی زبان سے سنی بات صفحات قرطاس میں مرقوم فرما دیں۔ ہم سراپا سپاس ہیں کہ ہماری وارفتگیاں ضائع نہیں ہوئیں۔ بھولی بسری باتیں نہ ہوئیں۔ قصہ پارینہ نہ بنیں۔ اب اگر کوئی صدیوں بعد بھی پڑھے گا تو اسے سچے لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلی باتیں ایسی معلوم ہوں گی جیسے ابھی کل کی باتیں ہیں اور ان پر یقین بھی آ جائے گا۔ انشاء اللہ

محبت وعقیدت کے اظہار کا ایک انداز، سلام کرنا بھی ہے۔ انسانوں نے اپنے اپنے دین، مسلک اور مذہب کے مطابق اور ہر زبان میں اپنی اپنی زبان کے مطابق، کچھ خاص الفاظ مخصوص کئے ہوئے ہیں۔ جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے چاہنے والوں کے لئے سلام کے چند مخصوص الفاظ مختص کئے ہوئے ہیں لیکن ہم تو اس وقت کی بات کرتے ہیں جب ابھی یہ الفاظ مخصوص نہیں فرمائے تھے اور یہ الفاظ ان دنوں کہیں مروج بھی نہیں تھے۔ جب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں ہماری جانب قدم رنجہ فرماتے تو نہ جانے ہمیں یہ الفاظ

کس نے سکھا دیئے۔ کس نے القاء کر دیئے ہم نہیں جانتے۔ البتہ وہی الفاظ ہیں جو ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود مروج ہیں جو ہمیں القاء فرمائے گئے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنّی لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنّی لَاَعْرِفُهٗ اَلْاٰنَ (المسلم، کتاب الفضائل)

یعنی میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھے اعلان نبوت سے پہلے سلام عرض کیا کرتا تھا۔ میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

كَانَ يُسَلِّمُ عَلٰی لَيَالِیْ بُعِثْتُ

اعلان نبوت کی راتوں میں وہ مجھے سلام عرض کرتا تھا۔

یہ سلام محبت وعقیدت صرف ہم پر ہی موقوف نہیں اگرچہ وادی غیر ذی زرع ہے۔ یہاں زراعت، کھیتی باڑی یا پودوں کا باغات کا کوئی تصور نہیں۔ اس کے باوصف کوئی نہ کوئی درخت، ہماری پتھریلی اور خشک ترین زمین کا سینہ چیر کر ننھی سی کونپل نکالتا اور دیکھتے ہی دیکھتے درخت بن جاتا چونکہ اس کے خمیر میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ اس لئے اس کی کیفیات سے تھوڑا بہت ہم بھی واقف ہیں جو حالت ہماری ہوتی تھی۔ جان جاں، روح کائنات، سرورِ انبیاء، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب بھی ادھر سے گزر ہوتا تو ہمارے ساتھ وہ بھی اسی عقیدت ومحبت سے سلام نیاز پیش کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ویسے بھی اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ آپ ان کی زبانی سن لیں۔ آپ کو یقین آ جائے گا کہ ہماری کیا کیفیت ہوتی تھی۔ آپ فرماتے ہیں ہم جانِ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ مکہ معظّمہ میں بعض علاقوں سے گزرتے۔

فَمَرَرْنَا بَيْنَ الْجِمَالِ وَالشَّجَرِ فَلَمْ تَمُرْ بِشَجَرَةٍ وَّلَا جَبَلٍ اِلَّا قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

کہ ہم جن پہاڑوں اور درختوں کے پاس سے گزرتے وہ آپ کی خدمت اقدس میں عرض کرتے۔ و السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

وَجَعَلَ لَا يَمُرُّ عَلٰى شَجَرٍ وَّلَا حَجَرٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ

کہ ہر درخت اور ہر پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتا۔ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں۔

فَمَا اسْتَقْبَلَهُ شَجَرٌ وَلَا حَدَرٌ اِلَّا قَالَ لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

یعنی ہر درخت اور ہر سنگریزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرتے ہوئے عرض کرتا۔ السلام علیک یا رسول اللہ

دوسرے مقام پر انہی کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔

وَلَا يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَّلَا شَجَرٍ اِلَّا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنَا اَسْمَعُهُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہ عرض کرتا۔ السلام علیک یا رسول اللہ اور میں اسے سنتا تھا۔

اسے ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ذھبی نے حاکم کے حکم کو ثابت رکھا۔ دارمی، ابونعیم اور بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(المستدرک ۲-۶۲۰)

ان تمام روایات میں یہ تصریح اور وضاحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حجر، شجر، جبل، سنگریزے اور ذرّات سلام عرض کرتے تھے اور آپ کی آمد پر آپ کا استقبال بھی کرتے تھے۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں یہ بھی تھا کہ پتھر کا سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کیونکہ اس وقت آپ تنہا تھے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ وسلام اللہ علیہ کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ پتھروں کا سلام حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ساتھیوں نے بھی سنا۔ تو یہ حضور جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پہاڑوں، درختوں، پتھروں، سنگریزوں اور خاک کے ذرّات کا بصورت سلام، نطق یعنی بولنا واضح اور صریح تھا۔ جیسا کہ سیرت کی کتابیں لکھنے والے حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلان نبوت فرمانے کا حکم ارشاد فرمایا تو

جَعَلَ لَا يَمُرُّ فِیْ شِعَابِ مَكَّةٍ وَبُطُوْنِ اَوْدِيَتِهَا فَيَمُرُّ لِحَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اِلَّا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(دلائل النبوہ للبیہقی ۲= ۱۴۳)

یعنی آپ مکہ مکرمہ کے جس علاقے اور وادی میں سے گزرتے ہر پتھر اور ہر درخت عرض کرتا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ہم خاک کے ذرے اور پتھر پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سلام کرنے کا یہ انداز اس زمانے میں اس سے پہلے مروج نہیں تھا۔ ہمیں یہ انداز سلام محبت و نیاز کیسے آ گیا۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ انداز ہائے محبت نہ لکھائے جاتے ہیں نہ سکھائے جاتے ہیں۔ یہ انداز خود بخود ہی کہیں سے پھوٹ پڑتے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے اور یہی جواب زیادہ بہتر بھی ہے کہ یہ انداز سلام نیاز خود ہمارے خالق و مالک نے سکھائے جس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رداء فضیلت پہن لی تھی۔

اس دور میں دوسری پارٹی یعنی شیطان لعین و رجیم کے ساتھی، فاسق انسان اور جن اور شجر و حجر بھی شاید ہوں گے۔ ان کا حال کیا ہوگا۔ ہمیں اس کی خبر نہیں۔ آپ اپنے دور میں ایسے لوگوں کے وجود سے آگاہ ہیں اگر ہماری پارٹی کے افراد کی اس دور گونج ہے تو اس کی جڑھ تو اسی دور میں بھی تھی ناں اور یہ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ دوسری پارٹی کی جڑھ بھی اس وقت موجود ہوگی۔ خدائے بزرگ و برتر کا شکر للہ الحمد کہ میں دنیا سے مسلمان گیا

اعلان نبوت سے پہلے کا ایک واقعہ

آنکھ ہوتی ہی دیکھنے کے لئے ہے لیکن کیا کریں۔ ہر آنکھ دیکھتی ہی نہیں۔ کبھی بیماری سے نہیں دیکھتی۔ کبھی کمزوری سے نہیں دیکھتی۔ کبھی اندھے پن سے نہیں دیکھتی۔ کبھی نفرت کے جالے پڑ جانے سے نہیں دیکھتی۔ کبھی غفلت اور جہالت سے نہیں۔ کبھی تعصب سے نہیں دیکھتی لیکن کسی کے نہ دیکھنے سے چیز کا وجود تو ختم نہیں ہو جاتا۔ کسی چیز کا نظر نہ آنا۔ اس کے نہ ہونے کی دلیل تو نہیں ہوتا۔ ہمارا یہ تجربہ ہے کبھی قریب ترین پڑی ہوئی چیز نظر نہیں آتی اور دور پڑی نظر آ جاتی ہے اور کبھی دور پڑی چیز نظر نہیں آتی اور قریب پڑی چیز نظر آ جاتی ہے۔ چیز موجود ہو، قریب یا دور اور نظر نہ آئے تو اس کا مطلب ہے نظر کمزور ہے۔ نظر کمزور ہو تو کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر کو دکھائی جائے جو چیک کرے کہ نظر کتنی کمزور ہے۔ دور کی چیز نظر نہیں آتی یا قریب کی۔ یا قریب و بعید دونوں ہی نظر نہیں آتیں۔ آنکھوں کا علاج کرواؤ۔ اس نمبر کا شیشہ لو، عینک لگاؤ، تمہیں سب کچھ نظر آ جائے گا۔

ہم اس زمانے کی بات آپ کو سنانے لگے ہیں جب ملک شام کی راہ میں ایک ایسا شخص تھا جس کی بینائی بہت تیز تھی۔ وہ دور و نزدیک تک کی ہر شے دیکھ سکتا تھا بلکہ اس دور میں یا تو ہم خاک کے ذرّوں، سنگریزوں اور پتھروں کو نظر آتی تھی یا اس کو نظر آتی تھی۔ باقی کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ ایک عبادت گزار عیسائی

راہب تھا۔ اس کا تقویٰ خلوص اور پاکیزگی غالباً اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی پاکیزگی کی وجہ سے اس کی باطنی آنکھ بھی بہت کام کرتی تھی جسے آج کل آپ لوگ بصیرت کا نام دیتے ہیں۔ اس کی بصارت بھی ٹھیک تھی اور بصیرت بھی اچھا خاصا کام کرتی تھی۔

ایک دن یوں ہوا کہ جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان حضرت ابو طالب تجارت کے لئے ملک شام کی طرف عازم سفر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ اکثر اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ انہوں نے سوچا بچہ اب سن بلوغ کو پہنچ گیا ہے۔ اسے تجارت کے تجربات سے گزرنا چاہئے تاکہ بڑا ہو کر اصول ہائے تجارت اور تجربات سے کام لے سکے۔ یہ تو ان کا اپنا خیال تھا حالانکہ جو امی لوگ ہوتے ہیں انہیں تجربات اور تعلیم زمانہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ خود سب کچھ پڑھ کر ہی آتے ہیں۔

ملک شام کے قریب اس قافلہ تجارت نے پڑاؤ ڈالا، آرام کیا، خیمے لگائے۔ انہوں نے دیکھا قریب ہی جو عیسائیوں کی عبادت گاہ ہے اس کے سربراہ اعلیٰ خود تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے مقام مرتبہ کو دیکھتے ہوئے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ خیریت دریافت ہوئی اور انہوں نے سارے قافلے کو رات کے کھانے پر بلایا۔ دعوت قبول کر لی گئی لیکن سب حیران تھے کہ ان کو تو ویسے ملنا بھی بڑا مشکل ہوتا ہے ملاقات کے لئے بڑی دقت کے ساتھ وقت ملتا ہے لیکن آج کیا خاص بات ہے کہ یہ خود چل کر آئے ہیں اور کھانے کی دعوت بھی دی ہے۔

خیر شام کو بڑی پرتکلف دعوت میں سب شریک ہوئے۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے محترم راہب نے پوچھا کوئی صاحب پیچھے رہ تو نہیں گئے۔ انہوں نے کہا پیچھے صرف ایک نوجوان سامان کی رکھوالی کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ اس کی اس بھرتی جوانی میں بھی اس کی امانت و دیانت پر بھرپور اعتماد ہے۔ راہب صاحب

نے کہا یہ سارا اہتمام اسی ایک نوجوان ہی کے لئے تو کیا گیا تھا۔

نمازِ جنازہ بھی پڑھ لی غیروں نے
مرے تھے جن کے لیے وہ رہے وضو کرتے

کھانا ان کے بغیر شروع نہیں ہوسکتا۔ آپ کو بلایا گیا کھانا پیش کیا گیا، کھانے کے بعد راہب نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے چچا جان حضرت ابو طالب کو روک لیا اور تنہائی میں پوچھا۔

یہ نوجوان کون ہے۔ آپ نے فرمایا میرا بیٹا ہے۔ انہوں نے کہا اس نوجوان کا باپ زندہ نہیں ہوسکتا آپ نے فرمایا ہاں یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس کے والد حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اس کی ولادت سے پہلے ہی وصال فرما گئے تھے تو اس راہب نے کہا۔

هٰـذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا يَبْعَثُهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

یہ نوجوان تمام کائنات کے سردار ہیں۔ یہ رب العٰلمین کے رسول ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعٰلمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

قریشی شیخ نے پوچھا آپ کو اس کا علم کیسے ہوگیا۔ انہوں نے کہا میں دیکھ رہا تھا جب تم سامنے کی گھاٹی پر چڑھے تھے۔

لَمْ يَبْقِ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَّلَا يَسْجُدُ اِلَّا لِنَبِيٍّ

کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ نہ کر رہا ہو اور یہ سب اشیاء صرف نبی ہی کو سجدہ کرتی ہیں کسی اور کو نہیں۔

یہ الفاظ ابن شیبہ کے ہیں۔ ترمذی نے اسے حسن کہا ابو نعیم اور حاکم نے صحیح کہا۔ تیمی اور بیہقی نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ تمام حضرات نے قراد (عبدالرحمٰن بن غزوان الضبی) سے بیان کیا ہے جو بہت ثقہ ہیں اور یونس بن ابی اسحاق اور انہوں

نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فی بدء الوحی میں نقل کیا ہے۔

لیجئے ہم آپ کو اصل واقعہ ایک بہت ہی اہم اور ثقہ صحابی رسول کی زبانی سنائے دیتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ خَرَجَ اَبُوْ طَالِبٍ اِلَی الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَشْیَاخٍ مِّنْ قُرَیْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوا عَلَی الرَّاهِبِ هَبَطُوا فَحَلُّوا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ اِلَیْهِمُ الرَّاهِبُ وَکَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ یَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا یَخْرُجُ اِلَیْهِمْ وَلَا یَلْتَفِتُ قَالَ فَهُمْ یَحُلُّوْنَ رِحَالَهُمْ فَجَعَلَ یَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰی جَآءَ فَاَخَذَ بِیَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْیَاخٌ مِّنْ قُرَیْشٍ مَا عِلْمُكَ فَقَالَ اِنَّکُمْ حِیْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ یَبْقَ شَجَرٌ وَّلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَّلَا یَسْجُدَانِ اِلَّا لِنَبِیٍّ وَّاِنِّیْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ کَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ وَکَانَ هُوَ فِیْ رِعْیَةِ الْاِبِلِ قَالَ اَرْسِلُوْا اِلَیْهِ فَاَقْبَلَ وَعَلَیْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهٗ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ اِلٰی فَیْءِ الشَّجَرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَیْءُ الشَّجَرَةِ عَلَیْهِ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰی فَیْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَیْهِ قَالَ فَبَیْنَمَا هُوَ قَائِمٌ عَلَیْهِمْ وَهُوَ یُنَاشِدُهُمْ اَنْ لَا یَذْهَبُوْا بِهٖ اِلَی الرُّوْمِ فَاِنَّ الرُّوْمَ اِذَا رَاَوْهُ عَرَفُوْهُ بِالصِّفَةِ فَیَقْتُلُوْنَهٗ فَالْتَفَتَ فَاِذَا بِسَبْعَةٍ قَدْ اَقْبَلُوْا مِنَ الرُّوْمِ فَاسْتَقْبَلَهُمْ فَقَالَ مَا جَآءَ بِکُمْ قَالُوْا جِئْنَا اِنَّ هٰذَا النَّبِیَّ خَارِجٌ فِیْ هٰذَا الشَّهْرِ فَلَمْ یَبْقَ طَرِیْقٌ اِلَّا بُعِثَ اِلَیْهِ بِاُنَاسٍ وَّاِنَّا قَدْ اُخْبِرْنَا خَبَرَهٗ بُعِثْنَا اِلٰی طَرِیْقِكَ هٰذَا

فَقَالَ هَلْ خَلْفَكُمْ اَحَدٌ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ قَالُوْا اِنَّمَا اُخْبِرْنَا خَبَرَهُ بِطَرِيْقِكَ هٰذَا قَالَ اَفَرَاَيْتُمْ اَمْرًا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّقْضِيَهُ هَلْ يَسْتَطِيْعُ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ رَدَّهُ قَالُوْا لَا قَالَ فَبَايَعُوْهُ وَاَقَامُوْا مَعَهُ قَالَ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَيُّكُمْ وَلِيُّهُ قَالُوْا اَبُوْ طَالِبٍ فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهُ حَتّٰى رَدَّهُ اَبُوْ طَالِبٍ وَّبَعَثَ مَعَهُ اَبُوْ بَكْرٍ بِلَالًا وَّزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ (رواه الترمذی و ابن ابی شیبة)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طالب قریشی سرداروں کے ہمراہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے تو حضور پر نور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جب راہب کے پاس پہنچے وہ سواریوں سے اترے اور انہوں نے اپنے کجاوے کھول دیئے راہب ان کی طرف آ نکلا حالانکہ روسائے قریش اس سے قبل بھی اس کے پاس سے گزرا کرتے تھے لیکن وہ ان کے پاس نہیں آیا کرتا تھا اور نہ ہی ان کی طرف کوئی توجہ دیا کرتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ ابھی اپنے اونٹوں کے کجاوے کھول ہی رہے تھے کہ وہ راہب ان کے درمیان چلنے پھرنے لگا حتیٰ کہ وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا اور آپ کا دست اقدس پکڑ کر کہا یہ تمام جہانوں کے سردار ہیں۔ رب العالمین کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ روسائے قریش نے اس سے پوچھا۔ آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جب تم لوگ گھاٹی سے نمودار ہوئے تو میں دیکھ رہا تھا کہ کوئی پتھر اور درخت ایسا نہیں تھا۔ جو سجدہ میں نہ گرا پڑا ہو اور یہ اشیاء صرف نبی ہی کو سجدہ کرتی ہیں۔ کسی

اور کسی کو سجدہ نہیں کرتیں اور میں انہیں مہر نبوت کی وجہ سے بھی پہچانتا ہوں جو ان کے مبارک کندھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مثل ہے پھر وہ واپس چلا گیا اور اس نے تمام قافلے والوں کے لئے کھانے کا اہتمام کیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو آپ اس وقت اونٹوں کی چراگاہ میں تھے۔ راہب نے کہا ان کو بلاؤ (یہ کھانا تو صرف ان کے طفیل ہے جو تمہیں بھی مل رہا ہے کہ دولہا کی وجہ سے باراتیوں کو مل جاتا ہے) جب آپ تشریف لے آئے تو آپ کے سر انور پر بادل سایہ فگن تھا اور جب آپ لوگوں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ تمام لوگ پہلے ہی سے درخت کے سایہ کی جگہ پہنچ چکے ہیں (اور بظاہر کوئی جگہ خالی نہ تھی) لیکن جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو درخت کا سایہ خود بخود آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا درخت کے سایہ کی طرف دیکھئے وہ آپ پر جھک گیا ہے پھر راہب نے کہا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں صحیح صحیح بتاؤ ان کا سرپرست کون ہے۔ انہوں نے کہا ابو طالب چنانچہ وہ مسلسل حضرت ابو طالب کو واسطے دیتا رہا (کہ انہیں واپس بھیج دیں) یہاں تک کہ حضرت ابو طالب نے آپ سرکار سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور راہب نے آپ سرکار نور الانوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی طرف سے عطیہ اور نذرانہ کے طور پر کیک اور زیتون پیش کیا۔

پتہ نہیں جو مکے سے شام تک ہم سفر تھے انہیں شجر و حجر آپ کو سجدہ کرتے کیوں نظر نہیں آئے۔ وہ اکیلے راہب ہی کو نظر کیوں آئے۔ معلوم ہوا اس کی بصارت و بصیرت کی بینائی تیز تھی اور باقی سب کی نظر کمزور تھی جو اتنے قریب ہو کر

بھی نہ دیکھ سکے۔ یہ بینائی درست کرانے کے لئے کسی ماہر طبیب سے رجوع کر
اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔

گوشت کی حضور سے محبت

محبّ کی محبت کا تقاضہ ہے کہ اس کی ذات سے محبوب کو کوئی زک نہ پہنچے بلکہ راحت پہنچے۔ سکون، آرام پہنچے محبّ کی جو ادا بھی ہو اس سے اس کے دل کو ٹھنڈک نصیب ہو اور اگر محبّ کی کسی حرکت سے کسی انداز سے محبوب کو تکلیف پہنچے تو اس کے لئے مر جانا بہتر ہے اور اگر خدانخواستہ اس کی طرف سے کوئی ایسا قدم اٹھ جائے یا کوتاہی سرزد ہو جائے کہ اس سے محبوب کی جان کو خطرہ ہو تو اس کی ہزار صفائی کے باوجود اس کا وجود اس کے لئے لعنت ہے۔ پھٹکار ہے اس کے لئے نفرین ہے۔

پتھر، کنکر سنگ ریزے ہی جمادات میں نہیں آتے بلکہ ہر وہ چیز جو بے حرکت ہو بے زبان ہو، بے جان ہو، وہ سب جمادات ہی میں آتی ہیں۔ ہم اپنے قبیلہ میں ان تمام کو شامل کرتے ہیں جو اس اعتبار سے جمادات کے زمرے میں آتی ہیں۔

غزوہ خیبر جب اختتام کو پہنچا تو ایک یہودی عورت نے صحابہ کرام سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کے گوشت میں سے کون سا حصہ شوق سے تناول فرماتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ آپ دستی اور ران کو زیادہ پسند فرماتے ہیں۔

اس عورت نے آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی جو قبول فرما لی گئی۔ اس عورت نے بکری ذبح کی اور اس کی دستی کو زہر آلود کر دیا اور آپ کی خدمت میں کھانا رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کھانا تناول کرنے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔
سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا اٹھا کر

منہ کے قریب لے گئے تو کھائے بغیر نیچے رکھ دیا اور فرمایا:

اَخۡبَرَتۡهُ الزِّرَاعَ بِاَنَّهَا مَسۡمُوۡمَةٌ وَّاِنَّ الشَّاةَ كُلَّهَا مَسۡمُوۡمَةٌ

گوشت کی اس دستی اور ران نے مجھے بتایا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے نہ کھائیے گا۔ ساری بکری اس وقت زہر آلود ہے۔ آپ نے صحابہ کو بھی منع فرما دیا۔

آپ نے یہودیہ سے پوچھا تم نے ایسی حرکت کی ہے۔ اس نے اعتراف جرم کیا اور کہا جی ہاں! میں نے یہ حرکت اس لئے کی ہے کہ آپ نبی پاک ہیں تو آپ مطلع ہو جائیں گے اور اگر نبی نہیں تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

اس کا مطلب اور مفہوم یہ ہوا کہ یہودیہ کو بھی یہ علم تھا کیونکہ وہ اہل کتاب میں سے تھی اور نبیوں کی شان اور مرتبت سے واقف تھی وہ جانتی تھی کہ نبی ہو اور دنیا کی ہر چیز اس کی وفادار نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔ جن وانس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے وہ آنکھ دی ہے جو نبی کو۔ اہل اللہ کو اللہ والوں کو اس کے نیک بندوں کو جانتی ہے، مانتی ہے، پہچانتی ہے بلکہ اس کے مرتبے کے درجات کو بھی پہچانتی ہے کہ اس کا مقام کتنا ارفع ہے اور اس کا حکم ماننے کی حدود کیا ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک میں رہنے والے سوٹے کو علم ہو گیا تھا کہ جس کے مقدس ہاتھوں کا لمس مجھے نصیب ہے یہ کوئی عام سی شخصیت نہیں بلکہ طور پہاڑ پر اسرار و رموز کے پردے کھلنے والی ساری رات کی خلوت میں بھی وہ ساتھ ساتھ تھا۔ اس لئے جب تک وہ آپ کے مقدس ہاتھ میں ہوتا وہ عصا اور سوٹا ہی رہتا اور آپ کے ہاتھ سے دوری کا مطلب یہ تھا کہ وہ آپ کے اور آپ کے خالق کی دشمن پارٹی کے لئے خطرناک اژدھا بن جانا ہوتا تھا۔ وہ پتھر پر ضرب لگاتے ہوئے پتھر کو بھی بتا دیتا ہو گا کہ یہ مار کوئی ایسی ویسی نہیں۔ بے شک تو چھوٹا سا ہے لیکن تجھ سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑنے چاہئیں کہ اگر ستر لاکھ انسان بھی پانی پینا چاہیں تو پانی ختم نہ ہو۔ اگر دریا کے بہتے پانی پر ضرب لگاتا تو اسے یہ

بھی سمجھا دیتا ہو گا کہ یہ ضرب کوئی معمولی سی ضرب نہیں ہے کہ کھلنڈرے بچے یا کسی عام سے آدمی نے ماری ہو اور تو پرواہ ہی نہ کرے۔ یہ مجھ سے پوچھ یہ کون ہے یہ اس قبیلے کے لوگ ہیں جن کی اپنی ذاتی کوئی حرکت اپنی نہیں ہوتی۔ ان کے ہر قدم کا اٹھنا مالک کی رضا کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اس ضرب کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ ستر لاکھ انسان ہیں۔ تیرے اوپر پل بنانے کا وقت نہیں۔ شیطان کی پارٹی کے لوگ سر پر چڑھے آ رہے ہیں۔ فوراً خشک ہو جا مختلف جگہوں پر بارہ سڑکیں بڑی بڑی وسیع بنا دے اور یہ سب آرام سے گزر جائیں اور ان میں سے کسی ایک کا پاؤں بھی گیلا نہ ہو۔ ان میں سے ہر ایک کو پہچاننا اب تیرا کام ہے۔ خبردار کوتاہی نہ ہو اور ان کے بعد دوسری پارٹی کے لوگ بھی آ رہے ہیں۔ اور سن! ان میں سے کوئی ایک بھی بچ کر بھی نہیں جانا چاہئے ورنہ موسیٰ علیہ السلام کا ڈنڈا پھر تیار ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جلال موسوی سے دوسرا پڑا ہوا ڈنڈا تیرا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دے۔

ہاں ہاں یہی وہ ادراک تھا، وہی آنکھ تھی، جو حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ آتش نمرود میں بے دھڑک کود پڑنے پر تڑپ اٹھی تھی کہ مالک یہ ہے وہ شخص! جس کی آمد سے پہلے مجھے اپنی فطرت ازلی ہی تبدیل کرنے کا حکم ہے۔ سبحان اللہ نہ جانے اس وقت آگ اور آتش نمرود نے آپ کی آمد پر کتنی بار اہلاً وسہلاً ومرحبا کہا ہوگا۔ کتنی بار ''ست بسم اللہ جی آیاں نوں'' کہا ہوگا۔ کتنے پھول، کتنی کلیاں، کتنے گجرے، کتنے گلدستے پیش کئے ہوں گے۔ یہ سب کچھ اس نے بھی پہلی بار ہی دیکھے ہوں گے ورنہ اس کے نصیب میں تو جلنا ہی تھا۔ صدیوں سے قرنوں سے وہ جل رہی تھی۔ ایک اللہ والا کیا آیا اس کی آمد سے اس کی اپنی تقدیر ہی بدل گئی۔ سبحان اللہ

ہم اسی قبیل کے لوگ ہیں اگرچہ ہم خود تو کچھ نہیں کر سکتے مالک کے صدقے

اور قربان جائیں جو ہمیں ایسی آنکھیں ایسی پہچانیں پھر ایسی جاں نثاریاں عطا کر دیتا ہے۔

آپ کہیں گے بات گوشت سے چلی تھی کہاں جا پہنچی۔ ہاں محبت کی وادی کی باتیں ختم نہیں ہوتیں۔ یہ مزید آگے سے آگے بڑھتے ہی چلی جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ ایک یہودیہ عورت نے زہر آلود گوشت آپ کے حضور پیش کیا اور آپ وہ تناول فرمانے لگے تو یقیناً زہر نے اپنے اثرات زہر نکال کر باہر رکھ دیئے ہوں تاہم اس خاتون کو حضور جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا،

لَا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلٰى ذٰلِكَ (البخاری کتاب الھبہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے ناکام بنا دیا ہے۔

روایت بزاز میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میں نے تناول فرمانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو

اِنَّ عُضْوًا مِّنْ اَعْضَائِهَا يُخْبِرُنِىْ اَنَّهَا مَسْمُوْمَةٌ (کشف الاستار ۳=۱۴۰)

تو اس کے ایک حصے نے مجھے اطلاع دی آقا یہ گوشت زہر آلود ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ کی خدمت میں زہر آلود بکری کا گوشت لایا گیا ابو داؤد اور بیہقی میں ہے۔ آپ نے صحابہ کو یہ کہتے ہوئے کھانے سے منع فرما دیا کہ اَخْبَرَتْنِىْ اِنَّهَا مَسْمُوْمَةٌ اس دستی نے مجھے اپنے زہر آلود ہونے کی اطلاع دیدی ہے۔

بے نواواں نوں نوا بخشی میری سرکار نے
گونگیاں نوں جیھ بخشی تے صداواں بخشیاں

تو آپ نے فرمایا جو جو یہودی یہاں موجود ہیں ان سب کو میرے پاس لاؤ

جب ان سب کو اکٹھا کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں تم سچ کہو گے۔ انہوں نے کہا ہاں ضرور آپ نے ایک شخص سے پوچھا تمہارے والد کا نام کیا ہے۔ کہنے لگا فلاں آپ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تمہارا والد تو فلاں ہے۔ کہنے لگا آپ نے سچ کہا ہے۔ فرمایا، ایک بات اور پوچھوں تم سچ کہو گے۔ کہنے لگے ہاں، آپ نے فرمایا: تم نے اس بکری میں زہر کیوں ملایا تھا۔ کہنے لگے،

اَرَدْنَا اِنْ کُنْتَ کَاذِبًا نَسْتَرِیْحُ وَاِنْ کُنْتَ نَبِیًّا لَّمْ یَضُرَّكَ

(البخاری کتاب الطب)

ہم نے چاہا تھا اگر آپ کاذب اور جھوٹے ہیں تو ہماری جان چھوٹ جائے گی اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کو یہ زہر آلود گوشت کوئی نقصان نہیں دے گا۔

ابو داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے جب صحابہ کو منع فرمایا۔ تو اس یہودی عورت کو بلوایا اور پوچھا کیا تو نے اس میں زہر ملایا تھا۔ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا تو آپ نے فرمایا:

اَخْبَرَتْنِیْ ھٰذِہٖ فِیْ یَدِی لِلذِّرَاعِ (ابوداؤد کتاب الدیات)

مجھے اس دستی نے اطلاع دی ہے۔

مسند بزار میں ثقہ رجال سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صحابہ رک جاؤ۔

فَاِنَّ عُضْوًا مِّنْ اَعْضَائِھَا یُخْبِرُنِیْ اِنَّھَا مَسْمُوْمَۃٌ

اس گوشت کے ایک عضو نے مجھے زہر آلود ہونے کی خبر دی ہے۔

(کشف الاستار ۳=۱۴۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

فِي الْحَدِيْثِ اَخْبَارُهٗ عَنِ الْغَيْبِ وَ تَكْلِيْمِ الْجِمَادِلَهٗ (فتح الباری ۱۰=۲۴۶)

اس حدیث مبارکہ سے آپ کا غیبی خبر دینا اور جمادات کا آپ سے گفتگو کرنا ثابت ہو رہا ہے۔

بغیر اجازت اٹھائی ہو ذبح شدہ بکری کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

پاک لوگوں کی غذا بھی پاک ہوتی ہے۔ اس کی پاکیزگی صرف ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی اور فکری و فطرتی پاکیزگی ہونا بھی شرط ہے اور وہ ذات جس کا سوتے میں بھی وضو نہ ٹوٹتا ہو۔ اس کی پاکیزگی کا عالم کیا ہوگا۔ قادر مطلق، خالق و مالک نے جنہیں ویزکیھم کی مسند پر خود آپ بٹھایا ہو۔ اس کو ہر ناپاکی سے بچانا بھی اسی کے ذمہ کرم پر ہے۔ ساری مخلوق اسی کی فرمانبردار ہے۔ اس لئے ہر چیز کو حکم دے دیا گیا ہوگا کہ احتیاط کرنا۔

جیسے ساری دنیا کے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ کسی بھی عیب کے قریب نہ جانا۔ عیب دار ہو جاؤ گے۔ سفید چادر پر داغ لگ جائے تو اس کا حسن ختم ہو جاتا ہے لگتا ہے کہ ایسے ہر عیب اور ہر نقص سے کہہ دیا گیا ہوگا کہ تم نے میرے محبوب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نہیں جانا کہ ان کا نام محمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا کمال یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب نہ ہو۔

جس نبی نے ارشاد فرمایا ہو کہ ایک لقمہ حرام کا کھا لینے سے چالیس دن دعا قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حرام چیز کے کھانے سے کتنا محفوظ رکھا ہوگا۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ایک دو واقعات پر اکتفا جاتا ہے۔

ایک انصاری صحابی فرماتے ہیں کہ ہم جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ ایک جنازہ کے لئے گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ سرکار، قبر کھودنے والے کو ہدایات دے رہے تھے۔ اسے پاؤں اور سر کی طرف سے کشادہ کرو، جب ہم واپس ہوئے تو ایک خاتون نے کھانے کے لئے آپ کو دعوت پیش کی۔ جو آپ نے قبول فرمالی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لائے۔ کھانا پیش کیا گیا۔ پہلے آپ سرکار نے شروع فرمایا آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اور صحابہ نے لقمہ ابھی منہ میں رکھا ہی تھا تو آپ نے فرمایا

اَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ اَخَذَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا

میں نے محسوس کرلیا ہے کہ اس بکری کو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا گیا ہے۔

آپ نے خاتون سے پوچھا تو اس نے عرض کیا کریما! مہربانا۔ میں نے بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا تھا مگر نہ ملی پھر پڑوسی کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنی بکری ہمیں بھیج دو مگر وہ بھی وہاں موجود نہ تھے پھر میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے بکری بھیج دی۔ آپ نے فرمایا اس کا گوشت قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔

اس روایت کو امام ابو داؤد، امام احمد، بیہقی اور دار قطنی نے اسناد صحیح سے بیان کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صحابہ کرام کے ساتھ ایک خاتون کے ہاں تشریف لے گئے اس نے بکری ذبح کر کے کھانا پیش کیا۔

وَكَانُوْا لَا يَبْدَؤُوْنَ حَتّٰى يَبْتَدِءَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت مبارکہ تھی کہ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ادباً وہ ابتداء نہ کرتے تھے۔

آپ نے لقمہ لیا اور تناول نہ فرمایا اور فرمایا:

هٰذِہٖ شَاۃٌ ذُبِحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ اَھْلِھَا

یعنی اس بکری کو مالک کی اجازت کے بغیر ہی ذبح کیا گیا ہے۔ خاتون سے پوچھا تو عرض کرنے لگیں یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمارے اور سعد بن معاذ کے خاندان کے درمیان اس قدر باہمی اعتماد ہے کہ اشیاء کی قیمتیں پوچھے بغیر

نَاْخُذُ مِنْھُمْ وَ یَاْخُذُوْنَ مِنَّا

یعنی ہم ان کی اشیاء لے کر استعمال کر لیتے ہیں اور وہ ہماری اشیاء بغیر اجازت لے لیتے ہیں۔

اس روایت کو امام احمد نے رجال صحیح سے بیان کیا ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اتنے سے حرام سے محفوظ مامون رکھا وہاں یہ بات بھی تو ہمارے مہربانو! یاد رکھو کہ ہمارے قبیل کی جمادات نے اپنی حیثیت و کیفیت سے سرکار کو مطلع فرما دیا۔

آپ کی چھڑی مبارک کے اشارے سے بتوں کا گرنا

وہ بت جو صدیوں سے بت خانے میں بھگوان بنے بیٹھے تھے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے سر ہر روز ان کے حضور جھکتے تھے۔ وہ بت ان جھکنے والوں کے لئے کبھی ہلے جلے نہیں۔ ان کی فریاد پر نہ کبھی جواباً آہیں بھریں نہ ان کو دلاسا دیا بلکہ جواباً نہ ہوں نہ ہاں! وہ سمجھتے تھے یہ انسان ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ انسان ہوتے تو ان میں انسانیت ہوتی اور اپنے مالک کو پہچانتے اسے جانتے پھر اسی کو مانتے۔ یہ شکل انسان میں پتھروں سے بھی بدتر ہیں اور جو ہم سے بد ہی نہیں بدتر ہیں۔ ہم ان کے لئے کیوں اپنی جانیں ہلکان کریں ان کے لئے کیوں تڑپیں۔ ان کو انسانیت کیوں سکھائیں۔

اور جب ان بتوں نے دیکھا کہ یہ انسان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے انسانوں میں سے بھی عظیم تر انسان آ گیا ہے اور وہ آ گیا ہے جو قیامت تک کے

لئے ہر شکل نما پتھر، بھیڑیے، حیوان تک کو انسانیت سکھانے والا آ گیا ہے وہ عظیم انسان آ گیا ہے جس پر انسانیت بھی ناز کرتی ہے۔ اور خود خالق بھی اس کی انسانیت پر ناز کرتا ہے جب ان بتوں نے دیکھ لیا کہ یہ اتنا بڑا انسان ہے کہ اتنا بڑا ہو کر بھی بلکہ اشرف مخلوقات ہو کر بھی کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا۔ کوئی قدم اپنی مرضی سے نہیں اٹھاتا حتیٰ کہ گفتگو کا کوئی ایک جملہ بھی اپنی مرضی سے اپنی زبان سے نہیں نکالتا۔ اس کا ہر کام مالک ہی کی رضا کے لئے ہے۔ ہم بائیس تئیس سال سے دیکھتے ہیں۔ ساری دنیا کی مخالفت کے باوجود اپنے مالک سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹا بلکہ لاکھوں میں انسانیت کا وصف پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

تو انہوں نے سوچ لیا کہ یہ عظیم شخص ہمیں اشارہ بھی کرے تو ہم اپنے سارے کروفر، اپنی شوکتیں، رفعتیں، عظمتیں، اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ وہ اندھے تو نہیں تھے ناں وہ تو سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ گاہے بہ گاہے پہلے بھی موقع ملتے ہی سلام نیاز پیش کرتے رہتے تھے اور جب موقع آ گیا کھل کر قدموں میں گر کر اس کی عظمت کا رفعت کا شان و منزلت کا اعتراف کرنے کا. تو وہ اشارے کے منتظر رہنے لگے۔

یہ وہ وقت تھا کہ ان انسان نما پتھروں سے بھی بدتر لوگوں کا سرپرست اعلیٰ رجیم ولعین شیطان بھی بتوں کو آخری وقت تک اعترافِ حقیقت سے روکنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا لیکن وہ تو صدیوں سے اس کی سازشیں دیکھ رہے تھے۔ اب جھوٹے کے جھوٹ کا پول کھلنے والا تھا۔ اب اس کی رعونت کی ساری عمارت، زمین بوس ہونے والی تھی۔ اس کے سازشی ذہن کو پڑھتے پڑھتے صدیاں بیت رہی تھیں۔ اب حق کا بول بالا ہونے والا تھا۔ مالک اور مالک کی ساری مخلوق حزب اللہ، اللہ تعالیٰ کی پارٹی کا بول بالا ہونے والا تھا۔ اب تو وہ بت حزب اللہ اللہ تعالیٰ کی پارٹی کے سب سے بڑے نمائندے کے اشارے کے منتظر تھے۔ ساڑھے تین

سو سے زیادہ کی بتوں کی جماعت جاء الحق کا جاں نواز جملہ سننے کے لئے بے چین تھی، بے قرار تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چشم دید گواہی دیتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو

فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ وَ يَقُوْلُ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی وہ چھڑی انہیں لگائی اور فرمایا: اے بتو! کہہ دو اپنی زبانِ حال سے اور سرنگوں ہو کر اعتراف کرو بھی کراؤ بھی کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلَ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ ۱۷/۸۱

کہ حق آ گیا حق چھا گیا اور باطل وجھوٹ بھاگ گیا۔ آخر باطل کو ذلیل و خوار تو ہونا ہی تھا۔

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے حقیقت افروز اور مردہ انسانیت میں جان پیدا کر دینے والے الفاظ کا نکلنا تھا کہ سب کے سب بت سرنگوں ہو گئے دنیا نے دیکھ لیا

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

کہ باطل کو ذلیل و رسوا ہونا ہی تھا اور وہ ہو بھی گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے آقا حجر اسود کے پاس تشریف لے گئے استلام فرمایا پھر آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔

فَاَتٰى عَلٰى صَنَمٍ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهٗ قَالَ وَفِيْ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ وَّهُوَ اٰخِذٌ بِسِيَةِ الْقَوْسِ فَلَمَّا اَتٰى عَلَى الصَّنَمِ جَعَلَ بَطْنَهٗ فِيْ عَيْنِهٖ وَيَقُوْلُ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ) (المسلم، کتاب الجہاد)

پھر سرکار ان بتوں کے پاس آئے جن کی کفار پوجا کرتے تھے۔ آپ کے دست مبارک میں ایک کمان تھی آپ نے کمان ہر بت کی آنکھ پر مارتے ہوئے پڑھا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کہ کہو حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔

اے مکہ کے آنکھیں رکھنے والے اندھے بے بصارت اور بے بصیرت لوگو! تم نے دیکھا جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کی آنکھوں پر کمان ماری اور فرمایا اے بت خانے میں بھگوان بنے بیٹھے ہوئے اصنام باطل، آنکھیں کھولو نیند کے ماتو جاگو دیکھتے نہیں ہو۔ کون آیا ہے اور کس شان سے آیا ہے ہوش میں آؤ اور قافلہ سالارِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر ناقوس ازلی بجانے میں شامل ہو جاؤ۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

حق آ گیا حق چھا گیا باطل بھاگ گیا اور باطل آخر ایک دن ذلیل و رسوا ہونا ہی تھا اور وہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں۔

فَجَآءَ مَعَهٗ قَضِيْبَةٌ فَجَعَلَ يَهْوِىْ بِهٖ اِلٰى كُلِّ صَنَمٍ مِّنْهَا فَيَخِرُّ لِوَجْهِهٖ وَ يَقُوْلُ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حَتّٰى خَرَّ بِهٖ عَلَيْهَا كُلَّهَا

آپ تشریف لائے آپ کے مبارک ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آپ نے ہر بت کو ماری تو وہ اسی وقت منہ کے بل گر پڑا اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

حتیٰ کہ تمام بت زمین بوس ہو گئے۔

(اسے طبرانی نے کبیر میں، تمیمی نے دلائل میں، بزاز اور بیہقی نے دلائل میں رجال ثقہ سے روایت کیا ہے اور فاکھی نے بھی اسے نقل کیا ہے) (المعجم الکبیر ۱۰=۳۳۹)

فَلَمْ يَبْقِ وَثَنٌ اِسْتَقْبَلَهٗ اِلَّا سَقَطَ عَلٰى قَفَاهِ مَعَ اَنَّهَا كَانَتْ ثَابِتَةٌ بِالْاَرْضِ

جس بت کے سامنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوتا۔ وہ پشت کے بل گر پڑتا حالانکہ وہ زمین کے اندر گڑے ہوئے تھے۔

(اسے فاکھی طبرانی نے کبیر اور اوسط میں ذکر کیا۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا۔ بیہقی نے بھی دلائل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی مثل نقل کیا ہے لیکن اس کی سند میں ضعف ہے لیکن سابقہ روایت اس کی تائید کرنے والی ہے۔) (دلائل النبوہ للبیہقی ۵_۷۲)

ومارمیت کا باقی ماندہ واقعہ

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے غزوۂ حنین میں پھینکی جانے والی کنکریوں کا تذکرہ نامکمل رہ گیا تھا۔ اگرچہ ہم موضوع سے باہر نکلے ہی نہیں تھے۔ تاہم اس واقعاتی حقیقت کو نامکمل رہنا نہیں چاہئے۔

غزوہ حنین میں کنکروں کی حضور سے محبت

غزوہ حنین بھی غزوہ احد کی طرح اہل ایمان کیلئے بڑا صبر آزما تھا۔ وہاں بھی مستقبلات کی ایک ایک جز پر نظر رکھنے والے دور اندیش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے برعکس گھاٹی اور درے میں کھڑے صحابی سے اجتہادی غلطی سے حالات بہت خراب ہو گئے تھے اور یہاں غزوہ حنین میں بھی چند ایک صحابہ کے اذھان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب، محبوب محبوبانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھروسہ میں کمی اور اپنی کثرت پر اعتماد کی زیادتی نے پریشانی کا شکار کیا۔ معلوم یہ

ہوتا ہے غزوۂ حنین میں جو واقعہ تکلیف دہ ہوا وہ صرف ہم سنگریزوں کو نوازنے کے لئے ہوا۔ ہماری شان اور مرتبہ بڑھانے کے لئے ہوا۔ ہمیں بھی مجاہدین اسلام اور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل کرنے کے اعزاز عطا کرنے کے لئے ہوا۔ ہمیں بھی دشمنانِ خالق و مالک دشمنان نظام مصطفوی اور دشمنان وخیرہ چشم محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حزیمت وشکست دینے والے مجاہدین میں شامل کرنے کے لئے ہوا ورنہ جن کے اشارۂ ابرو پر نظم کائنات برہم ہو جاتا ہے۔ ان کے مسائل کیسے الجھ سکتے ہیں جن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا کا دونیم ہونا معمولی بات ہے۔ پہاڑوں کا رائی بننا ان کی ادنیٰ سی ہیبت کا کرشمہ ہو۔ وہاں ایسے واقعات کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ صرف انسانوں، حیوانوں کے قدموں میں روندے جانے والے ذرّوں اور سنگریزوں کو عزت بخشنے کے لئے یہ سارا اہتمام کیا گیا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ہم غزوۂ حنین میں راحت و جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شریک جنگ تھے۔ میں گھاٹی پر چڑھا تو وہاں ایک دشمن سے ٹکر ہوگئی۔ میں نے اسے کھینچ کر تیر مارا۔ نشانہ تو بہت کم خطا جایا کرتا تھا لیکن جانے کیا ہوا کہ تیر غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ دوسری قوم دوسری گھاٹی پر تھی اور صحابہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باہم دست و گریباں ہے۔ صحابہ میرے ساتھ پیچھے ہٹے۔ اس وقت میں دو چادریں اوڑھے ہوئے تھا۔ ایک تہہ بند کے طور پر اور ایک اوپر جسم پر تہ بند ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ میں بھاگتے ہوئے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ نے مجھے پہچان لیا اور آواز دی۔ اے اکوع کے بیٹے جنگ سے گھبرا گیا ہے۔ آپ اس وقت اپنی سواری شھباء پر سوار تھے۔ جب کفار نے آپ کو گھیر لیا تو آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے۔

ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَاَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

(المسلم کتاب الجہاد)

آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی لی اور کفار کی طرف پھینکتے ہوئے شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فرمایا تو ان میں سے ہر انسان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں اور وہ لوگ بھاگ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست فاش دی۔

آپ نے حضرت سلمہ بن اکوع کے یہ الفاظ پڑھے اور سماعت فرمائے۔

فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَأَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ

یعنی جو انسان بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے (اور وہ دشمن کی فوج میں تھا) اللہ تعالیٰ کے محبوب حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی مٹی سے اس کی آنکھیں بھر گئیں اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

بظاہر حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں کتنی مٹی کے ذرّے آئے ہوں گے اور وہ بدنصیب تعداد کے اعتبار سے کئی ہزار تھے۔ کسی کا منہ کسی طرف کسی کا منہ کسی طرف، کسی کی آنکھیں کھلی ہوئی اور کسی کی بند ہوں گی لیکن ہمیں تو دست مبارک کے پھینکنے کے انداز نے بتا دیا تھا کہ یہ کنکریاں جو میں پھینک رہا ہوں یہ بظاہر میرا ہاتھ ہے۔ درحقیقت یہ اس ہاتھ سے پھینکی جا رہی ہیں جو تمہارا بھی اور ساری کائنات کا واحد مالک ہے اور میں اس وقت پوری کائنات میں اس کا واحد نمائندہ ہوں۔ بس اپنا کام شروع کر دو۔ اب اللہ تعالیٰ کا کوئی دشمن اور شیطان لعین اور رجیم کی پارٹی کا کوئی انسان بچ کے نہ جائے۔

بس کنکریاں پھینکتے ہوئے زبانِ حال سے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے اپنا

کام شروع کر دیا پھر تو ہماری پارٹی کے کئی مٹی کے ذرے بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہوں گے اور کوئی بدقسمت و بدنصیب دشمن رسول ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں ہاں دونوں آنکھیں ہم نے مٹی سے بھر نہ دی ہوں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اپنی آنکھیں ملنے لگ جاتے۔ آنکھوں کی مٹی صاف کرتے لیکن ہمارا کام ان کو بھگانا بھی تھا۔ اس لئے ہم نے انہیں آنکھیں صاف کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔

فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ

وہ پیٹھ دکھا کر یوں بھاگے جیسے تیر سے ڈر کر شکار بھاگتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے بیان سے واضح ہے کہ وہ صاحب جن کے ساتھ میں خود بھی شامل تھا جنگ سے گھبراتے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے لیکن محبوب کائنات جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری ''شھباء'' پر سوار اپنی جگہ ثابت قدم کھڑے تھے۔ مشکل سے مشکل ترین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کے نبی کے قدم ڈگمگاہٹ کا شکار نہیں ہوئے۔ پوری امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ کبھی لغزش کا اور حالات کی کشیدگی سے گھبراہٹ کا یا میدان سے افراتفری کے عالم میں بھاگ نکلنے کا واقعہ ممکن ہی نہیں کہ یہ نبوت کا خاصہ ہے۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بھی اس غزوۂ حنین میں جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کا بیان ہے اور یہ گواہی ان کی چشم دید گواہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

میں غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی ساتھ تھے اور ہم کسی لمحے آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے یہ سواری فروہ بن نفاثہ الجزامی نے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیۃً پیش کی تھی۔ جب

جنگ شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمان تھوڑا پیچھے ہٹے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی طرف حملہ آور ہونے کے لئے سواری کو ایڑ لگائی۔ میں نے آپ کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور اس سواری کو تیز رفتاری سے روک رہا تھا۔ ابوسفیان نے بھی لگام تھامی ہوئی تھی آپ نے ارشاد فرمایا عباس اصحاب سمرہ کو آواز دو (ان کی آواز خوب بلند تھی) جب میں نے ان کو بلند آواز سے پکارا تو حالت یہ تھی۔

فَوَاللّٰهِ لَكَانَ عَطْفَتُهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا صَوْتِيْ عَطْفَةُ الْبَقَرِ عَلٰى اَوْلَادِهَا

اللہ کی قسم میں ان پر ترس کھا رہا تھا۔ انہوں نے میری آواز کو یوں محسوس کیا جیسے گائے اپنے بچوں کے لئے آواز نکالتی ہے۔

تو آگے سے مجاہدین کی طرف سے یا لبیک یا لبیک ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ کی آوازیں آنے لگیں۔

اس حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے کہ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مٹھی میں چند سنگریزے لیے اور دشمن کی طرف پھینکے اور فرمایا:

فَهزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ

اے دشمنو! مجھے رب محمد کی قسم تمہیں ضرور شکست ہوگی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا جنگ تو جاری تھی لیکن خدا کی قسم

فَمَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَمَاهُمْ بِحِصَيَاتِهٖ فَمَا زَالَتْ اَحَدُهُمْ كَلِيْلًا وَّاَمْرُهُمْ مُدْبِرًا (المسلم کتاب الجہاد)

یعنی سنگریزے پھینکنے کی دیر تھی میں نے دیکھا ان پر رات کی تاریکی چھا گئی اور وہ بھاگ نکلے۔

یہ واقعہ جن صحابہ سے مروی ہے ان میں حضرت ابوعبدالرحمٰن القمری ہیں جن سے امام احمد، دارمی، طیالسی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی نے نقل کیا ہے۔ ان میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان سے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ باقی بدر میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اس بارے میں بھی متعدد روایات ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس، حضرت حکیم بن حزام، اور نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہم سے ہے۔

آئمہ اہل مغازی مثلاً امام زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر وغیرہ نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مٹھی مٹی کی کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے بھر جائیں۔

فَمَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَحَدٌ اِلَّا اَصَابَ عَيْنَيْهِ وَمَنْخَرَيْهِ وَفِيْهِ تُرَابٌ مِّنْ تِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (دلائل النبوہ ۳=۷۸)

گویا آپ کی طرف سے پھینکی ہوئی مٹی کا ایک ایک ذرہ کثیر مٹی کی صورت اختیار کر گیا اور ہر کافر کی آنکھیں ناک اور منہ اس مٹی سے بھر گیا۔

ہاں وہ ہم ہی خاک کے ذرے تھے۔ ہم نے میدان کے مٹی کے ذرّوں کو آنکھ کا اشارہ کیا، جلدی کرو اور خوش نصیبوں میں شامل ہو جاؤ اور خود ہی سمجھ جاؤ ہم نے کیا کرنا ہے بس پھر کیا تھا۔ ان کے سارے ماحول میں اندھیرا چھا گیا۔ اندھے تو وہ تھے ہی کہ اتنی عظمتوں کا پیکر ان کے سامنے کھڑا ہے اور اس کی شان و منزلت مقام رفعت وعظمت نہ پہچان سکے۔ باقی کسر ہم نے پوری کر دی۔ ہماری پارٹی کے تمام ذروں نے اپنی اپنی ڈیوٹی سرانجام دینی شروع کر دی اور خوب کی کچھ نے کہا، تمہارے منہ میں خاک۔ یہ کہہ کر ان کے مٹی سے منہ بھر دیئے۔ کسی نے کہا تمہاری ناک خاک آلود ہو اور انہوں نے ان کی ناک مٹی سے بھر دی۔ کسی

نے کہا تمہاری آنکھوں میں مٹی اور انہوں نے واقعۃً آنکھیں مٹی سے بھر بھی دیں۔

جو بھی آیا ہدف پر وہ کب بچ سکا
چوکتا ہی نہ تھا کوئی نشانہ میرا
ناتوانی پہ میری جو ہیں خندہ زن
ان کو البم پرانا دکھانا میرا

پتھر کی غلامی

کسی کی غلامی میں اطاعت کرنے والے غلام کی حرکات سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ غلامی بادل نخواستہ ہو رہی ہے یا اطاعت و فرمانبرداری سے کہیں عقیدت و محبت کا بھی کوئی پہلو بھی شامل ہے۔ کہتے ہیں کہ محمود غزنوی کے غلام ایاز کی غلامی کی طرف دیکھ کر کئی سرداروں کو اپنی سرداریاں چھوڑ کر اس جیسی غلامی اختیار کرنے کی حسرت پیدا ہو گئی تھی۔

ایک قفس کی قید کی غلامی ہے اگر ایسے غلام کے لئے قفس کی تیلیاں سونے چاندی کی بھی بنا دی جائیں تو غلام کو سکون نہیں دے سکتیں اور اگر کوئی محبوب اپنے حسن وجہ، حسن تکلم، حسن نظر، حسن علم وفن، حسن طبع، حسن سیرت و کردار کے قفسوں میں سے کوئی قفس تیار کر کے بازار میں لے آئے تو کئی آزاد منش پنچھی، خود بخود ہی اس قفس میں قید ہوتے جائیں اور جب تک یہ قفس موجود رہے گا اس کے حسن کے تیندوے کی تاروں سے کوئی پنچھی آزاد ہونا گناہ سمجھے گا۔

ہم پتھر ہیں کوئی دل تو نہیں رکھتے۔ دل کی دھڑکنیں نہیں رکھتے بظاہر بے حس بے جان ہیں پتھر ہی پتھر، لیکن جب ایک شاہکار ربوبیت منزہ، مطہر، معطر، معنبر، روشنیوں کا منبع، پیکر اعجاز، زینت عرش بریں، خاتم حق کے نگیں، سرورِ دنیا و دیں، ہادی دین مبیں، نور حق، نور مبیں، مالک خلد بریں، پیشوائے انبیاء و مرسلین، زینت ارض وسموات حسیں، مظہر شان رب ذوالجلال سید خیر البشر، رونق شمس و قمر و سیارِ

سیارگان چرخ نیل گوں، سرور عالی مقام، سید خیر الانام، شمع بزم اولین و آخریں، زینت و رونق عرش بریں، راز دار اسرار کن فکاں، مالک کون و مکاں اور پیشوائے مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوری تابانیوں، جلوہ سامانیوں اور رفعت سامانیوں کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے تو ہم پیچھے کیسے رہ سکتے تھے۔ ہم نے بھی آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالا اور سرخرو ہو گئے۔ ہم نے اپنی طرف سے غلامی میں آپ کی محبت میں، آپ کے حکم کی اطاعت میں ذرّہ بھر کوتاہی نہیں کی۔

اگر ناپاک و پلید اور حرام جانور کتا، چند نیک بندوں کی غار کے دروازے پر رکھوالی کی سعادت حاصل کرنے پر ابدالآباد کی زندگی پا کر جنتی بن سکتا ہے تو یقین کیجئے ان شاء اللہ پیچھے ہم بھی نہیں رہیں گے۔ انشاء اللہ الکریم

آپ کے حکم کی اطاعت ہی غلام کا کام ہے۔ آیئے ہم آپ کو آپ ہی کے ایک ساتھی حضرت ایمن مخزومی رضی اللہ عنہ کی زبان سے ایک واقعہ سناتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں،

''میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بتایا یوم خندق میں ہم خندق کھود رہے تھے۔ ایک بڑا سخت جان پتھر سامنے آ گیا۔ ہم سب نے مل کر اس کو توڑنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر ہم نے حضور جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر عرض کیا، فرمایا میں آ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت شدت بھوک سے آپ نے اپنے پیٹ مبارک پر پتھر باندھ رکھا تھا کیونکہ ہم نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔

فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فِى الْكُدْيَةِ فَعَادَ كَثِيْبًا اَهْيَلَ (البخاری باب المغازی)

یعنی آپ نے کدال ہاتھ میں لی، اس پر ماری، تو وہ چٹان دو حصوں میں ٹوٹ پھوٹ کر علیحدہ ہوگئی۔

شاید اس پتھر کے نہ ٹوٹنے میں کوئی مسئلہ تھا کہ وہ اتنے لوگوں کی ضربوں سے بھی نہ ٹوٹا لیکن جب جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال ماری تو وہ دو ٹکڑے ہوگیا۔ شاید وہ آپ ہی کی ٹھوکر سے ٹوٹے ٹوٹے ہوکر زندگی پا جانا چاہتا ہو کہ آج تک اس کا نام احادیث مبارکہ میں زندہ ہے۔

دشت طلب میں تنہا نکلو، یا پھر اس کے ساتھ چلو
جس کی ٹھوکر راہ نکالے، راہ میں ٹھوکر کھائے کم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم ارشاد فرمایا، ایک ایسی چٹان درمیان میں آ گئی کہ اس کو توڑتے توڑتے ہماری کدالیں عاجز آ گئیں۔ آخر ہم نے آ کر آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ تو آپ خود تشریف لے آئے۔

فَاَخَذَ الْمُعَوَّلَ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَضَرَبَ ضَرْبَةً فَكَسَّرَ ثُلُثَ الْحَجَرِ

آپ نے کدال لی اور بسم اللہ کہا یعنی اللہ کا نام لے کر ایک بھرپور ضرب ماری تو اس کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَبْصِرُ قُصُوْرُهَا اَلْحَمْدُ مِنْ مَّكَانِيْ هٰذَا

مجھے ملک شام کی چابیاں عطا کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں یہاں کھڑے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی اور اس کا ایک اور تہائی حصہ ٹوٹ گیا تو فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسٍ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَبْصِرُ الْمَدَائِنَ وَاَبْصِرُ قَصْرَھَا الْاَبْیَضُ مِنْ مَّکَانِ ھٰذَا

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ مجھے ملک فارس کی چابیاں عطا فرما دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن شہر اور اس کے سفید محل یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر تیسری ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی ٹوٹ گئی تو فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَبْصِرُ اَبْوَابَ صَنْعَاءِ مِنْ مَّکَانِ ھٰذَا

مجھے یمن کی چابیاں عطا فرما دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم میں یہاں سے صنعاء کے دروازے ملاحظہ کر رہا ہوں۔

یہ پتھر کسی اور کے ہاتھ سے نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ اس پتھر کی شکست صرف اس پتھر کی شکست نہیں تھی یہ تو اس وقت کی سپر پاور ز ملکوں کی شکست تھی۔ اس کے شہروں کے ان کے محلات کے رنگ اُس چٹان نے اپنی ٹوٹ پھوٹ کی تہوں میں چھپا رکھے تھے۔ آپ کی محفل اقدس میں بیٹھنے والے بے نظیر و بے مثال لوگ ابھی اس مقام رفعت پر نہ پہنچ پائے تھے کہ چابیاں ان املاک کی ان کے ہاتھ میں دے دی جائیں۔ چابیاں تو مالک کے ہاتھ میں دی جاتی ہیں پھر مالک جس کو چاہے اپنے ہاتھ سے عطا فرمائے اور جب چاہے سے عطا فرمائے۔ یا ابھی وقت نہیں آیا تھا کہ یہ چابیاں ان کو عطا کی جاتیں بلکہ وہ چابیاں تو ان عظیم ہستیوں کے ریزہ خواروں کے ہاتھوں میں کچھ دیر بعد عطا ہونی تھی اس لئے یہ پتھر جہاں بہت سخت تھا وہاں وہ بہت دانشور اور سیانا بھی تھا کہ مالک نے جو چابیاں میرے دامن میں چھپا رکھی ہیں وہ مالک کے واحد نمائندے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ہی پیش کروں۔ سبحان اللہ

اس روایت کو امام احمد، نسائی نے کبریٰ میں اور بیہقی نے روایت کیا۔ حافظ نے فتح میں اسے حسن کہا ہے طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل نقل کیا ہے۔ بیہقی نے حضرت عمرو بن عوف اور نسائی نے طویل حدیث سند حسن سے ایک صحابی سے نقل کی۔ اس کا کچھ حصہ ابو داؤد نے بھی نقل کیا ہے۔ طبرانی نے کبیر نے حضرت عبداللہ بن عباس سے رجال صحیح سے روایت کیا۔ ماسوائے عبداللہ بن احمد بن حنبل اور نعیم العبدی کے یہ دونوں ثقہ ہیں۔

(مسند احمد ۴ = ۳۰۳)

جان ہر دو عالم حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی لاڈلے متبنی حضرت زید کے بیٹے حضرت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی ہے جس میں ایک بچے والی خاتون اور زداع کا واقعہ بھی ہے۔ اس حدیث مبارکہ کا آخری حصہ کچھ یوں ہے۔ حضرت اُسامہ فرماتے ہیں میں نے بارگاہ سید کائنات وارثِ ارض وسماء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم اس سفر ج میں میں نے کھجوروں کے باغات اور پتھروں کی چٹان دیکھی ہے۔ فرمایا: ان باغات کے پاس جاؤ اور ان سے کہو۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَاْمُرُ كُنَّ اَنْ تَدَائِيْنَ لِمَخْرِجِ رَسُوْلٍ وَّ قُلْ لِّلْحِجَارَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ

تمہیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم رفع حاجت کے لئے پردہ بنو اور اسی طرح پتھروں سے بھی کہو۔

فَوَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَقَدْ جَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَى النَّخْلَاتِ يَخُدُّذْنَ الْاَرْضَ خَدًّا حَتّٰى اجْتَمَعْنَ وَانْظُرُ اِلَى الْحِجَارَةِ

يَتَقَافَزْنَ حَتّٰى صِرْنَ رَجْمًا خَلْفَ النَّخْلاَتِ

اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا درخت اپنی اپنی جڑوں سے اکھڑ کر اکٹھے ہو گئے اور پتھروں نے جمع ہو کر درختوں کے ساتھ مل کر ایک دیوار بنالی۔

میں نے واپس آ کر عرض کیا میرے کریم آقا! حکم کی تعمیل ہو چکی تو فرمایا پانی کا برتن لے کر چلو۔ جب آپ نے رفع حاجت فرمالی تو فرمایا اے اسامہ! باغات اور پتھروں سے کہہ دو جاؤ اب اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ لہٰذا میں نے انہیں آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام دیدیا تو وہ اپنی اپنی جگہ لوٹ گئے۔

اِسے ابویعلیٰ، ابونعیم اور بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ ان تمام کی سند میں معاویہ بن یحیٰی الصدفی ہے جو ضعیف ہے اس کے باوجود حافظ نے مطالب میں فرمایا اس کی سند حسن ہے اور اس میں ایک ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام احمد کے ہاں طریق یعلی سے اس کا شاہد ہے۔ اس کے محقق نے امام بوصیری سے نقل کیا ہے۔ اسے ابویعلیٰ نے سند حسن سے روایت کیا ہے اور باب میں اس کے شواہد کا تذکرہ آ چکا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں باب میں اس حدیث کے شواہد آ چکے ہیں۔ اس کی مثل حضرت جابر اور حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہم سے بچے اور درختوں کے بارے میں روایت ہے۔ جس میں زراع کا اضافہ ہے۔ ہم کہتے ہیں اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں۔

ہم پتھر لوگ، حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ جب اتنے برگزید اللہ کے اور اس کے رسول کے بندے واقعات وشواہد کو قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں۔ ان کی زبان مبارک سے تو ویسے ہی کوئی لفظ نکلے تو وہ اظہر من الشّمس ہوتا ہے۔ اس کی صداقت مسلمہ ہے لیکن ان کا قسم کھانا بھی صحیح ہے۔ کئی ''کور چشم اور شپرہ چشم لوگ ان قسموں کے باوجود نہیں مانتے ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب

فرمائے۔

دوسری بات یہ حیرت افروز ہے کہ یہ سب حیرت افزا واقعات اور ایمان افروز واقعات صرف ان کو نظر آتے تھے جنہوں نے آپ کی رسالت کو، نبوت کو، صداقت کو، عظمت کو جان لیا، پہچان لیا اور پھر مان لیا لیکن جو ایمان کی نعمت سے محروم رہے۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی رہی اور وہ اس اندھے ہی کی طرح بدقسمت محرومِ نظارہ ہی رہے جس کو سارا بھرا ہوا بازار سازوسامان سے لدا ہوا بازار اور اللہ تعالیٰ کی سوہنی مخلوق سے بھرا ہوا بازار دکھایا گیا پھر اس سے پوچھا حافظ جی کچھ نظر آیا تو انہوں نے سات سیر کا سر نفی میں ہلا کر کہہ دیا جناب مجھے تو نہ بازار نظر آیا ہے نہ بازار کی رعنائیاں نظر آئی ہیں۔ ہائے محرومئ قسمت،

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (۱۱/۹۹)

کتنا بڑا عطیہ (محرومی) ہے جو انہیں دیا گیا اور پھر اس محرومی کے گہرے گڑھے غار میں جا گرے۔

بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (۱۱/۹۸)

کتنی بُری جگہ اور ٹھکانہ ان اندھوں، منافقوں، کافروں اور بے ایمانوں کا جہاں انہیں پہنچا دیا گیا۔

آنکھیں کھلی ہوں تو کئی طریقے ہیں یزداں سے بات کرنے کے۔

گناہِ منافقت و انکار پر گرفت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت کے باوجود انسان ذوق عبادت اور لطف زیارت سے محروم رہتا ہے۔ خدا کرے، بیقدرے اور ناشکرے لوگ گھاس کے تنکے سے بھی محروم ہو جائیں۔

جب پہاڑ غلامی کر رہے ہیں پتھر حکم مان رہے ہیں بادل اطاعت کر رہے ہیں مٹی حکم بجا لا رہی ہے بت سجدہ ریز ہو رہے ہیں۔ پانی قربان ہو رہا ہے کھانا اطاعت گزاری کا مظاہرہ کر رہا ہے تو اب حضرت انسان کیوں اندھا ہو رہا ہے۔

ابرہہ کے ہاتھی کا منہ خانہ کعبہ کی طرف کرتے تو ایک قدم آگے نہ اُٹھاتا اور اگر اس کا منہ یمن کی طرف کرتے تو دوڑ پڑتا جو کچھ ہاتھی دیکھ رہا تھا۔ اے کاش! وہ ابرہہ کو اور ہاتھیوں کے آنکنے والوں کو نظر آجاتا لیکن جب آنکھوں پر غرور کے جالے تعصب کی پٹیاں، ہوس اور خودستائی کے پڑوال پڑے ہوں۔ تو کچھ نظر نہیں آتا۔

دشمن رسول کو قبر کا قبول نہ کرنا

اے شرفِ انسانیت پانے والو، آپ لوگ تو شاید کہیں نہ کہیں مصلحت پسندی کا ثبوت دے دیتے ہوں گے۔ ہمیں کسی کی کیا کان ہے۔ دشمن رسول ہو، گستاخ ہو اور وہ ہمارے اڑے چڑھ جائے تو ہم اسے معاف کر دیں یہ ممکن ہی نہیں ہم خاک کے ذروں کو علم ہوا کہ ایک شخص کیا نام تھا کم بخت کا...... دفعہ کرو ایسوں کا نام بھی زبان پر لانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں علم ہوا کہ پہلے وہ حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات و نوامیس اور وحی وغیرہ لکھا کرتا تھا۔ بدقسمتی سے وہ دین سے پھر گیا اور کافروں اور مشرکوں سے جا ملا۔ وہ کہتا میں ان سے زیادہ علم والا ہوں کیا پدی کا اور کیا پدی کا شوربہ،

ذات دی کوہڑ کرلی تے چھتیراں نو جھپے

سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا جب یہ مرے گا تو اس کے ناپاک جسم کو مٹی قبول نہیں کرے گی۔ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو کرم فرمایا کہ مرنے کے بعد اس کی میت کو قبر کی مٹی قبول نہیں کرے گی اگر آپ صرف اشارہ فرما دیتے کہ زندگی میں بھی اس کو مٹی قبول نہ کرے گی تو پھر دنیا دیکھتی اس کا جینا اس کے مرنے سے زیادہ عبرتناک بنا دیا جاتا۔

آیئے جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس ناخلف و نامراد اور بدنصیب و بدسرشت کا واقعہ خود

سماعت فرمائیں۔

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ رِوَایَةٍ طَوِیْلَةٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً کَانَ یَکْتُبُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَارْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ، وَلَحِقَ بِالْمُشْرِکِیْنَ، وَقَالَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِمُحَمَّدٍ اِنْ کُنْتُ لَاَکْتُبُ مَا شِئْتُ فَمَاتَ ذٰلِکَ الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَرْضَ لَمْ تَقْبَلْہُ وَ قَالَ اَنَسٌ فَاَخْبَرَنِیْ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَّہٗ اَتَی الْاَرْضَ الَّتِیْ مَاتَ فِیْھَا فَوَجَدَہٗ مُنْبُوْذًا، فَقَالَ: مَا شَانُ ھٰذَا؟ فَقَالُوْا دَفَنَّاہُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْہُ الْاَرْضُ (رواہ مسلم واحمد والالفظ لہ والبیہقی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جو حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کتابت کیا کرتا تھا۔ وہ (بدقسمت) اسلام سے مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا کر مل گیا اور کہنے لگا، میں تم میں سب سے زیادہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاننے والا ہوں۔ میں ان کے لئے جو چاہتا تھا لکھتا تھا سو وہ شخص جب مر گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے زمین قبول نہیں کرے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ اس جگہ آئے جہاں وہ مرا ہوا تھا تو دیکھا اس کی لاش قبر سے باہر پڑی ہے۔ پوچھا اس کی لاش کا کیا مسئلہ ہے۔ لوگوں نے کہا ہم نے اسے کئی بار دفن کیا مگر زمین نے اس کو قبول نہیں کیا۔

ڈرو، خدا سے ڈرو، خوفِ کبریا سے ڈرو
نبی کے غصے میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو

مقام ابراہیم

آشنائے مقامِ عشق و محبت، جرعہ نوشِ چشمۂ عشق لازوال، حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائیت

معشوق تو تیرے دل کے اندر بیٹھا ہوا ہے اگر تیرے پاس آنکھ ہے تو میں تیرا مطلوب دکھا دوں۔

اس دانائے راز کا روئے سخن یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق، حضرت انسان ہی کی طرف ہو گا لیکن جب ان کی آواز، ہم خاک کے ذرّوں، سنگریزوں اور پتھروں تک پہنچی تو ہم نے بغور دیکھا تو واقعی محبوب تو ہر وقت آپ کے دلوں کی طرح، ہمارے دلوں میں بھی جلوہ گر ہے۔ ہم میں سے کسی نے اس راز کو آشکار کر دیا۔ کسی نے آنسو بہا لئے اور کسی نے آنسو پی لئے، کوئی لرزش میں آیا، کوئی تھر تھر کانپنے لگا، کسی کی کپکپاہٹ نے اوروں کو بھی تڑپا کر رکھ دیا۔

ہمارے قبیل کا، ایک ہمارا بھائی، ایک پتھر کا ٹکڑا، بڑا سجا سجایا سر اونچا کر کے عین صحن کعبہ میں آج بھی کھڑا ہے جو نعمت، اس کے حصے میں آئی ہے۔ وہ شاید کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ ہمارے اور آپ کے کریم آقاء نعمت، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے دادا جان ہیں۔ تاریخ میں ان کا بڑا نام ہے۔ وہ تھے بھی بہت ہی بڑے، مصاف عشق میں وہ بہت آگے نکل گئے خود ان کے رب نے تاریخ میں ان کے حوالہ سے ایک بات محفوظ کر لی ہے کہ

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

کہ اس کے رب نے جب بھی اس سے کہا، ابراہیم! سر کو جھکا دو، اس نے اسی وقت اپنے سر نیاز کو نیاز مند کائنات کے حضور جھکا دیا۔

حالات بتاتے ہیں کہ آپ نے زبانِ حال سے یہ اعلان کر دیا ہوگا۔

مصور دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو
ادھر حکم الٰہی ہو، ادھر گردن جھکائی ہو

ایک اور بات بھی صفحہ ہائے کتاب ازلی و ابدی میں ان کے تعارف سے یوں رقم کی گئی ہے

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ

ابراہیم کو جب بھی کسی بات کے حوالے سے آزمائش میں ڈالا وہ آزمائش پر پورا اترا۔

امتحان میں کامیابی کی سند اعزاز کسی سکول کالج یا یونیورسٹی کی طرف سے نہیں یہ سند ساری کائنات کے خالق خود رب ذوالکرم والاحسان نے عطا فرمائی ہے۔

وہ ابوالانبیاء بھی ہیں اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد بھی ہیں۔قرآن پاک کا کوئی پارہ ہوگا جس میں اس عظیم شخصیت کا تذکرہ نہ ہو۔

اگر آپ کے کاغذات کا دامن تنگ نہ ہوتا تو جس طرح آج ہم اپنے اس بزرگ کے ذکر سے سرشار ہیں۔ سارا دفتر بھر کر بھی جی نہ بھرتا۔ ان کے کس حسین پہلو کا تذکرہ کریں اور کس کو چھوڑیں۔

مقامِ ابراہیم کے حوالہ سے ہی بات شروع کرتے ہیں اور اسی حوالہ سے ہی بات کو ختم کرتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے جلوے ہر رنگ میں ہر جگہ اور ہر سمت جلوہ گر ہیں۔ اس کی ذات کو کسی ایک جگہ مقید نہیں کیا جا سکتا لیکن نہ جانے، مالک کی کیا حکمت تھی۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک مکان بنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس لق و دق صحرا میں انتظام و انصرام تعمیر کہاں میسر تھے۔ اس لئے مالک نے اس کا انتظام بھی خود ہی فرما دیا۔

جب حضرت ابراہیم نے مکان کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا تو اپنے لخت جگر نور

نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی اس کار خیر میں شامل فرما لیا۔ باپ اور بیٹا دونوں نفوس قدسیہ جب اس عظیم کام میں پوری تندھی سے سرشاریٔ تعمیلِ حکم سے مصروفِ عمل ہو گئے۔ اس مکان کے ایک کونے میں جنت سے آیا ہوا۔ ایک انتہائی خوبصورت دودھ کی سفیدی لئے پتھر جسے بعد میں حجر اسود کا نام دیا گیا۔ اسے نصب کر دیا گیا اور دیواریں کچھ اونچی ہونے لگیں تو تقاضاءِ بشری ہے اتنے بھاری اور بوجھل پتھر کو بغیر گو کے سامان کے استعمال کرنا ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور پتھر بھی جنت سے بھجوا دیا۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اونچا ہونے کی ضرورت ہو تو اونچا ہو جائے اور اگر نیچا ہونے کی ضرورت ہو تو نیچا ہو جائے وہ پتھر، بڑی محبت وعقیدت سے یہ ڈیوٹی سرانجام دیتا رہا۔

جب یہ کام سرانجام پا گیا گھر تعمیر ہو گیا تو اس کا نام بیت اللہ مشہور ہو گیا۔ یعنی اللہ کا گھر، غالباً اس سے پہلے بھی وہ اسی نام سے معروف ومشہور تھا۔ جب بیت اللہ تعمیر ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہو گا اجنبی پتھر اے بے جان پتھر، تجھے خبر ہے کہ تجھ پر کھڑے ہو کر کون میرے گھر کی تعمیر کر رہا ہے۔ گھر کی تعمیر کے بعد تجھ پر کھڑے ہو کر ہم سے کیا مانگ رہا ہے اور دیکھ اس نے کیا مانگ لیا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ ؕ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اے ہمارے ربّ! ان میں اپنا ایک برگزیدہ رسول انہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیات مبارکہ پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور دانائی کی باتیں سکھائے اور ان کو پاک صاف کر دے۔ بے شک تو غالب ہے اور حکیم ہے۔

اے پتھر! اس سے قبل بھی اس نے اور بھی دعائیں طلب کی ہیں ہر دعا اتنی

جامع ہے کہ اگر کوئی غیر نبی ہوتا تو ایسی جامع دعائیں کبھی نہ مانگ سکتا سُن!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا شہر بنا دے اور اس شہر میں رہنے والے شہریوں کو باسیوں کو پھلوں کے رزق سے مالا مال کر دے۔

ابراہیم نے ہماری ہر بات مانی ہے۔ اس کی ہر دعا ہم بھی مانیں گے۔ تجھے بھی ان کی خدمت کا موقع مل گیا۔ ان لمحات کو غنیمت جان لے اور ان کے قدموں کو چوم لے۔ یہ لمحہ قبولیت کا ہے۔ اس لمحے کو اپنے سینے میں محفوظ کر لے۔ اس لمحے ہمارے محبوب کی آمد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس وقت آپ کے تذکار جمیلہ سے روح کائنات معطر ہے۔

قدرت خداوندی دیکھئے، پتھر صورتِ حال کی نزاکت سمجھ گیا اور اپنے جسم سے پتھر پن کو دور کر دیا۔ موم کی طرح نرم و گداز ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کو اپنے سینہ میں جذب کر لیا محفوظ کر لیا۔

اے کاش! میرے ہاتھ میں کوئی بڑا حساس سا عدسہ ہوتا۔ اس پتھر کو اس عدسہ سے قریب تر ہو کر دیکھتا کہ اس پتھر نے جس شخص کے قدموں کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے اور اس جذب کا فیضان یہ ہے کہ لاکھوں اربوں کھربوں نکھوں اور پدموں انسانوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ میں دیکھوں تو اس کے دموں کی باریک لکیروں اور شریانوں کی کیا شان ہے۔ وہ کیسی لکیریں مالک نے اپنے خلیل کے قدموں میں رکھ دیں کہ پوری کائنات کے لئے سجدہ گاہ بنا یا گیا۔ میں سوچتا ہوں جس کے قدموں کے نشان اور لکیروں کی یہ شان ہے۔ ں کے ہاتھوں کی بناوٹ، اس کی لکیریں اور اس کی شریانیں کیسی ہوں گی۔

سبحان اللہ

میرے ہاتھوں میں آئے جو لوح و قلم
سب کی قسمت میں لکھ دوں میں شہر نبی
سب کے ہاتھوں کی ساری لکیروں کے رُخ
موڑ دینے کے جذبات لایا ہوں میں

یہ قدر دانوں کا محکمہ ہے، بے قدروں کا نہیں۔ ابراہیم ہو یا اسماعیل، ہاجرہ ہو، یا ان کے لیے بچھ بچھ جانے والی پہاڑیاں ان کے بیٹے کے قدموں کے لمس سے نکلنے والا چشمہ ہو یا وہ پتھر جس نے ابراہیم علیہ السلام کے قدم چومے، یہ سب مالک کی نظر میں تھے، نظر میں ہیں، نظر میں رہیں گے، ان کی قدر و منزلت کس طرح بڑھا دی، یہ کوئی ان دیکھی بات نہیں۔

اس مالک نے جس کی شان شکور ہے۔ یعنی قدردان، اس نے اس پتھر کی اس ادائے وارفتگی کی قدر و منزلت بڑھا دی اور ساری دنیا میں جتنے بھی ماننے والے ہیں۔ اپنی پارٹی کے لوگ ہیں۔ ان سب کے لئے حکم نافذ کر دیا لوگو!

واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّٰى

کہ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی اس جگہ کو جائے نماز بنا لو۔

اب حاجی عمرہ کرے، طواف کرے، یا حج کرے، اس کے لئے شرطِ عظیم ہے کہ طوافِ کعبہ کے بعد ستانے اور پانی وانی پینے سے پہلے اس مقام پر دو رکعت نماز نفل ادا کر کے نہ صرف اس کی عظمت کا اعتراف کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالائے۔

اے بندہ مومن دیکھ جس نے اللہ تعالیٰ کے نبی کے قدموں کے نشان اپنے سینے میں محفوظ کر لئے۔ اس ہمارے بھائی مقام ابراہیم کو کتنی شان و منزلت سے نوازا گیا ہے۔

جو تیری یاد میں گزرے وہی پل زندگی ٹھہرے
بظاہر ساری گھڑیاں سارے لمحے ایک جیسے ہیں
ملی جبریل کو بھی سرفرازی تیری نسبت سے
وگرنہ فرق کیا ہے سب فرشتے ایک جیسے ہیں

دانتوں کا محبت رسول میں اطاعت کرنا

آپ دانتوں کے ذکر سے حیران ہو رہے ہوں کہ پتھروں، کنکروں، سنگریزوں اور خاک کے ذرّوں میں دانتوں کا ذکر کہاں سے آ گیا۔ تو جناب مکرم! دانت ہیں تو اشرف المخلوقات کے لیکن یہ دانت بذاتِ خود ہیں تو بے جان اور پتھر ہی کی طرح سخت، اس لئے ہم ان کو بھی اپنے بے جان قبیل میں شامل کرکے، ان کا ایک حسین تذکرہ آپ کو سنائے دیتے ہیں۔ یہ بے جان ہڈیاں، پتھروں کی طرح سخت لیکن تعمیلِ حکم و اطاعت میں عشق و محبت سے سرشار کیسے باب رقم کرتے ہیں۔ پڑھئے ایمان تازہ کیجئے، سر دھنئے ذرا جذبات مچلنے لگیں تو مستی و بے خودی میں ذرا جھومئے بھی اور ہمیں بھی یاد رکھئے۔

حضرت حسن بن عبداللہ اس روایت کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

حَدَّثَنِی مَنْ سَمِعَ النَّابِغَةَ الْجَعْدِیَّ (وَاسْمُهٗ قَیْسُ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ، اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَاَنْشَدْتُّهٗ قَوْلِیْ ...... فَلَمَّا اَنْشَدْتُّهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا یَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ قَالَ: وَکَانَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ ثَغْرًا وَّکَانَ اِذَا سَقَطَتْ لَهٗ سِنٌّ نَبَتَتْ اُخْرٰی ۔

حضرت حسن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے اس نے بتایا جس نے حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ (ان کا پورا نام قیس

بن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہے اور انہیں صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف حاصل ہے) سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

اور آپ سرکار ابد قرار کو اپنا کلام سنایا پس جب میں نے آپ سرکار شانِ شایانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کی تو حضور سراپا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دانت سلامت رکھے (اور تم اسی طرح عمدہ کلام پڑھتے رہو) اور (اس دعا کے نتیجہ میں) وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت دانتوں والے تھے اور جب ان کا کوئی دانت گرتا تو اس جگہ دوسرا دانت نکل آتا تھا۔

ہم عرض کرتے ہیں ان سخت ہڈیوں کی سخت جانی نے کیسے جان لیا کہ حکم دینے والا دعا کرنے والا کون ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَكَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ

کی شان والے نے اپنے ثنا خوان کے لئے جو دعا مانگی ہے اس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے اور ہم میں سے ہر ایک دانت نے موصوف کے منہ کے اندر اپنے آپ کو زمانے کی خرد برد سے محفوظ رکھنا ہے اور اگر ہم میں سے کسی ایک پر خوردسالی اثر انداز ہو بھی جائے تو اس کی جگہ بڑھاپے میں دوسرا دانت فوراً آکر جڑھ پکڑ لے کہ مشیت خداوندی بھی یہی ہے۔ مشیت محبوب خدا بھی یہی ہے اور جو مشیت ان کی ہے وہی ہماری ہے۔

قیس بن عبداللہ نابغہ الجعدی کے وہ اشعار جنہیں سن کر سردار سرداراں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر دعا فرمائی تھی وہ اشعار یہ ہیں۔

وَلَا خَیۡرَ فِیۡ حِلۡمٍ اِذَا لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ
بَوَادِرُ تَحۡمِیۡ صَفۡوَهٗ اَنۡ یُّکَدَّرَا

اس حلم میں کوئی بھلائی نہیں جب تک کہ اس میں غصہ کی آمیزش نہ ہو، تا کہ وہ اپنے صاف تالاب کو گدلا ہونے سے بچا سکے۔

وَلَا خَیْرَ فِیْ جَھْلٍ اِذَا لَمْ یَکُنْ لَّہٗ
حِلْمٌ اِذَا مَا اَوْرَدَ الْاَمْرَ اَصْدَرَا

ایسی غصہ وغضب کی خصلت میں بھی کوئی بھلائی پوشیدہ نہیں۔ جب تک اس میں حلم نہ ہو جو اسے اس چیز سے نکال سکے جس میں وہ داخل ہوا ہے۔

جانِ کائنات وروح ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں شعر بہت پسند آئے اور اسے اس دعا سے نوازا۔

لَا یُفْضِضُ اللّٰہُ فَاکَ

اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔

چنانچہ وصال کے وقت ان کا کوئی دانت گرا ہوا نہ تھا۔ ان کے بارے میں مختلف اقوال مشہور ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر ایک سو چالیس سال تھی۔ ایک روایت میں دو سو اسی سال بتائی گئی ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

اگر ان کی عمر چار سو سال بھی ہو جاتی تو چہرے کی ساخت ان کی آنکھیں اُن کی اُن کی سماعت اُن کی قوت شامہ اور دانت اسی طرح سلامت رہتے۔

چاندی کی بھری بوریاں

دولت دنیا، سیم و زر، سونا چاندی مالک کی نعمت بھی ہے، اور فتنہ و آزمائش بھی۔ ہماری حیثیت ایک کارکن کی ہے۔ مالک ہمیں جیسا اشارہ فرما دے ہم ویسا کر گزرتے ہیں اگر ہمیں رحمت بن کر کسی کے گھر میں داخل ہونے کا حکم ہو جائے تو ہم صاحب خانہ کی عزت وتوقیر بنتے ہیں۔ اس کو سخاوت کرنے کی خُو بخش کر سخیوں میں شامل کرتے ہیں۔ صدقہ وخیرات، زکوٰۃ وحج کی سعادت نصیب کراتے ہیں اور اگر ہم سیم و زر کی صورت فتنہ وفساد بن کر آئیں تو ظاہری شان وشوکت

ہوتے ہوئے بھی ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کمینہ پن پیدا کر دیتے ہیں۔ تکبر و غرور اور نخوت کی بو کی سڑاند سے اسے خر دماغ بنا دیتے ہیں۔

ہمارے کریم و رحیم مالک کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہمارے بھی رسول ہیں۔ ان پر ایمان، ان سے محبت اور ان کی اطاعت ہمارے ایمان کی جان ہے۔ آپ نے ایک دفعہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی۔ مالک! ان کے ہر سودے میں برکت عطا فرما۔ پھر اس کے بعد آپ نے جو سودا بھی فرمایا اس میں کبھی خسارا نہیں ہوا۔

حضرت ابونعیم روایت کرتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مقداد کے لئے بھی دعاءِ خیر و برکت عطا فرمائی۔ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت ضباعہ بنت زہیر فرماتی ہیں کہ مقداد ایک دن قضاء حاجت کے لئے باہر جنگل میں تشریف لے گئے اسی اثناء میں بیٹھے تھے کہ ایک چوہا بل سے نکلا۔ اس کے منہ میں ایک اشرفی تھی۔ وہ اشرفی لا کر حضرت مقداد کے سامنے رکھ دی۔ وہ پھر بل میں گیا اور منہ میں ایک اور اشرفی لایا اور آپ کے سامنے رکھی۔ اسی طرح چوہا بل میں جاتا رہا اور ایک ایک اشرفی اٹھا کر لاتا رہا اور آپ کی نذر کرتا رہا۔ یہاں تک یہ سترہ اشرفیاں ہو گئیں۔ حضرت مقداد نے یہ سارا واقعہ من اللہ عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سنایا آپ نے فرمایا تم نے پھر بل میں ہاتھ تو نہیں ڈالا۔ حضرت مقداد نے عرض کیا۔ اس ذات والا صفات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ میں نے ہرگز ہرگز اس کے بل میں ہاتھ نہیں ڈالا تو آپ نے فرمایا پھر یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے وہ دینار ہمارے پاس باقی رہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے چاندی کی بوریاں بھری ہوئی میں نے

اپنے گھر میں دیکھی ہیں۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پوچھنا کہ تم نے اس کے بل میں ہاتھ تو نہیں ڈالا تھا۔ یہ سوال یقیناً اس لئے کیا ہوگا کہ اپنے صحابی کی میں نے دنیا سے بے رغبتی کی تربیت کی ہے۔ اشرفیاں دیکھ کر کہیں اس کے دل میں ہوس سیم وزر تو پیدا نہیں ہوگئی اگر انہوں نے ہاتھ ڈالا ہوتا تو شاید چند اشرفیاں اور مل جاتیں لیکن خیر وبرکت ختم ہو جاتی۔

خیر وبرکت کی جنس بھی تو ہماری ہی پارٹی کی رکن ہے۔ حزب اللہ میں شامل ہے۔ پارٹی کا رکن اگر سربراہ کے اشارے کو بھی نہ سمجھ سکے۔ تو تف ہے۔ افسوس ہے۔ اس کے رکن ہونے پر لیکن واللہ ہماری پارٹی کا ہر رکن اپنے مالک کے اشاروں پر حکم کی تعمیل میں پورا اتر کر رقص کرتا ہے۔ مست ہو جاتا ہے کہ شکر ہے حکم کی تعمیل ہوئی ہے کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔ ہم نے سنا ہے یہ کوتاہی نہیں بلکہ کوتاہیاں حضرت ا؛ ن سے اکثر سرزد ہوتی رہتی ہے۔ خیر وہ جانے اور اس کے مالک کا کام ہم کون ہوتے ہیں ٹانگ اڑانے والے، یا دخل در معقولات دینے والے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں۔

بر در تو آنکہ نہ ساید جبیں
نَاصِيَةٌ كَاذِبَةٌ خَاطِئَةٌ

جو جبیں تیرے آستانے پر نہیں جھکتی وہ جبیں کاذبہ ہے جھوٹی ہے خاطعہً ہے یعنی گنہگار ہے۔

قبر انور کی مٹی

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا کی ہر زندہ چیز کی زندگی، اسی کی مرہون منت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء ۳۰\۲۱)

اللہ تعالیٰ نے پانی کو بہت سی صفات سے نوازا ہے۔ وہ اپنی سطح ہر حال میں ہموار رکھتا ہے یعنی وہ اپنے خاندان میں اونچ نیچ کا قائل نہیں۔ وہ ہمیشہ نیچے کی طرف بہتا ہے یعنی نیچوں کو نوازتا ہے وہ ہر ناپاک کو پاک کرتا ہے وہ زمین سے بہت بڑا ہونے کے باوجود تکبر و غرور نہیں کرتا بلکہ چھوٹے چھوٹے حقیر تنکوں کو بھی اپنے سر پہ اٹھائے رکھتا ہے۔ وہ مردہ زمین پر ترس کھا کر اسے ازسرنو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے پھر زمین کے بطن اور پیٹ سے ہزار ہا قسم کی نباتات کو جنم دینے میں مدد کرتا ہے۔

قدرتِ خداوندی نے مجھ زمین کو بھی بے حد و بے شمار نعمتوں اور خوبیوں سے نوازا ہوا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور بچھونا بنایا۔ نرم و گداز ایسا کہ چلتے چلتے کو تھکنے نہ پائے اور چلنے والے کے پاؤں اکڑ کر دکھنے نہ لگیں اور سخت ایسی کہ میرے سینے کے راز اور خزانوں تک پہنچنے کے لئے کدال سے لے کر بھاری سے بھاری مشینری استعمال کرنی پڑے۔

یہ ساری باتیں جملہ معترضہ ہیں۔ ہماری پتلیوں کی ڈور، مالک کے ہاتھ میں ہے۔ پانی اگر حیات ہے تو یہی پانی تباہی بربادی کا سبب بھی ہے۔ اسی طرح، میں زمین بھی اسی مالک کے حکم کی پابند ہوں حکم نہ ہو تو ساری اشرف المخلوقات کی برادری مجھے اپنے پاؤں تلے روندتی پھرے میں کچھ نہیں کہتی اور حکم ہو تو قارون کو خزانوں سمیت اپنے اندر دھنسا لوں۔

مالک نے ہمیں ایک شعور یہ بھی بخشا ہے کہ ساری اشرف المخلوقات برادری میں سے جو سب سے چنی ہوئی اس کی شخصیات ہیں وہ زندگی گزار کر اپنے فرائض منصبی سے فراغت کے بعد جب ہمارے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ تو ہم کو سمجھا دیا

گیا ہوا ہے کہ ان کے مقدس جسموں کو کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ وہ ہزاروں سال بھی ہمارے مہمان رہیں۔ ہمارے ہاں کا ہر ذرّہ اس حکم کا پابند ہے۔ شہادت کے طور پر جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات پیش کرتے ہیں۔

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃَ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ، وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ نَفْخَۃٌ وَّ فِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلَاۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، کَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادُ الْاَنْبِیَاءِ،

(رواہ ابو داؤد، و النسائی و ابن ماجہ)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہارے دنوں میں سے سب سے بہتر دن جمعۃ المبارک ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن انہوں نے وفات پائی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سخت آواز ظاہر ہو گی لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود شریف بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ، ہمارا درود آپ کے وصال کے بعد آپ کو کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کا جسد مبارک خاک میں مل چکا ہو گا تو آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو (کھانا یا کسی قسم کا نقصان پہنچانا) حرام کر دیا ہے۔

ایک اور شہادت بزبان صادق الوعد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سماعت فرمایئے۔ اس کے روایت کرنے والے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوْا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَبَعْدَ الْمَوْتِ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ (رواہ ابن ماجہ باسناد صحیح)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود (یعنی میری بارگاہ میں فرشتوں کی خصوصی حاضری کا دن) ہے۔ اس دن فرشتے (خصوصی طور پر کثرت سے میری بارگاہ میں) حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص جب بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ اس کے فارغ ہونے تک اس کا درود مجھے پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا اور (یا رسول اللہ) آپ کے وصال کے بعد (کیا ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں وصال کے بعد بھی (اسی طرح پیش کیا جائے گا کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

کبھی کبھی راز سے پردہ اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ پردہ اٹھانے والے ہی موقع و محل کو سمجھتے ہیں کہ کوئی راز کب افشاء کرنا ہے۔ ہمارے خالق و مالک نے تو یہ حکم

حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے پر ہی دے دیا تھا اور خاموشی سے، نظم کائنات کے ساتھ ساتھ یہ عمل جاری تھا کہ جو بھی برگزیدہ شخصیت ہمارے ہاں تشریف لائے گی۔ اس کی حفاظت حتیٰ کہ اس کے لباس کفن وغیرہ کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ جب اصل کائنات و جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا ان کے ذہن میں تو وہی پرانی فکر سمائی ہوئی تھی کہ جو مٹی میں دفن ہوا، وہ مٹی ہو گیا۔ ہر چہ در کانِ نمک رفت، نمک شد، یعنی ہر وہ چیز جو نمک کی کان میں گئی تو وہ بھی نمک ہوگئی۔ دور جہالت میں تو ان کے ہاں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا کوئی تصور ہی نہ تھا وہ تو حیرت زدہ ہو گئے تھے کیا مرنے کے بعد بھی کوئی زندہ ہوسکتا ہے۔

ایک بدبخت کو کسی مردہ کی پنڈلی کی ہڈی کہیں سے مل گئی وہ اسے خانہ کعبہ میں لے آیا اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے تمسخر اڑاتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھو لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتا ہے کہ یہ ہڈی پھر زندہ ہو جائے گی۔ بھلا یہ بھی کوئی ممکن بات ہے۔

جن لوگوں کی پستی کا یہ عالم ہو کہ وہ اتنی بات بھی نہ سمجھ سکتے ہوں کہ جو خالق کسی کو تخلیق کرنے پر قادر ہے جبکہ پہلے اس کا کوئی منصوبہ ہے، نہ نمونہ ہے نہ نقشہ ہے اور وہ چیز تخلیق ہو گئی اور اپنے وقت مقررہ کے بعد فنا کے پردہ میں داخل ہوتی ہے تو کیا وہ اس کو از سر نو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔

جو لوگ ذہنی طور پر اتنا بھی قبول کرنے پر تیار نہ ہوں۔ ان کو اگر یہ بتایا جائے کہ بعض نفوسِ قدسیہ ایسی بھی ہیں جو کل نفس ذائقۃ الموت کا مزہ تو چکھتے ہیں لیکن فنا بالکل نہیں ہوتے تو شاید ان کے دماغ ویسے ہی گھاس چرنے چلے جاتے البتہ جب انسان ذہنی ترقی کی اس معراج پر پہنچ گیا کہ اللہ کے پیارے نبی، الصادق والامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ فرما گئے ہیں۔ وہ روز روشن کی تابانیوں

سے بھی زیادہ متحقق ہے تو اس وقت فرمایا لوگو! ہر مرنے والا انسان ایک جیسا نہیں جس طرح ہر زندہ انسان ایک جیسا نہیں ایسے ہی وصال کے بعد بھی ہر انسان سے ایک جیسا سلوک نہیں ہوتا بلکہ

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ

کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا ہے۔ اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو بہت حد تک مختار بنایا ہوا ہے جب اس کے سامنے حلال اور حرام کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہوتا ہے لیکن انسان اور جن کے علاوہ باقی جو مخلوق بھی ہے۔ اس کے پاس یہ اختیار نہیں اسے جو حکم مل گیا بس مل گیا وہ اس پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔

آپ ہماری فرحت و مسرت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جب خالق و مالک نے ہم خاک کے ذرّوں کو اجساد انبیاء کرام کی حفاظت کا حکم دیا تو ہم اپنے مقدر پر ناز کرنے لگے ہمیں ان کی خدمت کا اور حفاظت کا شرف بھی ملا اور ان کا ادب اور احترام کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ ہم نے تو اس حکم کو اپنے گلے کا یوں تعویذ بنا لیا جیسے حسن محبوب کو کوئی اپنے گلے کا تعویذ بنا لے۔

چھلک چھلک گئیں آنکھیں یہ سوچ کر اکثر
کہ ہمارے رب کی ہیں ہم پر عنایتیں کیا کیا

آپ تجربہ کر لیں۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سر بستہ راز سے پردہ اٹھا ہے۔ اب یہ پردہ، پردہ نہیں رہا اگر کسی کو یقین نہ آئے تو انبیاء کرام کا مقامِ رفیع تو خیر بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ کسی بھی نبی اور خصوصاً جان ہر دو عالم صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچاننے والا، جاننے والا اور پھر ان کو ماننے والا ہماری پارٹی کا بندہ، جہاں کہیں بھی آرام فرما ہے ہم تو اس کا بھی احترام کرتے ہیں ادب کرتے ہیں اور اس کے جسم کی، لباس کی اور ہر چیز کی حفاظت کرتے ہیں۔

بے نوا نواں نوں نوا بخشی میری سرکار نے
گونگیاں نوں جیبھ بخشی تے صدا نواں بخشیاں

یہ تو بات تھی تمام انبیاء کرام کی۔ تو وہ ذات جس کے تصدق میں انبیاء کرام کو یہ مقام و مرتبہ بلند عطا ہوا اور جس سے بلاواسطہ یہ سوال پوچھا گیا جس نے یہ سربستہ راز افشاء فرمایا۔ اس کی اپنی ذات کی کیفیت کیا ہوگی۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اس لئے انہیں زیب دیتا ہے کہ وہ ارشاد فرمائیں۔

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰئِكَةُ

کہ مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو خصوصاً جمعتہ المبارک کے روز کہ اس روز خصوصاً ملائکہ کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ وہ میرے حضور اس درود پاک کو پیش کرتے ہیں۔

ہم آپ کے ایمان کی تازگی کے لئے ایک دو اور شواہد اور احادیث مبارکہ پیش کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْاَلُنِيْ عَنْ مَسْرَايَ فَسَاَلَتْنِيْ عَنْ اَشْيَآءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا يَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ بِهٖ وَقَدْ رَاَيْتُنِيْ فِيْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ فَاِذَا مُوْسٰى قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فَاِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْئَةَ وَاِذَا عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ اَقْرَبُ

النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيُّ وَاِذَا اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامَ قَائِمٌ يُّصَلِّي اَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهُ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَاَمَمْتُهُمْ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ لِيْ قَائِلٌ يَّا مُحَمَّدُ هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَبَدَاَنِيْ بِالسَّلَامِ (رواہ مسلم والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خود کو حطیم کعبہ میں پایا اور قریش مجھ سے سفر معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں۔ جنہیں میں نے (یادداشت میں) محفوظ نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ وہ مجھ سے بیت المقدس کے متعلق جو بھی چیز پوچھتے میں (اسے دیکھ دیکھ کر) انہیں بتا دیتا اور میں نے خود کو گروہ انبیاء علیہم السلام میں پایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے مصروف صلوٰۃ ہیں اور وہ قبیلہ شنوء ہ کے لوگوں کی طرح گھنگھریالے بالوں والے تھے اور پھر (دیکھا کہ) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کھڑے مصروف صلوٰۃ ہیں۔ اور عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے بہت مشابہ تھے اور پھر دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے مصروف صلوٰۃ ہیں اور تمہارے آقا (یعنی خود حضور سراپا نور وسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرائی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے ایک کہنے والے نے

کہا، یہ مالک ہیں جو جہنم کے داروغہ ہیں۔ انہیں سلام کیجئے پس میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھ سے پہلے مجھے سلام کیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے ایک اور حدیث مبارکہ بھی مطالعہ میں رکھ لیں پھر ہم اپنی معروضات پیش کرنے کا شرف حاصل کریں گے۔ انشاء اللہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَيْتُ وَفِىْ رِوَايَةِ هَدَّابٍ مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِىْ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّىْ فِىْ قَبْرِهٖ

(رواہ مسلم والنسائی واحمد)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں معراج کی شب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا (اور ہداب کی ایک روایت میں ہے) کہ فرمایا کہ سرخ ٹیلے کے پاس سے میرا گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے مصروفِ صلوٰۃ تھے۔

اسی موضوع سے متعلق ایک مختصر فرمانِ جانِ کائنات ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ

(رواہ ابویعلی درجالہ ثقات)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

ماننے والوں کے لئے تو اشارہ ابرو ہی کافی ہوتا ہے اور اگر دنیا کے سب سے

سچے اور صادق امین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس واصدق سے اتنے فرامین سامنے آ جائیں تو شک وریب کے عنکبوت کے جالے ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ انبیاء کرام کے وصال فرما ہونے کے بعد ہزاروں اور سینکڑوں سال تک اپنی قبروں میں زندہ ہونا اور اپنی اپنی قبروں میں کھڑے ہو کر مصروف صلوٰۃ ہونا جہاں ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ وہاں ہم خاک کے ذرّوں کا بھی حصہ ہے۔ انبیاء کرام ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے فوراً انہیں پہچان لیا۔ یہی وہ عظیم ترین لوگ ہیں جن کے اجساد واجسام کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ انہیں جان کر، پہچان کر انہیں مانا اور ان کے اجسام کی حفاظت کی۔ الحمد للہ

اسی طرح سرورِ جانِ حزیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی قبر انور کی حفاظت کی شہادت تفصیل سے تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ ایک شہادت دیکھئے۔

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا کَانَ اَیَّامُ الْحَرَّۃِ لَمْ یُؤَذَّنْ فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا وَّلَمْ یُقَمْ وَلَمْ یَبْرَحْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَکَانَ لَا یَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوۃِ اِلَّا بِھَمْھَمَۃٍ یَّسْمَعُھَا مِنْ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ مَعْنَاہُ

(رواہ الدارمی و انفرد بہ)

حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ایامِ حرّہ (جن دنوں یزید نے مدینہ منورہ پر حملہ کروایا تھا) کا واقعہ پیش آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد شریف میں تین دن تک اذان اور اقامت نہیں کہی گئی اور حضرت سعید ابن میبّب رضی اللہ عنہ (جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں) انہوں نے ان حالات میں مسجد نبوی شریف میں پناہ لی ہوئی تھی اور) انہوں نے (تین دن تک) مسجد نہیں

چھوڑی تھی اور وہ نماز کا وقت نہیں جانتے تھے مگر ایک دھیمی سی آواز کے ذریعے جو وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور سے سنتے تھے۔

یزید کے مدینہ منورہ پر حملہ کے وقت تین دن تک مسجد نبوی شریف میں نہ نماز ہوئی۔ نہ اذان، نہ اقامت، حضرت سعید ابن مسیّب رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے جلیل القدر تابعی ہیں نے مسجد نبوی شریف کے اس حجرہ مبارکہ میں پناہ لی۔ جہاں جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں۔ اس حجرے میں بند ہونے کی وجہ سے اوقات نماز کا پتہ نہیں چلتا تھا اور مسجد شریف میں نہ اذان ہوتی تھی نہ اقامت، حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کو اوقات نماز کی خبر نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف تھی۔ ایسے میں انہیں جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبور مبارکہ سے اذان واقامت کی ہلکی آواز آتی جس سے وہ مطلع ہو جاتے اور تین دن تک ایسے ہی نماز ادا فرماتے رہے۔

یہ شہادت جہاں بے شمار دیگر مسائل پر روشنی ڈالتی ہے اور کئی ایک عقدے کھولتی ہے وہاں قبر انور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مٹی کے ذرّے خدمت ہائے نبی رحمت اور اصحاب رسول سے ذرّہ بھر غافل نہ ہونا بھی ثابت کرتا ہے۔ ہمیں خبر ہے کہ خاک کے ذرّوں کی عظمت، رفعت، بلند مرتبت اور رفیع الشانی بلکہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ، انہی کے قدوم مبارک کی وجہ سے زندہ ہے۔

نبی کا جس جگہ پر آستاں ہے
زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

نور الدین زنگی اور قبر مصطفیٰ کے ذرّے

کسی نے پوچھا تھا کہ عشق حقیقی اور عشق مجازی میں کیا فرق ہے تو جواب یہ ملا

کہ جس عشق میں رقیب برا لگے، اس سے نفرت ہو اس کے ذکر سے آگ لگ جائے۔ وہ عشق مجازی ہوتا ہے اور جس عشق میں رقیب محبوب ہی کی طرح اچھا لگے۔ اس سے ملنے کو جی چاہے اور وہ رگِ جاں سے بھی قریب تر بسایا جائے وہ عشق، عشق حقیقی ہوتا ہے۔

نور الدین زنگی ہم خاک کے ذرّوں کا رقیب ہے۔ رقیب بھی ایسا کہ اس کا نام آ جائے تو محفل جاں مہک مہک جائے۔ اس لئے کہ ہمارا اور اس کا محبوب ایک ہے۔ وہ ہم سے اور ہم اس سے جلتے نہیں جس طرح رقیب آپس میں جلتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ذکر سے مچل مچل جاتے ہیں۔

یہ چھٹی صدی ہجری کا واقعہ ہے۔ ۲۱ شوال المکرّم ۵۱۱ ہجری کو پیدا ہونے والا بچہ مستقبل میں شام، مصر اور جزیرہ اسلامی مملکت کا والی بنا پھر مصر، موصل، عراق، شام اور یمن میں اس کے نام کے خطبے پڑھے جانے لگے۔ عیسائیوں کی جانب سے اسلام کے خلاف چلنے والی جنگی تحاریک جن کو صلیبی فتوحات کا نام دیا جاتا ہے، وہ اسی نے ختم کیں۔ عیسائیوں کو کونوں کھدروں میں دھکیلنا اسی کا کارنامہ ہے۔ وہ ہمیشہ صفِ اوّل میں بہادروں کی طرح شامل ہوتا اور مجاہدین اسلام کے حوصلے بڑھاتا وہ اکثر کہا کرتا، مجھ سے پہلے اور میرے بعد ملک و ملت اسلامیہ کی محافظ ایک اور ذات ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ہوا یوں کہ ان کی پرخلوص زندگی کا پرخلوص جہاد کا، پرخلوص محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صلہ ملنے کا وقت آ گیا یوں تو کرم نواز کی مرضی پر منحصر ہے۔ کسی کی ساری زندگی کی ریاضتیں بیکار جاتی ہیں اور کسی کا ایک قطرہ اشک گرنے سے پہلے صاحب قطرۂ اشک کو رفعتوں کی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔

تو راجا ایں یا کمیں ایں ناں لیندا رہو سرکار دا
کرم فرماندیاں اونہاں کدے وی ذات نہیں پچھی

کرم نواز، ذات صفات نہ دیکھنے والے کریم آقا کے ان کے حال پر رحم فرما کر ایک ایسا فریضہ ان کے ذمے سونپ دیا جو انہیں زندہ جاوید بنا گیا۔ فلک کے ستارے، اس کے مقدر پر جھک جھک سلام کرتے ہیں۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کے دوران ایک گھناؤنی سازش تیار کی۔ دو آدمیوں کو تیار کیا۔ وہ مسلمانوں والا بھیس بنا کر تقویٰ و پرہیز گاری کا لبادہ اوڑھ کر، رہنماؤں کی چھینی ہوئی قبائیں پہن کر، مدینہ منورہ کا رخ کریں۔ وہاں اپنی نیکی و پارسائی اور سخاوت کے ڈنکے بجائیں۔ شکوک وشبہات پیدا کرنے والے ہر سطح کے حربے چور مور کر دیں۔ روضہ انور کے قریب کسی جگہ کا انتخاب کریں اور سرنگ یعنی زمین دوز راستہ چوری چوری بنائیں اور قبر مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کا جسد مبارک چوری کریں اور کسی عیسائی ملک میں منتقل کر دیں اس کے بعد مسلمانوں کو زک کرنے، ذلیل کرنے اور رسوا کرنے کا بہانہ بھی ہمارے ہاتھ آ جائے گا اور ہم کہہ سکیں گے کہ جس صاحب قبر کا تم اتنا احترام کرتے ہو وہ تو یہاں ہے ہی نہیں۔ وہ تو مر مٹی میں مل گیا۔ نعوذ باللہ، اس قسم کی باتیں انہیں شکست فاش دینے کے لئے کافی ہوں گی۔

یہ دشمن انسانیت، انسانیت کے لبادہ میں پلید ترین دو جانور، مدینہ منورہ پہنچ گئے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنے کام میں لگ گئے۔ سارا دن عبادت و ریاضت اور سخاوت میں گزارتے اور رات کو اس گھناؤنی سازش پر عمل کرتے۔

ہم خاک کے ذرّے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قربت شفقت سے بچھڑنے لگے۔ ہمیں راتوں رات روضہ انور کے قرب سے محروم کر کے رات ہی رات میں دور پھینکا جانے لگا۔ ہماری تو چیخیں نکل گئیں جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا ہمارے کرب، ہماری بے بسی اور بے چارگی میں اضافہ ہونے لگا۔ بظاہر

کوئی فریاد سننے والا نظر نہ آتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہتے ہیں کہ

اشک سچے ہوں تو کبھی ضائع نہیں جاتے
میری پلکوں سے گرے ان کے قدم تک پہنچے

ہماری فریاد خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لی کہ سرکار ہمیں اپنے سے دور ہونے سے بچا لیں کہ بعض اوقات، دوریاں، بہت دور لے جاتی ہیں اور آپ سے دوری تو خسر الدنیا والاخرۃ سے تعبیر ہوتی ہے۔

جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شیطانوں اور ناپاک ترین انسان نما جانوروں کو واصل جہنم کرنے کے لئے وقت کے نیک ترین بادشاہ کا انتخاب فرمایا اور وہ نیک بخت نور الدین زنگی تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

نور الدین زنگی شب بھر یاد محبوب میں مصروف رہتے تھے۔ دن میدان جہاد میں گھوڑے کی زین پر گزرتا اور رات

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (۳۲\۱۶)

کی صفات کے حامل لوگوں میں شامل ہو کر بستر خواب کو ترساتے رہتے یعنی ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید (کی ملی جلی کیفیت) میں پکارتے رہتے ہیں۔

جب عبادت و ریاضت سے فراغت کے بعد سنت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرنے کے لئے تھوڑی دیر کو بستر پر دراز ہوئے تو جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بخت کے دروازے کی کنڈی آ کھڑکائی۔

وہ تشریف لائیں یہ ان کا کرم ہے
یہ گھر ہے کہاں اُن کے آنے کے قابل

فرمایا نور الدین، دیکھ پورے کا پورا دین اور اس کا نور۔ تیرے سوئے بھاگ جگانے آ گیا ہے۔ اٹھ دیکھ! یہ دو فرنگی کتے، مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ نور الدین ہڑ

بڑا کر اٹھا ایک طرف خوشیوں کے ریلے کی آمد، دوسری طرف فرنگی کتوں کی شکلیں۔
وہ کتوں کو بھول جانا چاہتا تھا اور خوشیوں کے ریلے میں پھر ڈوب جانا چاہتا تھا۔
آنکھیں بند کیں، سرور و کیف کا ایک اور ریلا آیا لیکن وہ کتوں کی ناپاک شکلیں بھی سامنے تھیں۔ وہ ساری کائنات کے حسن کے گھر میں آ جانے کے نشے میں پھر مست ہو کر یاد محبوب کے گلے میں باہیں ڈال کر پھر سو گیا لیکن چوداں طبق کے والی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نور الدین یہ سونے کا وقت نہیں، جاگنے کا وقت ہے۔ جاگ! اور اپنی قسمت جگا لے ان دو فرنگی کتوں کا انتظام کر پھر دیکھ حسن سارے کا سارا، تیرے ذہن وفکر کی جھولی بھر دے گا۔

نور الدین زنگی نے جھرجھری لی، اٹھا خواب پر غور کیا اور ہر ہر پہلو پر غور کیا لیکن بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی یہ خواب کیسا ہے اس کی تعبیر کیا ہے۔

خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے مشیر مخلص اور زیرک ہوتے ہیں۔
جمال الدین موصلی ایک مخلص، زیرک، معاملہ فہم اور دوررس نگاہ کا مالک تھا۔ اس نے کہا بادشاہ معظم، یہ سوچنے کا وقت نہیں۔ مدینہ منورہ یا اس کے قرب و جوار میں کوئی آفت ٹوٹنے والی ہے تو خوش نصیب ہے کہ اس آفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیرا انتخاب ہوا ہے۔ جلدی کر خزانے سے جھولیاں بھر لے شاید وہاں کام آئیں۔
اک چاک و چوبند دستہ ساتھ لے اور فوراً تیار ہو جا اور ابھی مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جا۔ فوج کے لئے اہم پیغام چھوڑ کہ اگر ہنگامی ضرورت پڑے تو فوج فوراً وہاں پہنچے۔

نور الدین زنگی نے جمال الدین موصلی کے مشورے کو صائب سمجھا۔ ضروری ہدایات دیں۔ بیس سواروں کا دستہ ساتھ لیا۔ کثیر سامان زر و جواہر ساتھ رکھ لئے اور بائیس چھبیس دن کا راستہ صرف سولہ دن میں طے کیا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔
لوگ اچانک بادشاہِ وقت کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ جمال الدین موصلی نے

اعلان کر دیا کہ بادشاہ وقت یوں تو حاضری کے لئے حاضر ہوئے ہیں البتہ شہر مدینہ میں رہنے والے خوش نصیبوں میں زر و جواہر اور دیگر قیمتی تحائف پیش کرنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کا کوئی باشندہ غیر حاضر نہ ہو کہ ہم اس کی خدمت اور ضیافت سے محروم رہ جائیں۔ ساتھ ہی خفیہ طور پر سارے مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا کہ کوئی باشندہ شہر سے باہر نہ جائے۔

وقت مقررہ پر سب لوگ پہنچ گئے، خیرات بٹنے لگی۔ ہر آنے والے کو دینے والا کچھ نہ کچھ دیتا رہا اور نور الدین زنگی ہر آنے والے کا چہرہ پڑھتے رہے لیکن دو جن کم بختوں کی شکلیں دکھائی گئی تھیں وہ کہیں نظر نہ آئے۔ آخر آپ نے پوچھ ہی لیا۔ کوئی رہ تو نہیں گیا جواب ملا مدینہ منورہ کا کوئی باسی نہیں رہا البتہ دو مغربی شخص نہیں آئے۔ ان کی نیکی و پارسائی اور سخاوت کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ پورا مدینہ نہال کر دیا گیا ہے۔ ان کو ان انعامات کی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ نہیں آئے۔

نور الدین زنگی نے انہیں زبردستی بلایا۔ ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن ظاہر نہ ہونے دیا۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو اور کیا ارادے ہیں۔

ہم مغرب سے آئے ہیں حج کا ارادہ ہے ابھی کافی وقت باقی ہے۔ ہم نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجاورت اختیار کر لی ہے۔ اگر ہمیں یہاں کا مجاور ہونا قبول کرلیا جائے تو یہ ہماری بڑی خوش بختی ہوگی۔

نور الدین زنگی نے ذرا سختی فرمائی اور گھر کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بظاہر کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اور ہم خاک کے ذرّے اندر ہی اندر کڑھ رہے تھے کہ کہیں بادشاہ سلامت ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر واپس ہی نہ چلے جائیں کہ اچانک ان کی نظر ان کے جائے نماز پر پڑی۔ جائے نماز مصلیٰ اٹھایا تو نیچے گڑھا نظر آیا۔ جو ایک زمین دوز راستہ تھا جسے سرنگ کہا جاتا ہے۔ ہر شخص دیکھ کر کانپ اٹھا۔

صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے ان پر سختی کی تو آخر انہوں نے سارا راز اگل دیا اور بتایا کہ یہ سرنگ قبر انور کے قریب پہنچنے والی تھی کہ ہمارے ہاتھ سے چڑیا اڑ گئی۔

نور الدین زندگی نے ان دونوں کو واصل جہنم کیا اور روضہ انور کے اردگرد زمین کی تہہ تک کھدائی کرا کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دی تا کہ آئندہ کوئی شخص ایسی ناپاک حرکت نہ کر سکے۔

لیجئے، اجسام انبیاء کرام کی حفاظت میں ہم خاک کے ذرّوں کے ساتھ، ایک اشرف المخلوقات کا پاک نمائندہ بھی شامل ہو گیا۔ الحمد للہ نور الدین زنگی، جمال الدین موصلی اور وہ بیس سوار جو اُن کے ساتھ ہم سفر تھے۔ وہ سارے ہمارے رقیب ہیں۔ ہم ان رقیبوں کے ناموں سے جلتے نہیں۔ ان کے ذکر سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والو! آپ پر جان نچھاور کرنے والو۔ ہم خاک کے ذرّوں کی طرف سے تم پہ لاکھوں سلام ہوں۔

جاں نثارانِ حضرت پہ لاکھوں سلام

یہ واقعہ ۵۷۷ ہجری میں پیش آیا۔ یہ واقعہ بھولنے والا تو نہیں اگر کوئی بھول بھی جائے تو ہم قیامت کے دن تک نہیں بھول سکتے۔

صف اوّلیں تو ہے خاص صف وہاں پاؤں جا، یہ کہاں شرف
صفِ آخریں سے بھی دور تک جو اشارہ ہو تو یہیں سہی

نعلین مصطفٰی کی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

کائنات کی ہر چیز تسبیح کرنے والی ہے اور ان کی تسبیح ہماری سمجھ سے بالاتر ہے تو یہ تو کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہمیں تو بعض اوقات، اپنے کسی ہم جنس کی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ جانوروں کی پرورش کرنے والا، دیکھ بھال کرنے والا، ان کی

رکھوالی پہ مامور شخص، اکثر جانوروں کے اشارے سمجھ جاتا ہے۔ جو کوئی غیر نہیں سمجھ سکتا۔

شیر خوار بچہ، زبان نہیں رکھتا، اگر رکھتا ہے تو قوتِ گویائی سے محروم ہے۔ وہ فہم و فراست جس سے کام لے کر۔ وہ اپنی چاہت، اپنی ضرورت، اپنا دُکھ، اپنی تکلیف کا اظہار کر سکے۔ وہ نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی بات سمجھانے کے لئے اشاروں کی زبان بھی نہیں جانتا۔ پھر وہ کون سی جبلّت ہے۔ وہ کون سی فطرت ہے یا وہ کون سا جذبہ ہے۔ جو ممتا کی ماری ماں۔ اپنے بچے کی وہ باتیں بھی سمجھ جاتی ہے۔ جو ابھی وہ کر ہی نہیں سکتا۔ بلکہ اس کے وہ اشارے بھی سمجھتی ہے۔ جو اشارے کرنے کے قابل ہی نہیں۔

اس لئے کسی جانور کی، پتھر کی، لکڑی کی، پھول کی، پنکھڑی کی، کوئل کی، جھینگر کی، فاختہ کی بات اور تسبیح ہماری سمجھ میں نہیں آتی، تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے۔ اس قصور وار، اس کم علمی کے عیب سے عیب دار کی سمجھ سے

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

کے ناقوس اول کو جھٹلایا تو نہیں جا سکتا۔ خود خالق زبان و زبان دانی اور خالق علم و دانش نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

(۱۷/۴۴)

اور ساری کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ، اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح (کی کیفیت) کو سمجھ نہیں سکتے۔

وہ عظیم شخصیت جن کے ہر قدم کی ٹھوکر سے، ایک نئی راہ نکلتی ہو اور خود جس نے کبھی ٹھوکر نہ کھائی ہو۔ ان کے قدموں سے لپٹ کر رہنے والی، نعلین پاک، جوڑا مبارک، کتنا مسرور رہتا ہوگا۔ وہ اس احسان پر، اللہ تعالیٰ کے حضور، کس کس انداز

سے، تسبیح وتہلیل اور تمجید کے کیا کیا انداز اختیار کرتا ہوگا۔ جب بھی کسی پاک گھر میں داخل ہوتے ہیں تو جوڑوں سمیت اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جوتا باہر ہی اتارنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین بندے، کلیمی کا شرف پانے والے، کوہِ طور پر تشریف لے جاتے ہیں۔ تو ارشاد ہوتا ہے:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (۲۰\۱۲)

یعنی اپنا جوڑا اتار دو۔ بے شک تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔

لیکن جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے لمس کی نسبت نے جن جوڑوں کو اتنا نوازا ہو کہ عرشِ اعظم پر بھی انہیں اتارا نہیں گیا۔ وہ اپنے صانع مطلق کے حضور۔ اس پاء بوسی کے انعام پر۔ کیا کیا تسبیح پڑھتے رہتے ہوں گے۔

ہے خاکِ رہِ عشق میں کیا سطوت و رفعت
تم نے کبھی اس گرد میں اٹ کر نہیں دیکھا

نعلین مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و الفت سرکار سے سرور و مستی میں آ کر پڑھی جانے والی تسبیح وتہلیل سے ہمارا واقف ہونا ضروری نہیں البتہ اس کی تسبیح وتہلیل وتمجید کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ تو دیکھے جا سکتے ہیں سمجھے جا سکتے ہیں اور تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ ان اثرات کو محسوس کرنے والوں کی زبان سے سنئے، پڑھئے، سر دھنئے اور مست عشق حبیب ہو جائیے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو حضرت عبداللہ آپ سرکار کے دونوں جوڑے آپ کے قدموں سے خود اتارتے اور اپنی قمیض کی آستین میں لپیٹ کر رکھ لیتے اور جب آپ سرکار اس محفل سے اٹھ کر جانے لگتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خود آگے بڑھ کر آپ سرکار کو جوڑے پیش کرتے اور پہناتے، پھر عصا لے کر حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے

چلتے حتیٰ کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے جاتے۔

کسی نے عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا نہیں۔ اے وہ شخص! کہ انبیاء کے بعد ساری دنیا کے اماموں قائدوں، رہبروں، غوثوں، قطبوں، ابدالوں، اخیاروں، اماموں، اوتار، ابرار، نُقبا، نُجبا، عمد، مکتوبان، مفردان قطب ابدال، قطب اقالیم، قطب ولایت، قطب زہاد، قطب عباد، قطب عرفاء، قطب متوکلان، قطب الاقطاب، قلندر، صوفی، مجذوب ومجاذیب، رجال الغیب کے علاوہ تمام شہید، تمام غازی، محدث، مفسر، فقیہ، متکلمین، تمام بادشاہ، رؤسا، امراء، فضلاء، علماء، وزراء، غرض ہر وہ منصب جو من اللہ کسی کو ملا یا دنیا نے کسی کو دیا۔ یا وہ خود اپنی صلاحیتوں محنتوں، ریاضتوں، سے کسی مقام پر پہنچا۔ وہ سب کے سب تیرے قدموں کی خاک، تیرا مرتبہ ایک صحابی رسول ہونے کی حیثیت سے اتنا بلند کہ یہ بلندیوں والے سارے کے سارے اپنے اپنے مرتبے کو اکٹھا کر کے ایک بلند ترین مینار تیار کریں۔ اس کی سب سے بلند ترین چوٹی پہ کھڑے ہو کر تیری گردِ راہ کو دیکھنا چاہیں تو تجھے پھر بھی اتنے بلند مرتبے پر فائز پائیں کہ اوپر دیکھتے دیکھتے۔ ان کی ٹوپیاں، ان کے تاج نیچے آ گریں لیکن یہ بتا تجھے اس جوڑے میں کیا چیز نظر آ گئی کہ تو اتنا بڑا ہو کر بھی اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اپنی آستین میں چھپائے پھرتا ہے۔ حرزِ جاں بنائے پھرتا ہے کسی اور کو اٹھانے نہیں دیتا۔ آگے بڑھ کر اٹھاتا ہے۔ آگے بڑھ کر پیش کرتا ہے وہ اگر جواب دیتے تو یقیناً کہتے اے میرے ایمانی بھائی! یہ نعلین نہیں یہ جوڑا نہیں ہے۔ یہ صرف ایک جوتا، چمڑے کا نہیں، یہ تو ہما ہے ہما جس کے سر سے گزر جائے وہ بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

وہ ہمارا خالق و مالک، جو ہمیشہ سے اکیلا ہے اور جس کے بغیر ہم اکیلے نہیں رہ سکتے۔ اس کا اکیلا ہونا، یکتا ہونا، اس کے بے نیاز ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں، وہ اکیلا، وہ تنہا، وہ یکتا، وہ بے نیاز ہو کر بھی، ان کے اتنے ناز اٹھاتا ہے کہ عرش عظیم پر بھی انہیں یہ جوڑے اتارنے نہیں دیئے۔ ہو سکتا ہے یہ سارا معاملہ صرف عرش اعظم کا مرتبہ بڑھانے کے لئے کیا گیا ہو۔ یا آپ کی نعلین پاک اور اس کے ساتھ چمٹے ہوئے خاک کے ذرّوں کو بتانا مقصود ہو کہ دیکھو کس کے قدموں کے لمس نے تمہیں کس مقام و مرتبہ تک پہنچا دیا ہے۔

دُھل گئی عصیاں کی ساری ہی سیاہی دُھل گئی

خاکِ در نے میری پیشانی کو چمکایا بہت

فقیر راقم الحروف عبدالحق ظفر چشتی بارگاہ وقار العرش والفرش، غوث نشانِ ارض و سماء راحت جانِ ایمان، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض گزار ہے۔ کریما! مہربانا! سرورا! اے خاک کے ذرّوں کو عرش نشیں کرنے والے، اے پتھروں اور پتھر دلوں کو قوتِ گویائی عطا کرنے والے، اے شجر و حجر کے محبوب و مطلوب اور ان سے خود بھی محبت کرنے والے، اے حقیروں، ذلیلوں، کمینوں، لاچاروں، ناداروں کو اپنی رحمت و شفقت کی چادر عطا فرما کر سکون و اطمینان کی دولت و نعمت عطا کرنے والے! ایک ناکارہ، نیچ، نکما، اسفل، ارذل، جھوٹی محبت کے دعوے کرنے والا جھوٹا مکار، بہروپیہ، مانگت، بھکاری، بھی آپ کے در کا سوالی ہے۔ کریم آقا، میں یقین کی دولت سے محروم ہوں۔ مجھے یقین عطا کیجئے۔ میرا ایمان انتہائی کمزور ہے۔ میرے ایمان کو پختگی عطا کیجئے۔ میں سجدوں کی لذت سے محروم ہوں۔ اس لذت سے مالا مال کیجئے۔ میں دینی و دینوی امور میں منافقت کا شکار ہوں۔ اس غلاظت سے بچا لیجئے۔

کائنات دے رنگ برنگ کھانے تیری جواں دی روٹی توں وار دیواں

عصا ملے جے موسیٰ کلیم والا، تیرے ہتھاں دی سوٹی توں وار دیواں
وس ہووے تے چن نوں توڑ کے تے سوہنے گنبد دی چوٹی توں وار دیواں
نیلی چھت والا جے کرمن جاوے اوہدی بارگاہ چہ عرض گزار دیواں
سر میرا تے اُس دے قدم ہوون، ساری زندگی ایویں گزار دیواں
پیرس جہیے ہزاراں جے شہر ہوون میں مدینے دی بھوک توں وار دیواں
میرے آقا میں تاج سکندری نوں تیری جتی دی نوک توں وار دیواں

موسم وقت کی سرکار سے محبت اور آپ کی اطاعت

موسموں کی تبدیلیاں تو کسی کے چاہنے سے نہیں ہوتیں۔ وہ اپنے پروگرام کے مطابق چلتے رہتے ہیں۔ گرمی، سردی، خزاں، بہار، حبس، گھٹن، خوشگواریاں، یہ سب مالک و خالق کے قبضہ و اختیار میں ہیں لیکن جس طرح کائنات کی ہر چیز، یہ جانتی ہے پہچانتی ہے اور مانتی ہے کہ ہم دنیا میں کسی کے حکم، کسی کی درخواست اور کسی کی چاہت سے نہیں بدلتے۔ ہماری تبدیلیاں مالک کے حکم کی تابع ہیں یا مالک و خالق کا کوئی خاص بندہ جسے ہمیں حکم دینے کے اختیارات دے رکھے ہیں۔ ان کے حکم کے مطابق تبدیل ہو سکتے ہیں۔

سردی کا گرمی میں تبدیل ہو جانا

آیئے! سردی کے موسم سے عرض کرتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا واقعہ تمہیں یاد ہے جس میں تم نے اپنی خو اور عادت بدل دی ہو۔

سردی کے موسم نے کہا ہاں، ہاں، کیوں نہیں۔ کیا ایسے غیر معمولی واقعات بھولے جا سکتے ہیں۔ نہیں بلکہ ان کی یاد تو سر بلندی کا باعث ہوتی ہے۔

ایک دن ایسا ہوا۔ میرا موسم اپنے جوبن پر تھا۔ سردی مدینہ منورہ کی گلی کوچوں بازاروں اور نباتات و باغات اور فصلوں پر اپنے اثرات مرتب کر رہی تھی۔ اس دن سردی کچھ زیادہ ہی اپنے جوبن پر تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذانِ فجر

ارشاد فرمائی لیکن نمازیوں کی کثیر تعداد سے جو مسجد نبوی شریف بھر جایا کرتی تھی۔ سردی کی وجہ سے اس میں کمی آ گئی۔ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد شریف میں تشریف لائے تو دیکھا مسجد شریف کی صفیں خالی ہیں اور اپنے مقدس مہمانوں کے انتظار میں ہیں تو سرور و مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے پوچھا، بلال! کیا بات ہے۔ آج مسجد میں نمازیوں کی تعداد بہت کم ہے تو عرض کی حضور! سردی بہت زیادہ ہے۔ اس لئے نمازی حاضر نہیں ہو سکے یہ سن کر محبوب رب ذوالجلال نے دعا فرمائی۔

اَذْھَبْ اللّٰھُمَّ عَنْھُمُ الْبَرْدَ

یا اللہ نمازیوں سے سردی دور فرما دے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سردی کا موسم تو پتہ نہیں تبدیل ہوا یا نہیں لیکن میں نے دیکھا۔ مسجد نبوی شریف میں نمازی پنکھے کر رہے ہیں آپ کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

فَرَأَیْتُھُمْ یَتَرَوَّحُوْنَ فِی الْمَسْجِدِ (دلائل النبوۃ ابونعیم جلد ۲ صفحہ ۴۶۴)

کہ میں نے نمازیوں کو دیکھا کہ وہ مسجد شریف میں پنکھے کر رہے ہیں۔

ایک اور واقعہ بھی ہماری عزت وتوقیر میں محبوب رب ذوالمنن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور حکم کی تعمیل میں، ہماری سربلندی کا باعث ہوا۔ الحمد للہ

ہوا یوں کہ حضرت سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے جسم کو میری سردی کے اثرات نے کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ مالک جب چاہتا ہے ہمارے موسم میں تیزی آ جاتی ہے اور جب چاہتا ہے کمی آ جاتی ہے۔

مالک کے اس بے دام بندے نے، مالک کے محبوب اور اپنے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت فرمائی کہ حضور بندہ نواز و بندہ پرور، سردی کچھ

زیادہ ہی اثر انداز ہو رہی ہے اور اس کی زیادتی سے معاملاتِ زندگی، معاملات عبادت و ریاضت اور حاضری و حاضر باشی بہت متاثر ہو رہے تو ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحیٌ یوحٰی کی مقدس زبان فیض ترجمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ الفاظ نکلے۔

اَللّٰھُمَّ اکْفِہِ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ

یا الٰہی! میرے علی سے گرمی اور سردی دونوں ہی دور فرما دے۔

پتہ نہیں ساری کائنات کے مطلوب و مسجود و معبود رب کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی اس دعا میں کیا تاثیر تھی کہ خود حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے نہ گرمی لگتی تھی اور نہ کبھی سردی کا احساس ہی ہوتا تھا۔ میں نے وقتی طور پر صرف سردی کی شکایت کی تھی لیکن محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گرمی کی شدت یا احساس سے بھی نجات دلا دی۔ اب میں گرمی میں موٹے صوف کے کپڑے پہن لیتا تھا اور سردی میں جان بوجھ کر باریک اور سادہ سے کپڑے پہن لیتا تھا۔ میرے اس انداز میں ایک راز پوشیدہ ہوتا تھا کہ لوگو! میرے آقا کی شان محبوبی دیکھو! اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

یہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی کیفیت تھی ناں! لیکن آپ ہماری کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میری بہن گرمی اور مجھے یعنی سردی دونوں کو اپنے اپنے موسم میں بھرپور اپنے اپنے جوہر دکھانے ہوتے تھے لیکن ہم پتلیوں کی ڈور جس مالک کے ہاتھ میں ہے وہ سمجھا دیتا تھا کہ اے گرمی اور اے سردی کی تیزی سارے زمانے پر جہاں جہاں تمہاری رسائی ہے یا جہاں جہاں تمہیں اپنے موسم کی سختیاں بکھیرنے کا موقع ملے وہاں وہاں ضرور بکھیرو لیکن میرے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، میرے محبوب کے جاں نثار چچا اور چچی حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب اور سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ

کے لخت جگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قریب بھی نہ جانا کیونکہ اس کی بہت بڑی سفارش ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللھم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ بقدر حسنہ و جمالہ

(خصائص کبریٰ صفحہ ۲۵۲ جلد ۱۔ دلائل النبوہ صفحہ ۴۶۳ جلد ۲۔ سیرت حلبیہ صفحہ ۱۶ جلد ۲ مجمع الزوائد صفحہ ۱۲۵ جلد ۹)

موسم صرف سردی و گرمی کا ہی نہیں ہوتا۔ موسم جوانی اور بڑھاپے کا بھی ہوتا ہے۔ یہ موسم بھی سیدی و آقائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و الفت سے سرشار تعمیل ارشاد میں اپنی فطرت ہی بدل دیتے تھے۔

جوانی اور بڑھاپے کا موسم

میری مٹی میرے ہی ہاتھوں میں تنویر بن جائے
ہتھیلی کی لکیروں پر تیری تصویر بن جائے
شگفتہ زندگانی کی کوئی تدبیر بن جائے
تمہارا حسن میرے پاؤں کی زنجیر بن جائے

ایک حقیقت ہے کہ جوانی چلی جائے تو آتی کبھی نہیں دیکھی اور اگر بڑھاپا آ جائے تو کسی نے جاتے کبھی نہیں دیکھا۔ جوانی دیوانی کی رنگینیاں اپنا رُخ موڑ لیں تو کوئی منت سماجت دوبارہ آنے پر آمادہ نہیں کر سکتی اور اگر بڑھاپا اپنے جوبن پر آ جائے تو کوئی نسخہ، کوئی تریاق، کوئی دوائی اور کوئی کشتہ اس کو گھر کے صحن سے نکال نہیں سکتا، جسم کا جوڑ جوڑ، اس کی آمد کا پتہ دیتا ہے۔ سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک۔ اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قوت بینائی سے لے کر مالک کی ہر عطا کردہ صلاحیت و نعمت منہ موڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ حکیموں کی حکمت و دانائی کسی کام نہیں آتی۔

گئی جوانی تے آیا بڑھاپا جاگ پیّاں سَب پیڑاں
کِس کَم ہُن محمد بخشا سونف جوین ہر یڑاں

لیکن قانون جس کے ہاتھ میں ہو۔ سارے موسموں کی باگ ڈور جس کے قبضۂ قدرت میں ہو جو ان تمام حالات و کیفیات کا خالق و مالک ہو جو اللہ الصمد کی شانِ بے نیازی کا مالک ہو۔ اسے کس بات کی مجبوری ہے۔ وہ گہرے ترین بڑھاپے میں ارزل العمر میں پہنچانے والا، خود مختار جس کا کوئی ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کہ وہ اس مقام تک پہنچا دے۔

وَمِنكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (النحل 16\70)

اور تم میں سے بعض کو ناقص ترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ (جہاں پہنچ کر) سب کچھ جان لینے کے باوجود کچھ نہ جانے، اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا اور بڑی قدرت کا مالک ہے۔

اسی عمر سے پناہ طلب کرنی چاہئے کہ یا مالک! تو ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے جب چاہے جسے چاہے جس کے ساتھ جو کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ تجھے ایک انتہائی کمزور انسان جس سے گلیوں کے تنکے بھی بھاری ہوں وہ عرض کرتا ہے اس بڑھاپے کی عمر کی رزالت سے محفوظ رکھ اور تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

وہ بے نیاز و صاحب قدرت ہو کر بھی اپنے محبوب ترین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی سفارشی دعا کسی کے حق میں قبول فرما کر نظام جوانی و بڑھاپا، موسم جوانی و بڑھاپا بدل دے تو کسی کا کیا جاتا ہے اور کس کو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔

آیئے۔ دیکھیں یہ موسم بڑھاپا اور جوانی کس طرح محبوب کائنات کی محبت و اطاعت کی خاطر اپنا نظم بدلتا ہے۔

سیدنا عمرو ابن اخطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ معظم جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا۔ میں پانی لیکر حاضر ہوا۔ میں نے غور سے دیکھا تو پانی کے برتن میں ایک بال تھا۔ وہ میں نے نکال کر علیحدہ رکھ دیا۔ شاید کائنات عالم کی خبر رکھنے والے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک نے دیکھ لیا اور اس عمل کو پسند فرمالیا تو آپ نے خوش ہوکر دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ یا اللہ اس شخص کو خوبصورت بنا دے۔ اسے حسن و جمال کی دولت سے مالا مال فرما۔ بس اس دعا نے اتنا اثر دکھایا یا مالک نے یہ دعا اتنی قبول فرمائی کہ بڑھاپے کو بھی کہہ دیا کہ عمر کی طوالت بے شک جاری رہے لیکن عمرو بن اخطب پر بڑھاپے کے اثرات کبھی نہ ہوں۔ نتیجتاً ۹۳ ویں برس کی عمر میں بھی سر اور داڑھی میں سے ایک بال بھی سفید نہ ہوا۔ (مدارج النبوۃ فارسی صفحہ ۴۳۸ جلد ا۔ حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۴۳۷)

مَــوْلَایَ صَــلِّ وَ سَــلِّــمْ دَائِــمًــا اَبَــدًا

عَــلٰــی حَبِیْبِکَ خَیْــرِ الْـخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اس خیرات کے اثرات غیروں تک بھی پہنچے

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے جانِ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک کو صاف کیا (اس میں کوئی چیز یا تنکا وغیرہ پڑ گیا تھا) آپ سرکارِ کائنات ارضی وسماوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے بھی خوش ہوکر انعام بخشتے ہوئے دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ اے اللہ تعالیٰ اس شخص کو میری داڑھی کو عقیدت سے صاف کرنے کے صلہ میں اور انعام کے طور پر حسین وجمیل بنا دے۔ اس یہودی کے بڑھاپے کی وجہ سے سارے بال سفید ہو چکے تھے لیکن جو بڑھاپا جاتے کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ اس یہودی کے ہاں سے بھاگ گیا اور اس کے سارے سفید بال دوبارہ کالے سیاہ ہو گئے یعنی وہ جوانی جو جا کر واپس کبھی نہیں لوٹی۔ وہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہتوں

کی خاطر صدیوں سے از ازل تا بہ ابد نہ بدلنے والا قانون بدل کر رکھ دیا اور اس بوڑھے یہودی کے چہرے پر اس کے اثرات مرتب کر دیئے۔

(مدارج النبوۃ فارسی صفحہ ۴۳۸ جلد ۱۔ حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۴۳۷)

پاس رہتا ہے دور رہتا ہے
کوئی دل میں ضرور رہتا ہے
ایسے رہتے ہیں وہ میرے دل میں
جیسے آنکھوں میں نور رہتا ہے
جب سے دیکھا ہے ان کی آنکھوں کو
ہلکا ہلکا سرور رہتا ہے

حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نعمت حضرت عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ کو بھی عطا فرمائی۔ ان کے سر پر دست شفقت رکھا اور درازیٔ عمر کی دعا دی۔ آپ کی عمر مبارک اَسّی سال ہوئی لیکن ایک بال بھی سفید نہ ہوا اور نہ جسم پر بڑھاپے کے اثرات مرتب ہوئے۔ بڑھاپے کی لاچاریاں، بیماریاں اور بڑھاپے کی گرفتاریاں اس گلی کا راستہ ہی بھول گئیں۔

اللھم صل و سلم و بارك علی النبی المختار سید الابرار زین المرسلین الاخیار و علی آله و اصحابه اولی الایدی والابصار

سونا: یعنی زرِ خالص کی محبت و اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سونا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ دھات، کائنات کے ہر حصہ میں اپنی اہمیت کا احساس دلاتی ہے اور ہر زمانہ میں اپنا لوہا منواتی رہی ہے، منوا رہی ہے اور منواتی رہے گی۔ تمام بادشاہیوں کے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت سے اپنی چمک دمک کا سورج طلوع کرتی رہی۔ تمام بادشاہوں کی سطوت و تمکنت

اور طاقت کا سرچشمہ یہی سونا رہا ہے۔

لیکن ہے بڑا بے وفا، کسی کے ساتھ بھی دوستی نبھانا نہیں جانتا بلکہ ہمیشہ کسی کے ساتھ رہنا پسند ہی نہیں کرتا۔ اس نے کئی سرہائے غرور خاک میں ملائے ہیں کسی کو اٹھاتا ہے تو آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ اور پھر خود ہی کئی بار اپنے ہاتھوں کسی کے سر پر دستار عزت وفضیلت سجائی ہوئی یوں کھینچنے لگتا ہے۔ جیسے کانٹوں میں الجھی ہوئی چادر کو کوئی جھٹکا دے کر اتارتا ہے۔ کسی پر رحم نہیں کھاتا۔ بے بسی و بے چارگی دیکھ دیکھ مسکراتا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر یوں ہر چیز بھلا دیتا ہے جیسے بچے کے ہاتھ میں کھلونا دے دیا جائے تو سب کچھ بھول جاتا ہے اور کسی کو کھلونوں کی طرح اپنے ہاتھوں نچاتا ہے اور توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ کوئی اس کی دید کو ترستے رہ جاتے ہیں اور کئی ایک کے گھر میں اتنی فراوانی کے ساتھ گھستا چلا جاتا ہے کہ سنبھالنے کی جگہ نہیں ملتی۔

ایسی قیمتی، اہم اور بے وفا دولت بھی، کسی کے حکم کی پابند نظر آتی ہے۔ محبت کی زنجیر جس کسی کے قدموں میں پڑ جائے۔ اس کا سارا غرور خاک میں ملا دیتی ہے۔

جمادات کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہوئے۔ اس کے قبیلے کے خاک کے ذرّوں نے مجھے اس کی کہانی سنائی۔ کہنے لگے، سونے کو اپنی حیثیت پر بڑا ناز ہوگا۔ فخر ہوگا۔ بے وفائی کی فطری جبلت کے باعث، ہوسکتا ہے اس کا اپنا سر بھی کسی کے آگے نہ جھکتا ہو لیکن اپنے مالک کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت نے اس کے پاؤں میں بھی زنجیر ڈال دی اور اف نہ کرسکا جو حکم ہوا اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوگیا۔

آپ کے اور ہمارے کریم آقا۔ محبوب رب ذوالکرم والاحسان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک باوفا، وفا شعار مخلص، جاں نثار، غلام، حضرت سلمان فارسی رضی

اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا۔ ان کے ذمہ چالیس اوقیہ سونا قرض تھا۔ ایک حساس انسان کو قرض بہت پریشان کرتا ہے۔ آپ نے اپنے قرض کا تذکرہ، جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سونے کا ایک انڈا عطا فرمایا کہ یہ لیں اور اپنے سارے قرض خواہوں کا قرض ادا کریں۔ عرض کی، حضور! اتنے تھوڑے سے سونے سے کیا کسی کا قرض اتر سکے گا۔ شاید وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکے تھے۔ یا ظاہری و دنیوی اثرات کے حصار سے ابھی نکل نہ پائے تھے۔ ورنہ زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکلنے والے الفاظ کے فیوض و برکات سے تو وہ محروم نہ تھے تاہم آپ نے ارشاد فرمایا۔ سلمان! جاؤ تو سہی، قرض خواہوں کو بلا لو اور ان سب کو ان کی ضرورت کے مطابق قرض چکاتے چلے جاؤ۔

اب آپ سمجھ گئے تھے جن کے ایک تبسم سے دلوں کی مرجھائی کلیاں کھل جاتی ہیں جن کے ہاتھوں کے لمس سے ہر چیز کی کمی کثرت میں بدل جاتی ہے۔ یہ سونے کے انڈے کے بارے میں حکم بھی تو اسی نے عطا فرمایا ہے۔ چلو چلتے ہیں اور آپ کے ارشاد کا یہ اعجاز بھی دیکھتے ہیں یہ کرشمہ ہم بھی دیکھیں گے۔ قرض خواہ بھی دیکھیں گے اور دنیا بھی دیکھے گی۔

اسی فیض کے اثرات سے بھیگے جذبات سے چل دیئے اور ایک ایک قرض خواہ کو بلاتے رہے۔ اس کے قرض کے مطابق سونا کاٹ کاٹ کر دیتے رہے اور فارغ کرتے رہے۔ آخر تمام قرض خواہوں کے قرض کے بار سے فارغ ہوئے اور چالیس اوقیہ سونا قرض ادا بھی ہو گیا اور جتنا سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونا دیا تھا وہ بچ بھی گیا۔

ہم خاک کے ذرّوں نے اس سونے سے کئی بار، اس راز سے پردہ اٹھانے کی درخواست بھی کی لیکن وہ ہر بار ہنس کر ٹال گیا۔

قصے ہور کسے دے اندر درد اپنے کج ہوون
بن پیڑوں تاثیراں ناہیں بے پیڑے کد روون
جس وچہ گجھی رمز نہ ہووے دردمنداں دے حالوں
بہتر چپ محمد بخشا سخن اجہے نالوں

غاروں کی حضور سے محبت اور آپ کی اطاعت

پرانی بات وہ ہوتی ہے جو نسیاً منسیا ہو جائے بھول بھلیوں کی وادیوں میں گم ہو جائے۔ قعر نسیاں میں جا گرے۔ کبھی کوئی بھول کر بھی یاد نہ آئے کہ یہ واقعہ ہوا تھا۔ وہ گلیاں وہ بازار، وہ بستیاں وہ شہر اور جنگل وہ بیاباں اور گلزار گزرنے والوں کو کبھی اپنے ساتھ، یا اپنے ہاں ہونے والا واقعہ یاد نہ کرائیں نہ کبھی سن کر خوشی و مسرت سے لبوں پر مسکراہٹ آئے اور نہ کبھی حسرت و یاس سے آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھر جائیں۔

لیکن اگر بات بیسیوں، سینکڑوں اور ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ایسے ہو جیسے ابھی کل کی بات ہے۔ اس بات کے اس واقعہ کے اور اس کے سارے کرداروں کے نام لوگ وظیفے کے طور پر رٹ لیں۔ ان کے ذکر سے ذہن وفکر میں بہار آ جائے۔ خوشی و مسرت سے چہرۂ ایمان کھل اٹھے جی کرے۔ ان حسینوں کے قدموں کی دھول بن جائیں جن کے حسین تذکرے، ان گلیوں کو، ان بازاروں کو، ان غاروں کو زندہ رکھے ہوئے ہے تو اس کو پرانی کہنا دانشمندی اور دانشوری نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو ثقاہت میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اگر ان کی رائے ہی کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات آج سے دو ہزار ایک سو اڑسٹھ سال پرانی ہے جس بات کو سات لاکھ اسی ہزار چار سو اسی دن گزر چکے ہوں۔ وہ بات اگر آج بھی ایسی ہی ہو کہ ایقان و یقین سے بھولنے نہ پائے بلکہ خالق دو مالک اس کہانی کے

پڑھنے والوں کو ایک ایک حرف کے بدلے کم از کم دس دس نیکیوں کی خیرات بانٹتا رہتا ہو کئی لاکھ انسانوں کو وہ اتنا ازبر ہو نوکِ زباں پر ہو کہ بھولنے کو جی ہی نہ کرے۔ تو کیا آپ اس کہانی کو پرانی کہیں گے نہیں۔ ہرگز نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سو اکسٹھ سال پہلے۔ ملک شام کے ایک بادشاہ انطیوکیس چہارم نے مالک کے غیروں سے یارانے کے بھوت سوار ہونے کی بناء پر بیت المقدس کو شہید کر کے اس کی جگہ زلمیس دیوتا کے مندر کی بنیاد ڈالی تو مکابی خاندان کے چند غیور موحد نوجوان اٹھ کھڑے ہوئے، حالات کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ

یعنی بیانِ حقیقت کا منشا داستان گوئی نہیں بلکہ حکمت و موعظت کو اس طرح لوگوں کے سامنے رکھنا ہوتا ہے کہ وہ اس سے فیض یاب ہوں۔ اپنے ربّ پر خالق و مالک پر ایمان لانے کے بعد جو ملتا ہے وہ اتنا روشن ہوتا ہے کہ پھر کبھی ابہام کا مقام نہیں آتا۔

وہ نوجوان، قریب ہی ایک پہاڑ کی غار سے میں جا لیٹے۔ حق بات کہنے پر جہاں زبان کٹتی ہو۔ وہاں سے حالات کی بہتری تک یا قدرت کی طرف سے حالات کی تبدیلی آنے تک ہجرت کر جانا انبیاء کرام کی سنت ہے۔

ان نوجوانوں کے ساتھ۔ ایک کتا بھی، غار کے دھانے پر آ لیٹا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا

کہ ہم نے ان کے کانوں پر اس غار میں کئی برس تھپکی دی۔ کان پر پیار سے تھپکی دے کر سلانا اور سلائے جانے والے کی حفاظت کا پورا اہتمام کرنا، قرب الٰہی کے لئے ہو تو حسن عمل کا کیا کہنا۔

ہم غار کے پتھروں اور ذروں نے ان کا استقبال کیا اور تین صدیوں تک ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا ہے۔ یہ نوجوان ہماری پارٹی کے بندے تھے۔ اُن کے ساتھ ساتھ ایک نجس اور ناپاک جانور، کتا بھی تھا لیکن وہ چونکہ اُن کے ساتھ ہی آیا تھا اور یقیناً اس نے ان نوجوانوں کے مقام و مرتبہ کو جان لیا تھا، پہچان لیا تھا، پھر مان بھی لیا تھا اس جان پہچان اور تسلیم نے اس کو بھی امر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں پیدا کردہ کتوں میں سے کسی کا قرآن پاک میں ذکر نہیں آیا۔ صرف اسی کا نام آیا ہے یہ سب ان کی جان پہچان اور تسلیم کا انعام ہے کہ اس نے اپنے مالک و خالق کے ماننے والوں کو مان لیا۔

تیری نسبت نے نکھارا میرا انداز حیات
میں اگر تیرا نہ ہوتا سگِ دنیا ہوتا

قدرت نے ان نوجوانوں کے ایمان کی پختگی کے صلے کی پھوار میں ہم غار کے پتھروں، کنکروں اور خاک کے ذروں کو بھی بھگو کر رکھ دیا اور اس کتے کو بھی، لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ غار کے قریب ان کی یاد میں مسجد تعمیر کریں۔ ان کے اسماء گرامی کی تختی لگائیں۔ غار، مسجد، کتا، کی نسبت سے قرآن پاک میں

اَصۡحٰبُ الۡکَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ،

وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ

کہ ان کا کتا غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے کہہ کر تمام کرداروں کو زندہ کر دیا، تازہ کر دیا، ان کے اس واقعہ کو اتنا پرانا ہونے کے باوجود زمانے کی غفلت کے گرد و غبار میں چھپنے نہیں دیا نسیاً منسیا ہونے نہیں دیا۔

جب ایسے واقعات تاریخ میں موجود ہوں اور شکور حلیم کی قدر دانی کے شہرے ہوں اور اس غار کا سر ساری دنیا کی ہزاروں لاکھوں غاروں میں سب سے اونچا ہو تو ہم بھلا کیسے ان کو فراموش کر سکتی تھیں۔

یہ تو ہماری قسمت ہے کہ ہمارے ہاں ساری کائنات میں آج تک جتنے ہمارے خالق و مالک کے ماننے والے چاہنے والے اور اس کی وحدانیت کا پرچار کرنے والے بھی ہوئے۔ ان سب کے سرداران سب کے آقا، فخر انسانیت اور فخر موجوداتِ زمانہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لے آئے۔

غارِ حرا

میرا نام تو حرا ہے اور میرے قریب ہی ایک اور میری بہن غارِ ثور کے نام سے معروف و موسوم ہے۔ ہمارے مقدروں نے ہمیں غارِ اصحاب الکھف سے بھی اونچا مقام دے دیا۔

سحابِ لطف رحمانی، مالک آب و تاب چہرۂ زیبائی، ملیح دل آراء، ملاحت و نمکینی حسن و جمال کے پیکر جسمانی و روحانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے اعلانِ نبوت کے قریب قریب، میرے کلبۂ تاریک کو رشک آفتاب و ماہتاب بنانے کے دن قریب آ گئے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ جب سے مجھے خلعت وجود سے نوازا گیا۔ اس وقت سے کوئی رشک انسانیت، انسان میرے ہاں مہمان ہوئے ہوں۔ شاید یہ میری زندگی میں پہلا لمحہ مسعود تھا کہ پوری کائنات کا مرکز محبت و اطاعت محبوبِ رب ذوالکرم، باعث تخلیق کل خلائق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم شخصیت نے اپنے مالک سے لو لگائے خلوت میں بیٹھ کر، ساری کائنات سے منہ موڑ کر، اپنے معبود و مسجود سے ہمراز ہونے کے لئے میرا انتخاب کیا۔

میں چھج پتاسے ونڈاں
اج قیدی کر لیا ماہی نوں

قدرت کی عطا کردہ نعمتوں کا حساب ممکن نہیں۔ اس نے ہمیں کیا کیا انعام بخشے ہیں۔ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوصف جب مطلع تاباں بن کر

میرے ہاں جلوہ افروز ہوئے اور اپنے خالق و مالک سے ہمراز ہوئے۔ بے شک اس وقت آپ کے پاس میرے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا لیکن میں نہیں جان سکی وہ میرے ہاں خلوت کدہ میں کیا کیا اسرار و رموز سے لبریز گفتگو فرماتے تھے۔

ہجر کی راتیں ہوں، یا دن بہرحال طویل ہوتے ہیں اور وصل کی طویل ترین راتیں بھی مختصر ہو جاتی ہیں۔ آپ اگرچہ کئی کئی دن میرے ہاں جلوہ افروز رہتے تھے اور مجھے قدم بوسی کا شرف ملتا رہتا تھا۔ آپ کی وہ جبین سعادت، جس کی تابانیوں سے بھیک لے کر چاند رشن ہوتا ہے وہ جبین میں نے کئی بار چومی ہے۔ میں نے کتنی کتنی دیر تک اس کے بوسے لئے ہیں۔ میں خود ان لمحات کے سحر میں ڈوب جاتی تھی اور مجھے خبر تک نہ ہوتی تھی کہ ساری رات ایک ہی سجدہ میں کیسے بسر ہوگئی۔ آپ میرے ہاں قیام میں کبھی کبھی آرام فرما بھی ہوتے تھے۔ میرے خاک کے ذروں کا وہ حصہ جہاں آپ کا جسم مبارک آرام فرما ہوتا تھا وہ عرش اعظم سے بھی برتر اور عظیم ہوتا تھا۔ میں ایسے حالات میں محسوس کرتی تھی کہ جیسے کسی نے مجھے زمین سے اٹھا کر لامکاں تک پہنچا دیا ہے۔

خوشبو ہے کہ اب تک نہیں جاتی میرے گھر سے
اک شب کوئی مہمان میرے گھر میں رہا تھا

اگر آپ کے مشامِ جان ایمان کام کرتے ہیں تو کبھی میرے ہاں تشریف لائیں۔ میں نے وہ خوشبو دار لمحات کی عنبر فشاں خوشبو، آج تک سنبھال رکھی ہوئی ہے۔ یہ حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے انعام میں عطا فرمائی ہوئی ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے ظلمتوں کو روشنی بخشی
سلام اس پر کہ جس نے زندگی کو زندگی بخشی

سلام اس پر کہ جس کی راہ دیکھی ہے بہاروں نے

سلام اس پر کہ جس کے پاؤں چومے ہیں ستاروں نے

پھر وہ لمحہ بھی آ گیا جو تقدس مآب کھربوں سالوں پر بھی بھاری ہے جس میں پوری انسانیت کا نصاب زندگی اترا۔ ان گنت ملائکہ کا سرداران گنت انبیاء و رسل کا صحابی، مکین سدرۃ المنتہیٰ، روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام پوری دنیا کے امام و راہبر و راہنما صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور تمام آسمانی کتابوں میں سب سے اعلیٰ ترین کتاب کی ابتدائی چند آیاتِ مبارکہ لے کر نازل ہوئے۔ میں ان لمحات کی گواہ ہوں۔ میرا ایک ایک پتھر گواہ ہے۔ میری خاک کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ اولین سطور مبارکہ پوری انسانیت کے نصاب زندگی کی ابتدائی آیات، ہمارے سامنے نازل ہوئیں۔ اس پاکیزہ معطر معنبر لمحے کی پاکیزگیاں نہ پوچھو۔ یہی چند آیات مبارکہ ناقوس اولیں تھیں۔ جس نے پوری کائنات کو حیرت زدہ کر دیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا

اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

میرا نام جو آپ کو اب تک یاد ہے یا میں دنیائے ایمان کے نقشہ پر جلوہ گر ہوں تو میرا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو ان کا کرم ہے کہ وہ میرے ہاں تشریف لائے اور میرے ذروں کو رشک قمر و بدر بنا دیا۔ اور میرا ماحول ابھی تک اسی نشے سے سرشار ہے۔ حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر مہمان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اہلاً وسہلاً و مرحبا کہتے ہیں۔

پوچھا کسی نے مجھ سے کہ خوشبو کی انتہا

میں نے کہا کہ آج بھی غار حرا میں ہے

اللھم صل وسلم و بارک علیٰ سیدنا مولانا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ و بارک وسلم

غارِ ثور

کامل عشق خدایا بخشیں غیر دلوں منہ موڑاں
ہکوں جاناں، ہکو تکاں، ہکو آکھاں لوڑاں

ابر بہار نے حجرۂ حجازِ مقدس کا انتخاب کیا کہ پورے حجاز مقدس میں خصوصاً بیت اللہ شریف اور اس کے اڑوس پڑوس میں صدیوں سے ابر بہار کا ایک چھینٹا تک نہ برساتھا۔ صدیوں پہلے حضرت ذبیح علیہ السلام کے محترم قدم یہاں پہنچے اور وادیٔ غیر زرع کو مرجع خلائق بنا دیا پھر امتدادِ زمانہ سے خود بیت اللہ شریف بھی غیروں کا مسکن بن گیا اور غیروں نے اپنا تسلط اس طرح جما لیا تھا جیسے تیندوا اپنے جال میں شکار کو چاروں طرف سے پھنسا لیتا ہے۔ ابر بہار کے چھینٹے، حرماں نصیبی کے خوگروں کو راس نہ آئے۔ دہکتی آگ پر پانی کے چھینٹے آگ کو اور بھڑکا دیتے ہیں۔ یہاں کے باسیوں کے دلوں میں شرک و بت پرستی کی شیطانی آگ اتنی شعلہ جوالہ بن چکی تھی کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان کے تن بدن کی آگ کو اور بڑھا گئے۔

وہ جو سارے جہانوں کے لئے رحمتوں کا سائبان بن کر آیا تھا وہ اپنے شہر، اپنے گھر والوں اور اپنے اعزاء واقرباء کے لئے کتنی بڑی ٹھنڈی چھاؤں دینے والی چھتری بن کر آیا ہوگا لیکن حرماں نصیبی اور کم بختی کے اندھیروں نے ان کی بینائی، ان کی بصارت اور ان کی بصیرت کے چراغوں کو بجھا دیا۔ راہِ راست کی راہ دکھانے والا بارہ تیرہ سال مسلسل انہیں جگاتا رہا۔ بدبختی کو خوش بختی میں تبدیل کرنے والا ناقوس مسلسل بجاتا رہا۔ اس کے جواب میں دعائیں لینے کی بجائے دکھ سہتا رہا۔ کرب برداشت کرتا رہا۔ ان کے بچھائے ہوئے کانٹوں پہ چلتا رہا۔

اپنے چاہنے والوں کے گلوں میں رسیاں ڈالے گھسیٹتے دیکھتا رہا۔ دہکتے انگاروں پر لیٹتا دیکھتا رہا۔ نازک اجسام مستورات کے جسموں کو درمیان سے چرتا ہوا دیکھتا رہا اور صبر کی تلقین کرتا رہا۔ وہ خود بھی صابر تھے اور اپنے چاہنے والوں محبت کرنے والوں کو صبر کی ایک بہت بھاری سل کے نیچے دل رکھ دینے کی راہ کا خوگر بناتا رہا۔ چشم فلک نے یہ نظارے دیکھے اور آسمانِ نیلگوں کے ستارے یہ منظر دیکھ دیکھ آنسوں بہاتے رہے۔ شعب ابی طالب کے تین سال کاکر بناک زمانہ ان بدبختوں کی وجہ سے شقاوت قلبی میں اور اضافہ کرتا رہا۔ وہ زہریلی زبانوں، زہریلے فقروں، زہریلی سوچوں اور ذہنوں کے زہریلے تیروں میں اضافے کرتے رہے۔ ادھر ابرِ رحمت کی ٹھنڈی پھوار دعاؤں کی خیرات بانٹتی رہی۔ آخر خود خالق و مالک نے ہی حکم دے دیا۔ میرے محبوب، ان بدنصیبوں اور بدبختوں کی کالک دور ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے۔ اور آپ کے پاس بھی وقت بہت کم ہے۔ اب یہ تھوڑے وقت میں کسی زرخیز زمین پر ابر بہار بن کر برس اور خوب برس اور اتنا برس کہ ان کی آئندہ کی نسلیں بھی تاقیامِ قیامت دعائیں دیتی رہیں۔ درودوں سلاموں کے نذرانے پیش کرتے کرتے سیر نہ ہوں۔ تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیرے پیغام سے ایسے نہال ہوں کہ زمانہ ان کی سخاوت کا ن کی نرم دلی کا، ان کی محبت والفت کا شکار ہوجائے۔

آخر مکہ کی وہ وادیاں، جو

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ

کے نغموں سے سرمست تھیں اس کی پاکیزہ گلیوں، بازاروں، پرنور قرب و جواروں کو داغِ مفارقت دے کر یہاں سے چلے جانے کا وقت آ گیا۔ تاریخ کے دھارے بدلنے لگے۔ اوراقِ زندگی پلٹنے لگے۔ کعبے کے باشندوں سے رحمتیں روٹھنے لگیں۔ صفاء ومروہ ویران ہونے لگیں۔ حجر اسود ہر پھیرے پر السلام علیک یا

رسول اللہ کہنے کی سعادت سے محروم ہونے لگا۔ فرشتوں کے سردار روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رحمتوں اور برکتوں کے پھولوں سے بھری جھولیاں لٹانے کا روٹ بدلنے لگا۔ مکہ کی وادیاں

قولو لا الہ الا اللّٰہ تفلحوا

کے پیغام جانفزاء سننے سے محروم ہونے لگیں۔ اندھوں، بہروں، گونگوں پر

ختم اللّٰہ علی قلوبھم

کی مہریں اور سخت ہونے کا وقت آ گیا۔ اندھے مزید اندھیاروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیئے جانے لگے۔ بہروں کا بہرہ پن ایسا ہونے لگا جیسے کوئی کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا ہے۔ گونگوں کا گنگ، ان کی بدبختی پر اور زیادہ آنسوؤں کے بہانے کا وقت لے کر آ گیا۔ اب مکہ کی فضا، کبھی چاند اترتا نہ دیکھ سکے گی۔ اب محراب کعبہ اس وقت تک جب تک مالک نے چاہا۔ ان کے ابروؤں کو دیکھ دیکھ سجدہ ریز نہ ہو سکے گی۔ اب مقامِ ابراہیم کی قدر و منزلت پہچاننے والا، رخصت ہونے والا ہے اور وہ پھر بے قدروں کی ناقدر شناسی کا شکار ہونے والا ہے۔

تیرے اک نہ ہونے سے ساقیا! حالت یہ میکدہ ہے
خم کے خم بھرے ہیں اور مے خانہ خالی ہے

۲۲-صفر المظفر تھی، اور پیر کا دن اور جانِ کعبہ، کعبہ اور اہل کعبہ کو چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ ان کے سروں پر، ان کے چیدہ چیدہ سات افراد جو اس وقت ان کی محرومی کے غصے کی انتہا کو پہنچے ہاتھوں میں تلواریں اٹھائے ہوئے تھے۔ نامرادی کی خاک ڈال کر، ان کی آنکھوں کی بے بصیرتی میں اور اضافہ کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے، روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ، ابوبکر یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منتظر تھے۔ صرف کواڑ چڑھائے ہوئے تھے۔ گھر کے مین

گیٹ کو کنڈی نہیں لگائی ہوئی تھی کہ کہیں کنڈی کھولتے جتنی دیر بھی نہ لگے۔ گھر کا سارا اثاثہ، ساری دولت، ساری متاع، ایک گٹھڑی میں بندھی، ساتھ جانے کو تیار بیٹھی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے گوشت اور طعام سے توشہ دان تیار کیا ہوا تھا۔ حضرت اسماء آپ کی صاحبزادی الوداع کہنے قریب ہی حجابِ نسوانی میں مستور کھڑی تھیں۔ توشہ دان اور دیگر سامان باندھنے کے لئے جلدی میں رسی نہ مل سکی۔ تو حضرت اسماء نے اپنے دوپٹہ کے دو حصے کئے۔ ایک میں توشہ دان باندھ دیا اور ایک حصہ پھر سر پر اوڑھ لیا۔ ایسی جلدیاں بھی کیا خوب ہوتی ہیں۔ ایسی جلدی میں کیا ہوا کام بھی بعض اوقات وقت کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ ان کی اس جلدی میں کیا ہوا یہ عقلمندی کا کام ذات النطاقین کا لقب دے گیا جو تا قیامت، ان کی پہچان بن گیا۔

گلے ملنے کی جلدی میں کسے رہتے ہیں یاد ارکان
نمازِ عید میں یاروں نے اک تکبیر کم کر دی

مکہ سے روانگی کے ان لمحاتِ جدائی کا قلق، کوئی کعبے کی دیواروں سے پوچھے۔ جو فریاد کناں تھیں کہ اے ہمیں چھوڑ کے جانے والے تو تو ہمیں پھر سے آباد کرنے کے لئے آیا تھا۔ سینکڑوں جھوٹے معبودوں سے آزاد کرانے آیا تھا۔ ان کم بختوں نے ہزار ہا۔ ان بتوں پر دی جانے والی قربانیوں کے خون اور گوشت سے میری دیواروں کو لتھڑا ہوا ہے۔ تو تو ہمیں دھونے اور پاک کرنے کے لئے ویزکھم کی صفت بن کر آیا تھا۔ ہمیں تو امید لگ گئی تھی ہمیں کوئی پاک کرنے آ گیا ہے اور تو ہمیں پھر ویسے کا ویسا ہی ان کم بختوں کے حوالے کئے جا رہا ہے۔

اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشہ می روی

میری دیواروں کی، حریم کعبہ کی، حطیم کعبہ کی، مستلزم کی، حجر اسود کی، مقام

ابراہیم کی، کعبے کے پرنالے کی۔ آب زمزم کی، صفا کی، مروہ کی، حرا کی، ثور کی، سب کی آنکھیں تو آپ پر لگی ہوئی تھیں۔ آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ اس فریاد نے ماحول کو اتنا سوگوار کر دیا تھا کہ راحتِ قلب حزیں رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق سے کہا، ذرا ٹھہرو، ان بیچارے بے گناہ فریاد کناں پتھروں کو دلاسا تو دے سکوں۔ آپ نے کعبہ کو جو اس وقت فریاد میں سب کا نمائندہ بنا ہوا تھا۔ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاللّٰهِ اِنَّكِ لَاَحَبُّ اَرْضُ اللّٰهِ اِلَيَّ وَاِنَّكِ لَاَحَبُّ اَرْضُ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْ لَا اَنَّ اَهْلَكِ اَخْرَجُوْنِيْ مَا خَرَجْتُ مِنْكَ

(رواہ الامام احمد والترمذی)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں روایت فرمائی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ، مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّ اِلَيَّ وَلَوْ لَا اَنَّ قَوْمِيْ اَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَاسَكَنْتُ غَيْرُكِ

یعنی بخدا، اے مکہ کی سرزمین تو مجھے اللہ تعالیٰ کی ساری زمینوں سے زیادہ محبوب ہے اور بے شک تو اللہ تعالیٰ کی تمام زمینوں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیاری ہے۔ اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔

حضور سید عالم وسید کائنات دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے شہر مکہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تو مجھے کتنا پیارا ہے اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو میں ہرگز کسی دوسرے شہر میں کبھی سکونت اختیار نہ کرتا۔

لگتا ہے کعبہ نے سرکار والاتبار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس محبت بھرے انداز میں پیار کا اظہار کرنے اور حالات کی سنگینی کی مجبوری کی وضاحت سے مغموم

سی خاموشی اختیار کر لی ہوگی اور کہا ہوگا اچھا کریما، رفتید و لے نہ از دلِ ما

اچھا جاتے ہو فی امان اللہ
سونی محفل ہے کوئی بات نہیں

سوگوار، مغموم اور افسردگی کے ماحول میں سفر شروع ہوا۔ اگرچہ میں غارِ حرا بھی راستے میں تھی لیکن آج میری بہن غارِ ثور کے مقدر جاگنے والے تھے۔ سرکار نے ادھر کا رُخ فرمایا۔ سرکار جوں جوں اس کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اس کی راہ کے پتھر، اونچے ہو ہو کر استقبال کر رہے تھے۔ وہ دور سے اتنی بلندیوں پر سرفرازی کے جھنڈے گاڑنے والے کو آتا دیکھ کر۔ اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے اور بلند ہوتے جا رہے تھے۔

حضور پرنور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غارِ ثور کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ آپ کے پاؤں کا جوتا۔ پاؤں کو زخمی کر رہا ہے اور آپ چلنے میں دشواری محسوس فرما رہے ہیں۔ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ نے ابو قحافہ کے بیٹے کو فرشِ زمینِ لاعلمی سے اٹھا کر عزت و شہرت کے عرش پر لا بٹھایا ہے۔ اے ہم بے شانوں کو شان و شوکت دینے والے۔ آپ کے زخمی قدموں کی تکلیف۔ ناقابل برداشت ہے میرا کندھا حاضر ہے۔ تشریف لائیں اور میرے کندھے کو عرشِ بریں بنا دیں۔

ایہہ گلی مست ملنگاں دی عرش بنا جا اَج دی رات

آپ نے درخواست قبول فرمائی۔ کوئی دیکھنے والا دیکھے۔ مکے کا ایک پچاس سالہ رئیس۔ سامانِ سفر بھی اٹھائے ہوئے ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں بھی سر کر رہا ہے۔ حضور سراپا نور و ظہور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور پاؤں زمین پر رکھتے ہوئے قدموں کے نشان بھی مٹاتا جا رہا ہے۔ اس اندازِ

فداکاری پہ کوئی مرنہ جائے کیوں۔

سرد آہیں، گرم آنسو، آنسوؤں میں خونِ دل
کہہ رہے ہیں اس طرح افسانہ در افسانہ ہم

اسی کیفیت میں آپ غار ثور کے دہانے پر پہنچ جاتے ہیں۔ آگے کی کہانی آپ خود غارِ ثور سے سن لیں۔ شاید میں اس کے جذبات کی صحیح ترجمانی نہ کر سکوں۔

کہاں سے لائے گا قاصد دہن میرا زباں میری
یہی بہتر ہے خود سن لیں وہ مجھ سے داستاں میری

میں غار ثور ہوں۔ میں صفاء ومروہ، فاران اور حرا کی پڑوسن ہوں۔ میں ان پہاڑیوں کے مقدر دیکھ کر اپنی محرومی اور حرمانصیبی پر اکثر آنسو بہایا کرتی تھی اور سچ پوچھئے تو میری بے بسی مجھے دل سے رلاتی تھی۔ لوگ اپنی بلندی پر ناز کرتے ہیں مجھے اپنی بلندی پر شرم آتی تھی۔ میرے ہاں ایک مہمان بھی ایک عرصہ سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ وہ سانپ میرا رقیب تھا اسے بھی انہی کا انتظار تھا۔ شاید اس نے کسی سے سن لیا تھا کہ آپ کا ایک دن یہاں سے گزر ہو گا۔ ہم آپس میں رقیب ہو کر بھی ایک دوسرے سے جلتے نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے کو دلاسا دیتے رہتے تھے۔ وہ مجھے اکثر میری آہ وزاریاں میری جدائی میں نکلنے والی چیخیں سن سن کر چپ نہیں کرایا کرتا تھا بلکہ وہ مشورہ دیا کرتا تھا اور رو اور چیخ اور ٹھنڈی اور سرد آہیں بھر، وہ فریادیوں کی فریاد پر ترس کھانے والے ہیں بس اس کا مشورہ سینے سے لگایا کہ

ایسے لئی غم دیاں دولتاں رکھیاں نے سانبھ سانبھ
غم ہون گے جے کول تے غم خوار آون گے

جدائی کا ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے اور اگر یہ جدائی صدیوں پر محیط ہو جائے تو کیا عالم ہو گا آخر ایک دن ایک رات میرا مقدر جاگا وہ جانِ جاں وہ جانِ

بہار، وہ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ ہاں قبلہ جمال جلوہ افروز ہوئے۔ سید کائنات اور سید مخلوقات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاں قدم رنجہ فرمایا خیر و برکات اور فوز ونجات کی بہار آئی۔ میری ساری وادی کے ستارے اور چاند آپ کے رخساروں کی شعاؤں سے منور ہو گئے۔

جینے کے آثار ملے ہیں آج مجھے سرکار ملے ہیں
سر سے غم کی رات ڈھلی ہے صبح کے انوار ملے ہیں
غم کے مارو غم کا ہے کا مجھ کو میرے غم خوار ملے ہیں

آپ میرے دروازے پر کھڑے تھے۔ میں نے اسی انتظار میں اپنا دروازہ کبھی بند ہی نہ کیا تھا مجھے آواز آئی۔ آپ کے جاں نثار رفیق کہہ رہے تھے۔ حضور آپ تھوڑی دیر توقف فرمائیں۔ میں اندر جا کر پلکوں سے جاروب کشی کرلوں اور آبِ دیدہ سے چھڑکاؤ کرلوں میں ان کی اس ادا پر نہال ہوگئی۔ واقعی مجھے اپنا غم کدہ صاف رکھنے کی طرف دھیان ہی نہ گیا تھا۔ وہ فرخ فال اور فرخندہ بخت اندر تشریف لائے اور مجھے صاف کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران اندھیرے میں انہیں احساس ہوا غار میں ہر طرف روشن دان ہی روشن دان ہیں۔ روزن ہی روزن ہیں اور وہ روزن ستر کے قریب تھے۔ دانشور لوگ ہر قدم پھونک کر رکھتے ہیں۔ انہیں احساس ہو گیا یہ اتنے روزن ہونا، کسی راز سے خالی نہیں۔ حفظ ماتقدم کے طور پر آپ نے اپنی ایک انتہائی قیمتی چادر جو آپ اوڑھے ہوئے تھے پھاڑ پھاڑ کر اچھی طرح سوراخ بند کرنا شروع کر دیئے حتیٰ کہ وہ جامہ بردصابری، ریزہ ریزہ کر کے تمام سوراخ بند کر دیئے جبکہ دو سوراخ رہ گئے۔ شاید وہ بھی بند کرنے کے وہ کوئی اسباب پیدا کر ہی لیتے۔ ان کے لئے کیا مشکل تھا۔ ایک انسان کامل، دوسرا کار مختار، صاحب عقل وشعور اور اس پر مستزاد یہ کہ عشق احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجسمہ شکیل، ایسی صفات کے حامل شخص کے لئے دو سوراخ بند کرنے کا انتظام

کرنا کون سا مشکل امر تھا۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ صدیوں سے بیٹھے سراپا انتظار عاشق کدھر جاتے جن کی طلب صادق نے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں آنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ بیچارے کیا کرتے۔

آسے آسے عمر گزاری تے گزرے سال ہزاراں
مالی باغ نہیں ویکھن دیندا آیاں جدوں بہاراں

اور اس کے ساتھ ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو اور شان بڑھانی تھی۔ اس کا کیا بنتا۔ اس لئے خود فاعل حقیقی نے باقی ماندہ دو سوراخ بند نہ کرنے دیئے۔ جلدی سے ایک ہی ترکیب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں آئی کہ اپنے دونوں پاؤں کی ایڑیاں ان دونوں روزنوں پر رکھ دیں اور سراپا حسن و جمال کو مہبط انوار الٰہیہ کو درخواست کی کہ سرکار ابد قرار، اندر تشریف لے آئیں۔ میں اپنی بے زبانی کی زبان سے بھی درخواست گزار تھی کہ اہلاً وسہلاً ومرحبا

وہ تشریف لائیں یہ ان کا کرم ہے
یہ گھر ہے کہاں ان کے آنے کے قابل

بس پھر یوں ہوا کہ گنہگاروں اور سیاہ کاروں کے دفتر سے زیادہ سیاہ ترین غار، غم زدہ ومفلس اور افسردہ لوگوں کی طرح بے سروسامان، عشاقِ صادق کے دل اور جگر کی طرح دامن تار تار اور انتہائی تنگ و ناہموار غار، غم فراق و مسلسل حرارتِ اشتیاق دید محبوباں کی طرح پارہ پارہ بلکہ آتش ہجر سے دل سوختگان کے دلوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے اور چھلنی چھلنی غار میں سرکار سراپا انوار وتجلیات تشریف لے آئے۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت
کبھی ہم ان کو کبھی گھر کو دیکھتے ہیں

دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں ایک جیسا ہونے سے ساری دنیا کے انسان ایک جیسے تو نہیں ہو سکتے۔ دیکھو اور محبت و حیرت کی آنکھیں کھول کر دیکھو۔ صرف ایک شخص کی خاطر، اتنے انتظام و انصرام کیئے جا رہے ہیں۔ کور چشمانِ غیر اور محرومانِ بصارت و بصیرت اور غیروں کو اپنی آنکھوں، نظروں، فکروں دماغوں، اپنی جبینوں اور اپنے سجدوں میں سجانے والوں سے کہو۔ ادھر دیکھو کسی کی محبت میں دنیا اور دنیا کا مالک، کیا کیا معجزے دکھا رہا ہے۔

سانپ نے ستر روزن تیار کر لئے اور میں نے بھی دروازے کبھی بند نہیں کیئے۔ صدیق نے اپنے قیمتی کپڑے تار تار کر دیئے۔ خود مالک و خالق نے دفعۃً چند لمحات میں غار کے دہانے پر جھاڑیاں اگا دیں۔ ننھے سے کیڑے کو عنکبوت کو فوراً پوری زندگی بھر کا زور لگا کر بھرپور محنت سے فوراً جالا تن دینے کا حکم ہو گیا۔ کبوتروں کے ایک جوڑے کو اس جھاڑی میں جالے کے حصار سے ایک طرف فوراً گھونسلہ بنا کر انڈے دے دینے کا حکم ہو گیا۔ حالانکہ عام حالات میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ عنکبوت نے انتہائی اخلاص و اختصاص کے تانے بانے سے غار کے منہ پر پردے ڈال دیئے۔ جھاڑیوں نے وادیٔ غیر ذی زرع میں سخت ترین پتھروں کا سینہ چیر کر منشاء خداوندی کے مطابق، جتنی ضرورت تھی۔ اتنی جھاڑی اگا دی۔ کبوتروں نے پتہ نہیں کیسے انتظام کیا ہو گا۔ فوراً انڈے دے دیئے گھونسلا بنا لیا اور چھوٹے چھوٹے انڈوں سے اس گھونسلے کو فوراً آباد بھی کر دیا۔ کیا یہ کوئی عام سا شخص تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ساری مشینری فوراً حرکت میں آ گئی اور وہ کام کر دکھائے کہ جدید ترین اور تیز ترین دور کی مشینری میں بھی اتنی سرعت رفتاری سے وہ کام نہ کر سکے۔ اللہ ہی جانے یہ کون بشر ہے۔

اگر قوتِ ذائقہ زندہ ہو تو منہ میں نمک رکھیں یا مرچ۔ اس کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے نمک کا اپنا ذائقہ ہے۔ مرچ کا اپنا ذائقہ ہے۔ اسی طرح قوتِ ذائقہ محبت مردہ

نہ ہوئی ہو بلکہ زندہ ہو۔ خوشبوئے محبوب آئے بغیر رہ نہیں سکتی اور جس چاہنے والے نے انتظارِ محبوب میں صدیاں گزاری ہوں اسے محبوب کی آمد کی خبر کیوں نہ ہوئی ہوگی۔

سانپ کو بھی محبوب کی تشریف آوری پر خوشبو نے مست کر دیا۔ یہی مستی اس کی زندگی تھی۔ اسی خوشبو کی چاہت میں اس نے ستر کے قریب سوراخ بنا رکھے تھے لیکن جب آپ کی آمد آمد ہوئی تو قدموں کے بوسے لینے کے لئے جس راستے سے بھی نکلتا ہے وہ راستہ بند ہے۔ ایک دو چار آٹھ دس بیس غرض تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ اس کی طلب، ان رکاوٹوں سے مزید تیز ہونے لگی۔ آخر اس نے وہ راستہ تلاش کر لیا جہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایڑیاں تھیں۔ اس نے دو چار دس بیس بار کچوکے دیئے ہوں گے لیکن آپ نے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ آخر اس نے اپنی زندگی بھر کا بھرا سرمایہ اور جمع کیا ہوا زہر سارے کا سارا آپ کی ایڑی میں انڈیل دیا۔ اس کے علاوہ اُس کے پاس ان کی نذر کرنے کے لئے اور کچھ بھی نہیں تھا لیکن صدیق کی صداقت محبت و الفت نے قوتِ صداقت میں لغزش نہ آنے دی۔ میں دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ ایڑی اور سانپ کا باہمی ربط بڑھ رہا تھا۔ محبت ہر دو جانب غالب تھی۔ بشری تقاضوں کے تحت، شدتِ تکلیف سے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ آج چہرہ والضحیٰ ان کی جھولی میں محو استراحت تھا۔ ایک آنسو نے درجہ قبول پایا اور قبولیت کو پہنچتا پہنچتا چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا پہنچا۔ لوگ کہتے ہیں۔

اشک سچے ہوں تو کبھی ضائع نہیں جاتے
میری پلکوں سے گرے ان کے قدم تک پہنچے

اگر کسی کی پلکوں سے گرے، کسی کے قدم تک پہنچ جائیں تو لوگ کہیں اشک اور آنسو کتنے سچے ہیں اور اگر اشک پلکوں سے گریں اور رخسار محبوب تک پہنچ

جائیں تو ان کی سچائی کی معراج کیا ہوگی۔ یہ صدیق کی صداقت کی معراج تھی۔
مازاغ کے کجلے والی آنکھ کھلی اور صدیق سے پوچھا۔ خیر باشد کیا ہوا عرض کیا۔ لُدِغتُ میں ڈس لیا گیا ہوں آپ نے ایڑی ہٹانے کا حکم دیا۔ ایڑی کے زخم پر مرہم کل زمن یعنی لعابِ دہن تھوک مبارک لگایا اور زہر رفو چکر ہوگیا۔ اندر سے سانپ بھی نکل آیا اور قدموں پہ لوٹنے لگا۔

وہ لعابِ دہن، مرہم کل زمن
اس کی تخلیقی ندرت پہ لاکھوں سلام

(ظفر چشتی)

سوال پیدا ہوتا ہے سانپ تو دہشت کا نام ہے، خوف کا نام ہے اب تو سانپ آزاد تھا، جگہ بھی محدود تھی، باہر جانے کے سارے راستے بھی مسدود تھے۔ کسی کے بھاگنے کے، فرار ہونے کے امکانات بھی نہیں تھے۔ پھر افراتفری کیوں نہ پڑی۔ سانپ نے کسی اور کو ڈسا کیوں نہیں۔ سانپ کی کھوپڑی کچلی کیوں نہیں گئی۔ میں خود عینی گواہ ہوں۔ نہ صدیق نے اسے کچھ کہا اور نہ راحت قلب و جاں نے اسے کچھ کہا بس اتنا ہوا کہ سانپ آیا قدموں پہ لوٹا، زیارت کی اور واپس اپنے بل میں جا گھسا۔ اللہ اللہ خیر سلا

رات کے کسی آخری حصہ میں آپ کی آمد آمد مبارک ہوئی تھی اور یہ سارے حفاظتی انتظامات رات کے اسی حصہ میں ہو گئے تھے دن تو آخر نکلنا تھا۔ نکلا اور اپنی جان کے دشمنوں کی، جانِ ایمان کے دشمنوں کی یہ رات بھی بڑے کرب سے گزری تھی۔ اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ مجھے تو ان کی اس رات کی کیفیت کی خبر نہیں کیسے گزری۔ میرا اندازہ ہے۔ اچھی اور آرام سے نہیں گزری ہو گی۔ بڑی تلملاہٹ میں گزری ہوگی۔ بے چینی بے قراری اور اپنی ناکامی کی کسک میں ہی گزری ہوگی۔ اپنے لوگوں کی ننگی تلواروں کے پہرے میں، سروں اور آنکھوں میں

خاک جھونک کر نکل گیا۔

دن طلوع ہوا۔ ناکامی کے اشتہار لگے، وہ لوگ جو دن چڑھے کوئی ایسی ویسی خبر سننے کے لئے شب بھر بے قرار رہے تھے۔ وہ بھی حیرت و استعجاب کی دلدل میں پھنس گئے۔ کوئی ابو جہل کو سستی کے طعنے دے رہا تھا اور کوئی اسے ڈوب مرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

اعلان ہونے لگے، جو پکڑ کر لائے زندہ یا مردہ، سو اونٹ، اس کی نذر اور انعامات و اکرامات کی بارش الگ سرداری و شہرت کا سہرا الگ۔

خود ابو جہل، جہالتوں اور حماقتوں کی کتاب کا سرورق، شرم سے منہ چھپانے کی بجائے، ڈھیٹ ہو کر تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ کھوجی ساتھ لئے۔ پاؤں کے نشانات کی راہنمائی میں مجھ تک غارِ ثور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کھوجی نے کہا تمہارا مطلوب، اس غار سے کہیں آگے نہیں گیا۔ سورج یہیں کہیں غروب ہوا ہے۔

لیکن غار کے دروازے پر اگی ہوئی جھاڑیوں پر بہت پرانے ہونے کا چڑھا ہوا غازہ دیکھ کر عنکبوت کا اخلاص و اختصاص کے تانے بانے سے تنا ہوا جالا دیکھ کر جھاڑیوں کے عین درمیان میں کبوتروں کا گھونسلہ اور اس میں دیئے ہوئے انڈے دیکھ کر تلملا اٹھے کھوجی تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ اس غار میں داخل ہونے کے تمام راستے مسدود ہیں۔ وہ اندر کیسے داخل ہوئے۔ کھوجی کہہ رہا تھا تم جو مرضی ہے کہو۔ میں اپنے تجربے کی عینک سے دیکھ رہا ہوں۔ وہ اس غار کے اندر ہی ہوں گے۔ اور وہ کہہ رہے تھے ہمیں تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔

اور اندر بیٹھے صدیق کہہ رہے تھے اندھو! کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ تم نے غیروں سے یارانہ لگایا ہوا ہے۔ تم دل کی نگری سے غیر کو نکالو، بس اس کو بسا لو جس نے دل کی نگری کو اپنے لئے مخصوص کیا ہوا ہے۔ اس کو نکال

کر مالک کو اس گھر میں بسا لو پھر دیکھو تمہیں نظر آ جائے گا کہ اس وقت حسن سارے کا سارا مری جھولی میں ہے۔ غیروں کو اور غیروں سے یارانہ لگانے والوں کو، اپنے گھر میں کون داخل ہونے دیتا ہے۔

لیکن چونکہ یہ غیروں سے محبت کی پٹی، ان کے دلوں پر، ان کی آنکھوں پر، ان کے ذہنوں اور فکروں پر، اس زور سے بندھی ہوئی تھی کہ اس کا ایک پیچ بھی ڈھیلا نہ ہو سکا۔ لہٰذا دیدار سے محروم کر دیئے گئے اور یہاں سے بھی ناکامی و نامرادی کی خاک، اپنے سروں پہ، اپنی سرداری کی پگڑیوں پہ ڈالے، واپس لوٹ گئے۔

یہ سارا واقعہ میرے سامنے ہوا تھا اگر اس عرش کے دولہا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی خطرے کی گھنٹی آگے بڑھتے ہوئے محسوس ہوتی تو صدیق گھبرا جاتے، پریشان ہو جاتے کہ اب کیا ہو گا۔ فوراً تسکین بھرے الفاظ، ذات والا تبار کی طرف سے، جبریل امین علیہ السلام لے کر حاضر ہو جاتے۔ صدیق لَا تَخَفْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا صدیق! خوف زدہ ہونے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ!

پتہ نہیں یہ میرا وجدان ہے۔ یا حقیقت ہی ایسے ہے۔ کئی بار ان تین دنوں میں ایک عجیب کیف و سرور کی صورتِ حالات پیدا ہو جاتی رہی۔ میں یوں محسوس کرتی کہ جب ساری کائنات کو خواب غفلت سے جگانے والے، استراحت فرما ہوتے، تو شاید جیسے کسی کا داؤ لگ جاتا ہے۔ صدیق حضور کے آرام کے وقت کے منتظر رہتے۔ جونہی آپ آرام فرما ہوتے بس سیدنا صدیق اکبر، رضی اللہ عنہ، حضور سراپا نور و سرور کے چہرۂ انور کی زیارت میں مصروف ہو جاتے۔ کبھی آپ کی مازاغ کے کجلے والی آنکھ کے حسن میں گم ہو جاتے۔ تو کبھی واللیل اذا سجی کی تلاوت کرنے لگتے۔ ابھی تلاوت واللیل سے جی نہیں بھرا تو پھول پنکھڑیوں کی نزاکت پہ لاکھوں

سلام بھیجنے لگتے اور کبھی پنجابِ رحمت سے دریا ہائے رحمت انگلیوں سے پھوٹتے دیکھنے لگتے۔ دور و نزدیک سے سننے والے کانوں کی سماعت کا حسن بھی کیا حسن تھا۔ وہ اپنی خاموش زبان سے کئی اپنی کہانیاں، سناتے، بس اسی طرح دن کا طویل حصہ گزر جاتا۔

میرا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ میں ان کیفیات میں مخل ہوں کہ یہ ایک طالب اور مطلوب، محبّ اور محبوب کی بات تھی اور اس کے معاملے میں ہم پتھروں کی کیا حیثیت ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ سے میں پوچھ لیتی یا میں آپ کی اس کیفیت میں ڈوب کر کوئی بات کرتی تو آپ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے یہ اشعار ضرور سناتے۔

ایہہ تن میرا چشمہ ہووے تے میں ماہی ویکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مُڈھ مکھ لکھ چشماں اک کھولاں اک کجاں ہو
ایناں ڈِٹھیاں وی مینوں صبر نہ آوے تے میں ہور کِتے ول بھجاں ہو
ماہی دا دیدار وے حضرت باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

خیر اسی انداز سے وقت گزر گیا۔ رات کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تشریف لاتے۔ دن بھر کی ساری کہانی سنا جاتے اور گھر سے کھانا بھی لے آتے۔ آپ کا ایک غلام قریب ہی کہیں سارا دن بکریاں چراتا رہتا اور شام کو واپسی سے پہلے بکریوں کا دودھ پیش کر جاتا۔

میرا جی کرتا تھا اسی طرح صدیاں بیت جائیں لیکن ہر خواہش، ہر ایک کی کب پوری ہوتی ہے۔ جب تک مالک کو منظور تھا۔ آپ نے میری کٹیا کو عرشِ معلی بنائے رکھا۔ جب آپ روانہ ہوئے تو میں نے اپنے آپ سے کہا۔

دلِ مہجور راضی ہو رضا پر
ترا چاہا کبھی چاہا خدا نے

نبیؐ رحمت سے محبت

ایک میں ہی اس کا دیوانہ نہیں ہوں دوستو
اس حسیں کو جس نے بھی دیکھا وہی شیدا ہوا

محبت اس سے کی جاتی ہے جس کی صحیح تعریف معلوم ہو۔ اس سے شناسائی ہو۔ اس کے حسن و جمال سے واقفیت ہو۔ اس کے خصال وشمائل سے آگاہی ہو اور جس شے کی تعریف ہی معلوم نہ ہو اس سے محبت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کسی کی صحیح تعریف معلوم نہ ہونے کے باوجود اس سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ یا تو خود فریبی کا شکار ہے یا پھر لوگوں کو فریب دینا چاہتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مقام نبوت کے صحیح تصور سے آشنا نہ ہو اور اس کے باوجود محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹوں کی دنیا کا سردار ہے۔

اگر کسی کے حسن و جمال کا منکر ہو۔ اوصاف حمیدہ کے اعلیٰ مرتبے کا انکار کرے۔ اس کی حیثیت اس کے مقام اور مرتبے کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔ اس کے باوجود عشق رسول کا دعویٰ کرے۔ اس کا کلمہ پڑھے اس کی تعریف وتوصیف بیان کرے تو کیا یہ کذب عظیم نہ ہوگا۔

کیا شیر، بھیڑیا، گیدڑ، لومڑ، ہرن، بارہ سنگا، گاؤخر، زیبرا، حیوان ہونے کی حیثیت سے سب ایک جیسے ہیں۔ کیا عربی النسل رہوار اور سبک رفتار گھوڑا اور بوجھ اٹھانے والا ٹٹو دونوں گھوڑے ہونے کی وجہ سے ایک جیسے ہیں۔

اگر ایک شخص گھر والوں سے کہے کہ میں بھی تمہارا باپ ہوں۔ میں اور تمہارا باپ دونوں ایک جیسے ہیں لہٰذا دروازہ کھولو۔ میں بھی تمہارے باپ ہی کی طرح ہوں۔ کیا اس کو گھر میں داخل ہونے کا ٹکٹ مل جائے گا۔

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سب انسان بھی ایک جیسے نہیں اگر سب انسان ایک جیسے نہیں تو ان سے محبت اور نفرت کے پہلو بھی ایک جیسے نہیں اگر کسی میں کوئی خوبی

نہ ہو اور اس سے محبت کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا یہ انصاف کی بات ہے۔

محبت کے لئے محبوب کا خوبیوں کا مالک ہونا ضروری ہے۔ جتنی زیادہ خوبیاں ہوں گی محبت اتنی زیادہ عروج پر ہوگی۔ اگر کوئی میرے باپ سے بڑھ کر شفیق نہ ہو۔ مہربان نہ ہو۔ تو میں اس سے اپنے باپ سے بڑھ کر محبت کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر میری ماں سے بڑھ کر میری ہر تمنا کا خیال رکھنے والا نہ ہو۔ میرے دکھ میں میرے کرب میں، میرے آنسوؤں کو میری ماں سے بڑھ کر محبت سے پونچھنے والا نہ ہو تو میں اس سے اپنی ماں سے زیادہ کیسے پیار کر سکتا ہوں اگر کوئی میری اولاد سے بڑھ کر میرا خیال رکھنے والا نہ ہو تو میں اپنی اولاد سے بڑھ کر اس سے پیار کیوں کر کر سکتا ہوں۔ اگر دنیا کے تمام انسانوں سے بڑھ کر میری ضرورتوں کو پورا کرنے والا نہ ہو۔ میری چاہتوں کا خیال رکھنے والا نہ ہو۔ تو اس سے ان سے زیادہ محبت کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر اس کے باوجود میں محبت کا دعویٰ کرتا ہوں تو جھوٹا ہوں یا اس کے باوجود مجھے کسی سے محبت پر مجبور کرنے پر کوئی مجبور کرتا ہے تو یہ زیادتی ہے۔ یا مجھ سے ان سب سے زیادہ محبت کی چاہت رکھتا ہے تو حماقت ہے اگر کسی مجبوری کے تحت ایسی محبت کا اظہار کر بھی دیا جائے تو یہ منافقت ہے۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ راحت قلب حزیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے باپ اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت و پیار نہ کرے۔

محبت کی نہیں جاتی محبت ہو جاتی ہے۔ ظاہری، جسمانی، خوبیوں کو دیکھ کر محبت ہوتی ہے۔ اخلاقی بلندیوں کو دیکھ کر محبت ہوتی ہے۔ شفقت و محبت کو دیکھ کر محبت ہو جاتی ہے۔ سخاوت و عدالت دیکھ کر محبت ہو جاتی ہے۔ علی ہذا القیاس، جتنی زیادہ

خوبیاں ہوں گی اتنی ہی محبت بڑھتی جائے گی۔

خوبیاں موجود ہوں اور محبت نہ ہو تو یہ شقاوتِ قلبی ہے۔ خوبیاں نظر نہ آئیں اور محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ حماقت ہے خوبیاں موجود ہوں۔ ان خوبیوں کا بطیب خاطر اعتراف کرے۔ ان خوبیوں کی بناء پر تعظیم و تکریم بجا لائے۔ عقیدت و احترام سے نقد دل و نگاہ کا نذرانہ پیش کرے۔ اس کا نام ایمان ہے۔ اسی ایمان کا نام محبت ہے۔ ایمان کی پختگی، محبت کی معراج ہے اور محبت کی معراج۔ ایمانِ کامل کی دلیل ہے۔

میرے حضور، سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ واقعتاً میرے ماں باپ سے بڑھ کر مجھ پر شفیق ہیں۔ مہربان ہیں۔ کرم نواز ہیں۔ عنایاتِ کریمانہ کے حامل ہیں۔ میرے والد ماجد اور والدہ ماجدہ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ وہ میری ظاہری تخلیق کے موجب بنے۔ میری سرپرستی فرمائی۔ میرے خورد و نوش کا خیال رکھا۔ اس کے انتظامات فرمائے۔ مجھے گرم، سرد سے بچایا، میری بیماری و تندرستی کا خیال رکھا۔ اپنی جان سے بڑھ کر خیال رکھا۔ پیار کیا۔ محبت کے شیرے میں ڈبویا، مجھے سینے سے لگایا۔ میرے بوسے لئے، میری ہر تکلیف پر تڑپے اور اس وقت تک تڑپتے رہے جب تک میری تکلیف ختم نہ ہوئی۔ میرے لباس کا خیال رکھا، میری جوتی کا خیال رکھا۔ میری حجامت کا خیال رکھا، میری تعلیم و تعلم کا خیال رکھا، اچھے سے اچھے سکول کا، مدرسہ کا، کالج کا، یونیورسٹی کا، استاد کا معلم کا انتظام فرمایا۔ مجھے عرش سے فرشِ زمین پر بسانے کے جملہ انتظامات فرمائے۔ ان سارے انتظامات پر اپنی ذات کو ترجیح نہیں دی۔ خود بھوکے رہے پیاسے رہے ننگے بدن ننگے پاؤں رہے سارے زمانے کے تھپیڑے سہے۔ میری خطاؤں کی طرف نہ دیکھا۔ لوگوں کی طرف سے اٹھنے والی انگلیوں کی پرواہ نہ کی۔ میری کمزوریاں دیکھ کر بھی مجھ سے محبت میں کمی نہ آنے دی۔ میں کسی وجہ سے کسی اعتبار سے اپاہج ہو گیا۔ تو پوری

زندگی، گود میں پہلو میں کندھے پر اور سر پر اٹھائے رکھا۔ میری اپاہجی کی وجہ سے بوجھ سمجھ کر پھینک نہیں دیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عبدالحق ظفر چشتی ایک بنجر زمین ہے۔ اس کے باوصف کرم کی برکھا برسانے میں کمی نہیں کی۔

پھر بتایئے میں ایسے ماں باپ سے کیوں محبت نہ کروں۔ کیوں پیار نہ کروں کیوں قدم دھو دھو کر نہ پیوں۔ ان کے قدموں کی جنت پہ کیوں لوٹ لوٹ نہ جاؤں۔ ایسے شفیق، ایسے مہربان، ایسی بے لوث محبت کرنے والوں کو چھوڑ کر، غیروں کی طرف دیکھوں تو لعنت ہے مجھ پر

ہاں اگر کوئی ایسا مل جائے۔ جو ان کی عزت و توقیر کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی قدرومنزلت کی پہچان رکھتے ہوئے، ان کے مقام و مرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے۔ ان سے بھی زیادہ مہربان ہو، شفیق ہو، کرم نواز ہو اور اس کے ساتھ کوئی خونی رشتہ بھی نہ ہو۔ خاندانی پس منظر بھی نہ ہو۔ جغرافیائی حد بندی بھی نہ ہو۔ لسانی موافقت بھی نہ ہو۔ کچھ بھی نہ ہو۔ کوئی بظاہر تعلق نہ ہو، بالکل غیر ہو اور ماں باپ سے بڑھ کر پیار کرے۔ فرشِ زمین سے اٹھا کر، عرش بریں پر لے جانے کے لئے دن رات ایک کر دے۔ میری جسمانی ہی نہیں میری روحانی تربیت کا خیال بھی رکھے۔ میرے ماں باپ کو سمجھائے بھی کہ یہ بچہ جو تمہاری گود میں مالک نے دے دیا ہے اس کا خیال رکھنا، یہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ اس کو کہیں یہودی، نصرانی اور مجوسی نہ بنا دینا۔ اس کے کان میں جو سب سے پہلی آواز آئے وہ میرے تمہارے اور اس کے خالق و مالک رب کی عظمت و جلالت کی بلندی کے اعتراف کی آواز آئے۔ دیکھنا پہلے دن ہی اس کی پوری زندگی کا نصاب، اس کے کانوں میں انڈیل دینا، اس کی فلاح و بہبود کا راز اس کو بتا دینا، یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس کے منہ میں حرام کا لقمہ نہ جائے، ورنہ یہ تمہارا ہی نافرمان اور گستاخ ہو جائے گا۔

کوئی پوچھے۔ اے عظمتوں کے تاجدار، اے سب خیر خواہوں سے بڑھ کر

خیرخواہ۔ آپ کو اس بچے سے اتنا لگاؤ کیوں ہے۔ آپ کا کیا لگتا ہے تو وہاں سے جواب آتا ہے۔ بھلے آدمی! یہ میرا امتی ہے۔ تم تو صرف اس کے جسم کے باپ ہو۔ میں اس کے جسم اور روح کا بھی روحانی باپ ہوں۔ تمہارا اس سے صرف جسمانی تعلق ہے جب تک اس کا جسم سلامت رہے گا تم اس کا ہر ناز اٹھاؤ گے لیکن جونہی اس کے جسم سے طائر روح پرواز کر گیا اس کے جسم کی فکر میں، ساری زندگی قربان کرنے والو۔ اس کے رخسار چوم چوم، اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے والو، اس کو سینے سے چمٹا چمٹا کر اپنی موہوم امیدوں کو پروان چڑھانے والو۔ تم اس کے وجود اس کو ایک دن سے زیادہ اپنے گھر رکھنے کیلئے تیار نہ ہو گے۔ ہوسکتا ہے اس کے وجود سے تمہیں بدبو آنے لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ہیولے سے تمہیں خوف آنے لگے اور تم اسے قبر میں دفن کرنے کے لئے مجبور ہو جاؤ۔

لیکن سنو! جب تم اسے منوں مٹی کے نیچے دبا کر گھر لوٹ آؤ گے اور اس کے ساتھ اس کی قبر میں باپ ماں، بھائی، چچا، ماموں، خالہ اور پھوپھی یار دوست ایک رات بھی گزارنے پر آمادہ نہ ہوسکو گے۔ میں تو اس وقت بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوں گا۔ اس کے گناہوں کا اس کی خطاؤں کا اور اس کی تمام کوتاہیوں کا پردہ پوش ہوں گا۔ اس کے لئے رحمت کی بہار بن کر آؤں گا۔

اگر یہ ساری باتیں میں سن پاؤں مجھے ان کی شفقت و محبت بہ نسبت والدین کے کہیں زیادہ نظر آئے۔ تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں ماں باپ کی محبت رکھتے ہوئے بھی ان سے زیادہ پیار کروں کہ ان کے احسانات میری ماں اور میرے باپ سے زیادہ ہیں کہ یہی ایمان کی تکمیل کا معیار ہے اور لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ کا فرمان میرے ایمان کی تکمیل پر مہر تصدیق ہے۔

کیسی کیسی نعمتیں امت کے دستر خوان پر
کتنے کتنے وقت کے فاقے غذائے مصطفیٰ

اسی طرح دنیا کے تمام رشتے، ناطے، تعلقات، ضروریات، مجبوریات کو سامنے رکھ کر دیکھ لو، کون کتنا میرے لئے ضروری ہے۔ کس سے میرا کتنا ناطہ ہے۔ کتنا بڑا رشتہ ہے کون شخص کتنی میری مجبوری ہے اور کون ان سب سے زیادہ ضروری ہے اور کس سے ان سب سے زیادہ ناطہ ہے اور کون ان سب سے زیادہ میری مجبوری ہے اس تقابل کے بعد۔ اور یہ تقابل بھی پوری دیانتداری کے ساتھ ہو۔ اور اگر واقعۃً کوئی ان سب سے زیادہ میرا خیر خواہ ہو۔ ان سب سے زیادہ مجھ سے پیار کرنے والا ہو۔ ان سب سے زیادہ میرا خیال رکھنے والا، ان سب سے زیادہ میرا ساتھ نبھانے والا تو پھر واقعۃً میرا فرض ہے میری ذمہ داری ہے بلکہ صحیح پوچھو تو نمک حلالی یہی ہے کہ میں بھی ان سب سے زیادہ ان سے پیار کروں۔ ان سب سے زیادہ محبت کروں کہ یہی نکتۂ عروج میرے ایمان کی تکمیل کا معیار ہے اور یہیں اسی مقام پر پہنچ کر لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کا فرمان میرے ایمان کے عروج اور تکمیل پر مہر تصدیق، ثبت کرتا ہے۔

اشرف المخلوقات تو بہر صورت، اشرف المخلوقات ہے۔ اسی لئے خالق نے اس کے لئے اہتمام بھی اتنے زیادہ کئے ہیں اس کی ناز برداریاں بھی زیادہ کی ہیں۔ اس کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ اس کا خیال بھی زیادہ رکھا گیا ہے۔ اس کی راہنمائی کے لئے ان کے نصاب زندگی کے لئے خود کتابیں بھیجی ہیں۔ ان کتابوں کو سکھانے والے، پڑھانے والے، ان پر عمل کرانے والے، خود بھیجے، انہی کے لئے جنت بنائی۔ باغات لگوائے۔ نہریں کھدوائیں بے حد و حساب انعامات کے دروازے کھولے، جہنم بنائی۔ اس میں خوفناک و ہیبت ناک سزاؤں کا ذکر کیا۔ ماننے والے اور نہ ماننے والوں کے علیحدہ علیحدہ درجات بنائے۔

لیکن پتھر کنکر روڑ، خاک کے ذرّے ان میں سے تو کوئی بھی مکلّف نہیں۔

نباتات، ہزار ہا قسموں کے پودے، درخت، پھل پھول، کھیتوں میں لہلہاتے پودے، خود رو پودے اور بوٹیاں ان میں سے بھی کوئی مکلّف نہیں۔ ان پر کوئی گرفت نہیں، کسی کو مانیں، کسی کو نہ مانیں، حیوانات بھی غیر مکلّف ہیں۔ کسی کو چاہیں نہ چاہیں۔

اس کے باوجود طرفہ تماشا دیکھیں کہ میرے محبوب، تیرے محبوب، میرے رب کریم کے محبوب، ساری کائنات کے محبوب، ایسے محبوب ہیں کہ آپ کنکروں کے بھی محبوب ہیں۔ خاک کے ذروں کے محبوب ہیں مٹی کے تودوں کے محبوب، پہاڑوں کی غاروں کے محبوب ہیں کوہساروں کی چوٹیوں کے محبوب ہیں۔ آپ نباتات کے محبوب ہیں۔ آپ درختوں کے محبوب ہیں۔ درختوں کے پتوں کے محبوب ہیں۔ شاخوں کے، پھولوں، کلیوں کے، خاروں کے محبوب ہیں۔ آپ حیوانوں کے محبوب، درندوں، چرندوں، پرندوں کے محبوب ہیں۔ آپ ہرنیوں کے محبوب ہیں۔ آپ گوہ کے محبوب ہیں چڑیاں آپ کی شکرگزار ہیں کہ آپ ان کے بچے پکڑے ہوئے واپس دلاتے ہیں۔ آپ کی ہرنیاں شکرگزار ہیں کہ شکاری کی قید سے چھڑاتے ہیں۔ بکریاں آپ کی شکرگزار ہیں کہ بانجھ اور باکرہ بکریوں کو آپ دودھ والی بنا دیتے ہیں۔ اونٹنیاں آپ کی شکرگزار ہیں کہ آپ نے ان کو مامور من اللہ بنا دیا۔ گدھے اور دراز گوش آپ سے محبت کرتے ہیں کہ آپ نے ان بے شعوروں کو اتنا شعور دے دیا کہ انہیں صحابہ کرام کے نام یاد ہو گئے۔ ان کے گھروں، ان کی گلیوں اور ان کے محلوں کے نقشے ازبر ہو گئے۔ اونٹ آپ پر قربان ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اپنی گردن ذبح ہونے کے لئے پیش کرتے ہیں کہ آپ نے ان کے مالکوں سے بیگار سے بچا لیا۔ بڑھاپے میں کام کی زیادتی سے بچا لیا دشمن کے ہاتھ کی کنکریاں آپ کی شکرگزار ہیں کہ اس کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی اپنا کلمہ ان کو یاد کرا دیا۔ پہاڑ آپ پر قربان ہیں کہ

آپ نے ان سے اپنی محبت کرنے کا اعلان کر دیا۔ سوکھی لکڑیاں آپ کو اپنا محبوب تسلیم کرتی ہیں کہ آپ نے ان کو اپنے حجرۂ پاک کے ساتھ سلا لیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عقیدتوں کا مرکز بنا دیا اور جنت میں ساتھ لے جانے کا وعدہ فرما لیا۔ کھاری کنویں آپ کی محبوبیت کا اعتراف ہی نہیں۔ اقرار بھی کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا تھوک اور لعاب دہن ڈال کر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میٹھا بنا دیا۔ مدینہ کی ساری بستی آپ کی شکرگزار ہے کہ آپ نے اسے مکہ مکرمہ اور کعبہ شریف کی طرح حرم بنا دیا۔ مسجد قبا آپ کی چاہتیں اپنے دل میں سمائے بیٹھی ہے کہ اس میں دو نفل پڑھنے والے کو عمرہ کا ثواب عطا فرما دیا۔ گمنام راستے آپ کے قدموں میں بچھ بچھ جاتے ہیں کہ آپ نے ان راہوں کو دنیا بھر کا مرکز بنا دیا۔ مسجد نبوی شریف کا ذرّہ ذرّہ سپاس محبت وعقیدت پیش کرتا ہے جس کی زیارت کرنا آپ نے امر کر دیا۔ اس میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب بڑھا دیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قبرستان میں محبتوں کے پیکر بنے ہوئے ہیں۔ کہ آپ نے ان کے متعلق اعلان کر دیا کہ ان میں دفن ہونے والوں کی چادر جنت میں انڈیل دی جائے گی۔ خود بیت اللہ، اللہ کی شکرگزاری کے جذبات سے بھرا پڑا ہے کہ آپ نے اسے بت کدہ سے کعبۃ اللہ بنا دیا۔ شعب ابی طالب آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ اس کے محبوب ہیں کہ آپ کی میزبانی کا شرف پا کر دنیا بھر کی عقیدتوں کا مظہر بن گئی۔ غارِ حرا شکر گزار ہے کہ اس میں خلوت گزینی فرما کر ہمرازِ خلوت نشینی بنا دیا اور اس میں نصاب انسانیت، اللہ تعالیٰ کے مقدس اور آخری کلام کے نزول کا ابتدائیہ بنا دیا۔ غارِ حرا تک جانے والے راستے اور ان راستوں میں پڑے پتھروں کے آپ محبوب ہیں کہ ان راہوں کے راستے دنیا بھولنے سے معذور ہے۔

جمالِ مصطفیٰ سے منسلک ہوتی ہیں جب آنکھیں
فرشتے میری آنکھوں کی زیارت کرنے آتے ہیں

محبت کا تیری میں نے جو دل میں گھر بنایا تھا
چراغ، اس کی منڈیروں پر اندھیرے خود جلائے ہیں

عقل، نفس اور عشق، تینوں عطاء الٰہی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کسبی نہیں۔ سب وہبی ہیں۔ اپنی کوشش سے، تگ و دو سے، ہمت سے، دولت سے، اثر و رسوخ سے، جاہ و حشم، سے یہ حاصل نہیں کر سکتا نہ کسی بازار سے ملتی ہیں اور نہ ہی کسی دکان سے ملتی ہیں۔ تینوں عطائی اور وہبی ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک کے خواص مختلف ہیں۔

عقل، فضائل دیکھتی ہے۔ یا نقائص دیکھتی ہے۔ فضائل دیکھے گی تو خوش ہو گی، نقائص دیکھے گی تو عیب جوئی کرے گی بلکہ عیب جوئی، نکتہ چینی زیادہ کرے گی اور نفرت کرے گی۔

نفس، صرف نفع دیکھتا ہے۔ مفاد دیکھتا ہے ضرورت پوری ہوئی تو گوارا، نہیں۔ تو کوئی تعلق نہیں، کوئی واسطہ نہیں۔

ہو گئے اسی کے ہم نوا
جس کسی سے بھی نوالہ مل گیا

عشق، محبت کی انتہا کا نام ہے جس کو پسند کیا، بس اسی کے ہو گئے۔ جس کو پسند کیا، وہ پسندیدہ ہو یا نہ ہو۔ دنیا اس میں ہزار عیب نکالے۔ اسے اس سے بحث نہیں۔ اس نے کسی کو پسند کر لیا بس اُسی کا ہو گیا۔

اس میں کیا ہے کیا نہیں، اس سے مجھ کو کیا غرض
بس مجھ کو وہ اچھا لگا میں نے سوچا کچھ نہیں
اس کی بابت سوچنا اور سوچنا بھی رات دن
پھر بھی مجھ کو یوں لگا میں نے سوچا کچھ نہیں

سنا ہے کسی نے مجنون سے کہا ارے مجنون! بھلے آدمی! تو کس لیلیٰ پر عاشق

ہے کچھ دیکھ کر تو عاشق ہوتا۔ نہ منہ نہ متھا، نہ رنگ نہ ڈھنگ، تو مجنوں نے کہا تیرے پاس لیلیٰ کو دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں۔ تو نے اگر لیلیٰ کو دیکھنا ہے تو میری آنکھ، میری نظر سے دیکھ۔ میری نظر میں، دنیا میں اس سے بہتر کوئی ہے ہی نہیں۔ اسی طرح لیلیٰ سے بھی کسی نے پوچھا تو وہی لیلیٰ ہے جس پر قیس عامری فدا ہو چکا ہے اس نے کہا ہاں تو وہ کہنے لگا تو اتنی حسین تو نہیں جتنی وہ سمجھتا ہے۔ اس نے کہا چپ خبردار آگے نہ بولنا تو دیکھنے میں بھی ہوش میں ہے اور عشق و محبت کی دنیا میں یہ ہوش کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ نہ آر کا نہ پار کا، تو اس دنیا کی ہوش سے منہ پھیر اور مجھے دیکھنا ہے تو محبت کی نگاہ سے دیکھ، پھر شاید تمہیں دنیا میں مجھ سے بہتر کوئی حسین نظر نہیں آئے گا۔

دروغ برگردن راوی سنا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے رضاعی بھائی قیس عامری سے پوچھا ارے بھائی قیس! آج کل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابا جان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مسئلہ خلافت عروج پر ہے ذرا سوچ کے بتا کہ ان دونوں میں سے خلافت کا صحیح مستحق کون ہے۔ تو قیس نے کہا میری نظر میں تو ان دونوں میں سے مجھے کوئی مستحق خلافت نظر نہیں آتا۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا اگر دونوں میں سے کوئی صحیح مستحق خلافت نہیں تو پھر کون ہے۔ تو قیس نے کہا میری نظر میں تو صرف لیلیٰ ہی مستحق خلافت ہے۔

ایسی نقش ہوئی دل وچہ تیری تصویر
ہن نظراں چہ سوہنا کوئی جچدا ہی نہیں

عشق کے اس انوکھے باب کا رنگ انوکھا ہے اگر کوئی عام شخص کو کوئی عام سی عورت کوئی عام سی چیز پسند آ جائے تو انسان اسی پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے لیکن اگر پسندیدہ شخصیت ہو ہی وہ جس کو محبوبیت واقعۃً زیب دیتی ہو جس جیسا

کوئی نہ ہو۔ نہ اس جیسی کسی کی صورت ہو نہ سیرت، نہ اس جیسی کسی کی رفتار ہو نہ گفتار اس کا بولنا قانونِ الٰہی، اس کی حرکت پابند قانون الٰہی، جانور اس پر فدا ہوں پتھر اس پر قربان ہوں حیوان اسی پہ نثار ہوں، انسان اس کے قدم چومے، فرشتے اس کی اور اس کے غلاموں کی چاکری کرتے پھریں، راہیں اس کے لئے ہموار ہو جائیں۔ سنگلاخ چٹانیں جس کے لئے نرم و گداز ہو جائیں کنکر روڑ خاک کے ذرّے جس کا کلمہ یاد کرلیں۔ چاند اور سورج اس کے اشاروں پر نظام ہستی تبدیل کر دینے پر مجبور ہو جائیں۔ کھارے کنویں جس کی خاطر اپنا کھارا پن ہی کشید کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال باہر پھینکیں۔ ٹوٹی ٹانگیں اشارہ پاتے ہی جڑ جائیں۔ انگلیاں پنجاب یعنی پنج آبِ رحمت بن جائیں۔ عرش الٰہی جس کے تلوؤں کو بوسے دینے کو ترسے، ان گنت کھربوں، پدموں اور سنکھوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ستارے، جس کے احاطہ علم میں آکر محدود ہو جائیں اور معدود ہو جائیں جس نے ایک بار دیکھا۔ وہ بار بار دیکھنے کو ترسے۔

تیری پہلی نظر کا وار توبہ
ابھی تک دل ، دعائیں دے رہا ہے

جس کی شان میں ازل سے قصیدے لکھے جا رہے ہوں۔ توریت ہو، زبور ہو یا انجیل، جس کے اوصاف حمیدہ کے تذکرے سے مزین ہو۔ انبیاء اس کی صفتیں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے عہد و پیمان باندھیں کہ اگر ہماری عین شہرۂ نبوت کے جوبن کے عالم میں، تشریف لے آئیں تو ہم اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خود بھی اور ہماری امتیں بھی اسی کا کلمہ پڑھیں گے۔ اس سے تعاون کریں گے اس کے مشن میں اس کی مدد کریں گے۔

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقت ذبح جس کی التجائیں کیں

کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضو فشانی سے
وہ جس کی ضو بھڑکی جواب لن ترانی سے
وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیماں نے گدائی کی
دل یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لب عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے

وہ محبوب اگر فرمائے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کہ تم میں کوئی شخص بھی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے باپ سے اس کی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ بن جاؤں۔

تو بتاؤ، کسی کافر کا جی کرے گا ایسے محبوب کو چھوڑ کر، ایسے محبوبوں سے محبت کی پینگیں بڑھانے لگے جو قدر دان بھی نہ ہوں۔ جو بے وفا بھی ہوں۔ روتا چھوڑ جانے والے ہوں۔ زندگی بھر کی کمائی جس کے قدموں میں ڈھیر ہو اور وہ ٹھوکر مار کر چھوڑ کر چلے جائیں۔

ایک خوشبو سے مہک اٹھتی ہے دنیا ساری
جب تیرا نام میرے لب سے ادا ہوتا ہے

اسی محبوب سے محبت کا محبت بھرا ذکر، انسانوں سے آگے بڑھا جمادات و نباتات وحیوانات تک پہنچا اور یہی ہمارا موضوع ہے۔

مشکیزہ اور محبتِ راحتِ جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت محترمہ ام سلیم رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک کھونٹی تھی جس سے پانی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ جناب جان دو عالم، راحت قلب حزیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ شاید آپ کو پیاس محسوس ہوئی۔ آپ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور لٹکے ہوئے مشکیزے سے منہ لگا کر آپ نے پانی نوش فرمایا۔ میں نے قینچی لی اور جہاں آپ نے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تھا۔ میں نے مشکیزے کی اتنی جگہ کاٹ لی تاکہ وہ جگہ جہاں آپ کے لب مبارک لگے ہوئے تھے۔ اتنے سے مشکیزے کو تبرکاً اپنے پاس رکھ لوں۔ آپ کے اپنے الفاظ ہیں۔ فَقَطَعْتُ فَمُ الْقِرْبَةِ تَتَبُّعًا مَّوْضِعَةَ بَرْكَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ، یعنی میں نے مشکیزے کے اتنے حصہ کو کاٹ کر اپنے پاس برکت حاصل کرنے کے لئے محفوظ کر لیا۔ (ضیاء القرآن جلد ۵ ص ۵۵۹ سبل الہدیٰ جلد ۷ ص ۳۶۴)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر دربارِ رسالت کی ہمشیرہ صاحبہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے گھر کا اسی طرح کا ایک واقعہ بیان فرمائی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ ایک دن جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے گھر میں قدم رنجہ فرمایا اور کھونٹی سے لٹکے ہوئے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا۔ میں نے اس جگہ سے اتنا مشکیزہ کاٹ کر رکھ لیا جس جگہ آپ نے اپنا منہ مبارک لگایا تھا۔ وہ کاٹا ہوا مشکیزہ تبرک و برکات حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر میں رکھ لیا۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب کر، کشکولِ سوال لے کر آؤ ذرا محترمہ ام سلیم صاحبہ اور محترمہ کبشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیں۔ چمڑے کے ان ٹکڑوں میں کیا بھر گیا تھا۔ یا ان ٹکڑوں سے پوچھیں تمہاری اپنی ذاتی حیثیت کیا ہے کہ دنیا کے دانشور تمہیں پوری مشک سے کاٹ کر اپنے پاس رکھتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ محبت جو انسان کو محبوب کی چاہت میں اندھا کر دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ بظاہر ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا لیکن پوری زندگی کا سرمایہ اور اخروی زندگی کی نجات کا سرمایہ بھی یہی کچھ ہوتا ہے جو وہ کر گزرتے ہیں۔ سبحان اللہ

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

لبہائے محبوب کے بوسے لینے والا پیالہ

جس کے قدموں کی دھول اتنی بلند مرتبہ والی ہو کہ وحدہ لاشریک اللہ الصمد کی شان والا بے نیاز معبودِ حقیقی قسمیں کھائے۔ ان کے پنجے کی مٹھی کی طاقت کا سوال نہ کر جس کی ایک اشارہ انگشت سے چاند کے ٹکڑے ہو جائیں جس کے اشارۂ ابرو سے نظم کائنات درہم برہم ہو جائے۔ اس کے لبہائے مبارک کی قدر، وہ جانیں جن کے سامنے ان لبوں سے نکلے ہوئے لفظ سپارے، صفحے اور سورتیں بن جائیں اگر ان مبارک لبوں سے کسی چیز کو لمس نصیب ہو جائے یا کسی چیز کی ان سے نسبت ہو جائے۔ اس کا مقام و مرتبہ دیکھنا مقصود ہو تو آؤ۔ ایک عاشق کا اندازِ محبت دیکھ لیں۔

حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو خادمِ خاص تھے۔ آپ کے وصال مبارک کے بعد دیر تک آپ کے پاس ایک مٹی کا پیالہ تھا جو ٹوٹ گیا تھا اور موٹا سا تھا۔ اس کو آپ نے لوہے کی تاروں سے جوڑا ہوا تھا اور سونے چاندی کی زنجیروں سے باندھا ہوا تھا اور اسی میں آپ پانی وغیرہ نوشِ جان فرماتے تھے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس پیالے کو دیکھا تو فرمایا: لَا تُغَيِّرَنَّ شَيْئًا صَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ تَرَكَهُ یعنی جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح بنائی اور اس کو جس طرح چھوڑا اس کو ویسے ہی رہنے دو اور اس میں تغیر و تبدل نہ کرو۔ (ضیاء النبی جلد ۵ ص ۵۵۸)

حضرت محمد بن اسماعیل رضی اللہ عنہ بھی شاید اسی پیالے کا ذکر فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حضور حاضر ہوا۔

انہوں نے مجھے ایک لکڑی کا پیالہ دکھایا اور فرمایا یہ وہ مبارک پیالہ ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی وغیرہ پیتے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ ہمارے پیالوں میں پانی کیوں نہیں پیتے۔ جب کہ ہمارے پیالے نازک ہلکے اور خوبصورت بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ پیالہ بطور تبرک، برکت حاصل کرنے کے لئے رکھا ہوا ہے اور فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پیالہ میں اکثر پانی وغیرہ ڈال کر نوش فرمایا کرتے ہیں۔ یہ پیالہ القمر کے نام سے موسوم تھا۔ (ضیاء القرآن جلد ۵ ص ۵۵۹)

مشکیزہ اور پانی کی حضور سے محبت

مشکیزہ کی بات چلی تو مشکیزہ نے مجھے کہا میری بات تو مکمل کر لو۔ پھر آگے چلنا جن کے ذکر میں اتنی حلاوت ہے ان کے حضور میں حاضری کی کیا کیفیت ہو گی۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ ایک سفر میں تھے کہ آپ کے غلاموں نے پانی نہ ہونے کی شکایت کی۔ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ایک اور ساتھی کو ارشاد فرمایا تم اس طرف کو جاؤ۔ فلاں مقام پر تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے دو اونٹوں پر پانی کے بھرے دو مشکیزے ہیں۔ اس عورت کو لے آؤ۔

دونوں حضرات گئے۔ بتائی گئی جگہ پر پہنچے۔ وہ عورت مل گئی۔ دونوں حضرات نے اس عورت سے کہا تم ہمارے ساتھ چلو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا رہے ہیں وہ کہنے لگی کون اللہ کا رسول، وہ جو اپنے باپ دادا کے دین سے نکل گیا ہے۔

فرمایا ہاں تھوڑی سی جرح قدح کے ساتھ، وہ عورت کو ساتھ لے آئے۔ نبی

رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مشکیزے اتروا لئے۔ اور دونوں کے منہ کھول کر تھوڑا سا پانی ایک برتن میں لیا۔ اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور پھر مشکیزوں میں ڈال دیا۔

پھر آپ نے مشکیزوں کے منہ کھول دیئے اور صحابہ سے کہا سب لوگ اپنے اپنے برتن پانی سے بھرلو۔ اب وہ عورت پاس کھڑی حیرت سے دیکھ رہی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے لوگ اپنے اپنے برتن پانی سے بھر رہے ہیں اور مشکیزوں سے پانی کم نہیں ہو رہا بلکہ یوں بھرے ہوئے نظر آ رہے ہیں جیسے کسی نے ان میں ہوا بھر دی ہو۔

جب سب صحابہ کرام نے پانی بھر لیا تو آپ نے مشکیزے واپس کرتے ہوئے عورت سے کہا۔ اے عورت! ہم نے آپ کے مشکیزوں سے پانی نہیں بلکہ ہمیں یہ پانی اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے عطا فرمایا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اس عورت کے لئے کچھ کھانے کی چیزیں اکٹھی کرو۔ ایک کپڑا بچھا دیا اور ہر صحابی کچھ نہ کچھ اس میں ڈال رہا ہے حتیٰ کہ وہ کپڑا بھر گیا۔ آپ نے اس عورت کو وہ عطیات دیتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

وہ عورت، جب اپنے خاندان میں پہنچی، تو گھر والوں نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو عورت نے سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ وہ شخص یا تو بہت بڑا جادوگر ہے۔ یا وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس کے خاندان نے یہ بات سنی تو وہ سارا قبیلہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دامن اسلام میں داخل ہو کر صحابیت کے بلند مرتبہ کو حاصل کر لیا۔

(بخاری شریف صفحہ ۴۹ جلد ا خصائص کبریٰ صفحہ ۴۳ جلد ۲ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۳۳)

جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشکیزے میں پڑھ کر پانی ڈالا ہو گا تو پانی اور مشکیزہ دونوں سمجھ گئے ہوں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ پانی اور

مشکیزہ دونوں حکم کے غلام تھے بے شک وہ مشرکوں کے ہاتھ میں تھے لیکن جونہی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقع ملا۔ انہوں نے حق ادا کر دیا حتیٰ کہ جن مشرکین کے ہاتھوں میں زندگی گزاری تھی ان کے جنتی اور صحابی ہونے کے راستے ہموار کر دیئے۔

پتھروں کی حضور سے محبت اور آپ کی اطاعت

خیر القرون کے ابتدائی دنوں کے لمحات حسیں کی وادیوں میں انسانوں اور جنوں کے حصار سے باہر نکل کر دیکھا تو ہر کنکر ہر ذرّہ، ہر پتھر، ہر پہاڑ، بلکہ ہر بت کا مجسمہ تھے مخاطب ہو کر محبت حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار ہو کر مجھ سے کہہ رہا تھا۔ اے توصیف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زباں کھولنے والے نوکِ قلم کو تابدار کرنے والے، ہم سب اپنی اپنی کہانی سنانے کو بے چین و بے قرار ہیں۔ لوگ ہمیں بے حس کہہ کر گزر جاتے ہیں بے حس کہیں کے بے خبر ہی سارے زمانے کو بے خبر جانتے ہیں۔ وہ تو سارے زمانوں کی من اللہ خبر رکھنے والوں کو بھی بے خبر ہی کہتے ہیں۔ بے خبر کہیں کے۔ افسوس تو ہمیں اس بات کا ہے کہ باخبر کو باخبر سمجھنے والے بھی ہمیں بے حس کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم مسرتوں سے سرشار بھی ہوتے ہیں۔ ہم محبت کرنا جانتے ہیں۔ ہم نفرت بھی کرنا جانتے ہیں۔ ہم محبت میں رقص کرنا بھی جانتے ہیں ہم خوف خدائے ذوالجلال کے جلال سے ڈر کر رونا بھی جانتے ہیں۔ ہم ہجر و فراق میں تڑپنا بھی جانتے ہیں۔ ہم خوفِ الٰہی سے ریزہ ریزہ بھی ہوتے ہیں۔ ہم روتے ہیں تو شبنم کی طرح قطرہ قطرہ نہیں بلکہ چشمے جاری کرتے ہیں۔ نہریں بہاتے ہیں ہم آنے والے کو دیکھتے ہیں۔ اگر ذاکر ذکر الٰہی ہو تو بڑھ کر قدم چوم لیتے ہیں اور اگر غافل ذکر الٰہی ہو تو ہمارا جلال دیکھنے والا ہوتا ہے۔ آپ نے بھی شاید حضور سراپا نور و ظہور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ

دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ اے فلاں! کیا آج کوئی تیرے ہاں سے ایسا شخص گزرا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو۔

تو گویا ہم ذاکر ذکر خالق ارض و سماء اور ذاکر حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے ہاں آنے سے خوشیوں اور مسرتوں کی کتاب کا سرورق بن جاتے ہیں اور غافلوں کے آنے کی نحوست سے کبیدہ خاطر بھی ہوتے ہیں اور اگر ہمیں اجازت مل جائے تو ہم اسے اپنے اندر دھنسا بھی لیتے ہیں۔

آپ عاد وثمود کی کہانی پڑھ کر دیکھ لیں۔ کسی ایرے وغیرے اور نام نہاد دانشور یا مؤرخ کی لکھی کتاب کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔ خود خالق کائنات ارض وسماء کی کتاب پڑھ کر دیکھ لیں۔ باشندگان رس، باشندگان مدین اور اصحابِ لوط کے واقعات کے اوراق پلٹ کر دیکھ لو۔ جب ان نافرمانوں پر ہمیں برسنے کا حکم ہوا۔ تو طوفانِ بادوباراں میں ہم بھی شامل تھے۔ غصے اور جلال میں حضرت انسان کو اپنے بیگانے کا ہوش نہیں رہتا لیکن ہمارا معاملہ ایسا نہیں۔ ہم اس طیش اور جلال کے عالم میں بھی باہوش رہتے ہیں اور اپنے اور بیگانے کو پہچانتے ہیں جو بھی ہماری پارٹی کا بندہ ہو یعنی ہمارے خالق و مالک کا فرمانبردار بندہ ہو اس میں اور دوسرے غیر کے بندے میں ہم امتیاز کرنا جانتے ہیں۔ غیروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ ان کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا، عبرت کا نشان بنا دیا اور جو ہمارا تھا۔ ہمارے مالک کے اطاعت گزاروں میں تھا۔ اسے سنگ باری اور طوفان بادوباراں اور طوفان و سیلاب میں سے ایسے نکال لیا۔ جیسے مکھن میں سے بال نکال لیتے ہیں۔

پھر بھی آپ ہمیں بے حس کہتے ہیں اچھا یہ بتاؤ، تمہیں یہ تو یاد ہوگا کہ ہمارے خالق و مالک رب ذوالکرم والاحسان کے واحد نمائندہ دور حاضر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ جب عید کی نماز ادا کرنے جاؤ تو کوشش کرو جاتے ہوئے اور راستہ اختیار کرو اور واپس گھر کو لوٹتے ہوئے اور راستہ اختیار کرو۔ یہ کیوں فرمایا

ہے یہ صرف اس لئے ارشاد فرمایا کہ جب تم آتے جاتے تکبیر تشریق پڑھتے ہوئے آؤ اور جاؤ گے تو ان راستوں کے پتھر کنکر ذرے گلیاں اور بازار تمہاری تکبیر کے گواہ ہوں گے اور چشم دید گواہ ہوں گے اور اپنے مالک کے حضور کل قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ یا الٰہی یہ شخص واقعی ہماری پارٹی کا بندہ ہے۔ یہ حزب اللہ میں شامل ہیں اسے کچھ نہ کہا جائے۔

کیا یہ چشم دید گواہی کوئی بے حس بھی دے سکتا ہے۔ اگر اس کے باوصف آپ ہمیں بے حس ہی کہتے ہیں۔ تو ہمارے خیال میں یہ آپ ہی کی اپنی بے حسی کی دلیل ہے۔

اب ہم آپ کو اپنے چند ایسے واقعات سناتے ہیں جن سے آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمیں نہ صرف اپنی حیثیت کا احساس ہے بلکہ ہمیں انسان کو انسانیت کا احساس دلانے کا بھی احساس ہے۔ اگرچہ ہم پر صدیوں تک کے طویل عرصے میں خاموشی کا پہرہ رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہم کس سے بات کرتے، وہ لوگ جو اتنے اندھے، بہرے ہو چکے تھے جنہیں اتنا بھی احساس نہ تھا کہ ساری کائنات تو ہماری خدمت گزاری کے لئے بنائی گئی ہے اور ہم پتھر کے اپنے ہاتھوں بنائے صنموں کے حضور سرخمیدہ ہو چکے ہیں اور اس حماقت میں ایسی ایسی حرکتیں کرتے رہے ہیں کہ شرم سے سر جھک جاتے ہیں۔

ایک عرب کی کہانی سن لیں۔ پھر ہماری انسانیت کی تذلیل پر تڑپ اٹھنے کی کہانیاں ہم آپ کو سنائیں گے۔

وہ ایک سفر پر تھے۔ سفر بھی طویل اور تھکا دینے والا تھا کچھ مسائل بھی سفر میں کھڑے ہو گئے اور کوئی صنم بھی اپنے ساتھ سفر میں نہ لے جا سکے جب انسان پریشانیوں کا شکار ہوتا ہے تو فطری جبلت ہے کہ وہ اس پریشانی سے نجات کے لئے کسی سے منت سماجت کرے جو اس کے غم کا مداوا کر سکے۔ اس کے آگے ہاتھ

جوڑے، اس کے آگے سر کو جھکا دے تا کہ وہ اس کی تکلیف میں مدد کر سکے۔

ان دیکھے خدا کا، ان کے ہاں کوئی تصور بھی نہ تھا۔ اپنی گٹھڑی دیکھی تو اس میں پتھر کا بت، لکڑی کا بت یا کسی اور دھات کا بت بھی نہ تھا۔ جبلت مجبور کرتی ہے کہ دکھ کے مداوے کے لئے کوئی ہو اور وہ ہے بھی نہیں۔

اب ان کی ذہنی افلاس کی حالت کا اندازہ لگائیں کہ وہ کتنی بڑی حماقت کے لئے آمادہ ہوئے انہیں اسی دوران پیشاب کی حاجت ہوئی۔ پیشاب سے فارغ ہوئے تو دیکھا تھوڑی سی مٹی گیلی ہوگئی ہے۔ انہوں نے اسی موقع کو غنیمت جانا، وہ گیلی مٹی لی، اس کا ایک بت بنایا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

وہ انسان، جو مسجود و ملائک تھا جو مکرم و محترم تھا اشرفِ مخلوقات کے تاج کا سزاوار تھا۔ وہ بدقسمتی سے پیشاب کی ناپاک گیلی مٹی کے بت کے سامنے سرنگوں ہوگیا۔ ایسے بدقسمت انسان، ایسے ذہنی غباوت زدہ انسان، کو کوئی جھنجھوڑے بھی تو کیا جھنجھوڑے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اللہ تعالیٰ کو انسانیت پر رحم آیا اور اس گندگی سے نکالنے کے لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت ابر رحمت برسایا۔ جب ہمیں بھی کوئی امید کی کرن نظر آئی تو ہم نے بھی بیداریٔ احساس کا ثبوت دیا۔

سواع بت کی کہانی

ہم میں ایک پتھر کا بت تھا اس کا نام سواع تھا۔ سواع نے یہ کہانی سنائی کہ عقل کے اندھے، کمال دانشوری کے دعویدار، مجھے اپنے قبیلے کا بہت بڑا حاجت روا سمجھتے تھے بلکہ اپنا سب کچھ مجھی کو سمجھتے تھے۔ نذریں، نیازیں، منتیں، سب کچھ دن رات میرے حضور پیش کیا جاتا رہا۔

ایک صاحب تھے، راشد بن عبد ربہ، انہیں بنو ظفر نے کچھ تحائف دیئے اور کہا یہ تحائف ہماری طرف سے ''سواع'' کی نذر کر دینا۔ وہ صبح تک میرے پاس تو

نہ پہنچ سکے البتہ ایک اور بت خانہ تھا جس میں ''ضمار'' نامی بت ہمارا بھائی پوجا جاتا تھا۔ جب راشد اس کے ہاں پہنچا۔ وہ بھی صبح نور کے اجالے کے طلوع سے واقف ہو چکا تھا۔ اس نے چیخ چیخ کر اعلان کرنا شروع کر دیا۔ ''بنو عبدالمطلب سے ایک نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ زنا اور سود کو حرام قرار دیں گے۔ وہ بتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا حرام فرمائیں گے۔ آسمان کی حفاظت کر دی گئی ہے اور اب شیاطین کو انگارے مارے جائیں گے۔''

ابھی ضمار کی بات ختم ہوئی تھی کہ ایک دوسرا ہمارا بھائی بت پکار پکار کر کہنے لگا ''ضمار'' کی پوجا کو ترک کر دیا گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کی بہت پوجا کی جاتی تھی۔ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو گیا ہے۔ وہ نماز ادا فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، نیکی کرنے اور صلہ رحمی کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ پھر تیسرے بت کے پیٹ سے آواز آنے لگی۔

اِنَّ الَّذِیْ وَرِثَ النُّبُوَّۃَ وَالْھُدٰی
بَعْدَ ابْنِ مَرْیَمَ مِنْ قُرَیْشٍ مُھْتَدٰی

یعنی وہ ہستی عظیم جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بعد نبوت اور ہدایت کے وارث ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق قریش سے ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ وہ ایسے نبی محترم ہیں جو ماضی اور مستقبل کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔

راشد یہ باتیں، بتوں کی زبان سے، جنہوں نے پہلے کبھی زبان ہی نہ کھولی تھی سن کر حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد، جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ قدم رنجہ فرما چکے تھے۔ راشد میرے پاس آئے قدرت نے ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے میری بے بسی، میری بے چارگی دکھانے کے لئے ایک واقعہ رونما کر دیا۔ دو سانپ مجھ پر سوار ہیں۔ مجھے چاٹ رہے ہیں اور جو تحائف میرے آگے پڑے ہوئے تھے ان کو ہڑپ کر

رہے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں سانپوں نے مل کر میرے منہ پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔

راشد کو یہ منظر ہوش میں لانے کے لئے کافی تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ ہمارا عظیم تربت ''سواع'' اتنا بے بس ہے کہ دو سانپوں کو مار نہیں سکا۔ مارنا تو بڑی بات ہے اپنے منہ پر کئے جانے پیشاب سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے یہ شعر نکلا

أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانِ بِرَأْسِهِ
لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

کیا وہ بھی رب ہو سکتا ہے جس کے سر پر دو سانپ پیشاب کر رہے ہوں جس پر سانپوں نے پیشاب کر دیا۔ وہ تو ذلیل و رسوا ہو گیا۔

راشد کے دل کی کھڑکی کھل گئی یہی ہمارا مقصد تھا۔ وہ میرے ہاں سے مجھ سے نفرت کرتے ہوئے سیدھا مدینہ منورہ پہنچ گیا اور شاہِ شاہان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر آپ کے دست اقدس پر بیعت سے سرفراز ہوا پھر وہ صرف راشد نہیں تھا۔ وہ حضرت محترم سیدنا راشد رضی اللہ عنہ ہو گئے۔

مجھے بعد میں خبر ملی۔ سیدنا راشد رضی اللہ عنہ نے شہر یار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''رہاط'' کے مقام کی جاگیر طلب کی۔ وہ ذات جن کے ہاتھ میں مالک نے تمام کائنات کے خزانوں کی چابیاں دے دی ہوں۔ ان کا ان کو ''رہاط'' کی جاگیر بخشنا کون سا مشکل تھا۔ آپ نے ان کو وہ جاگیر بخش دی اور ساتھ یہ کرم فرمایا کہ ایک برتن منگایا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور حضرت راشد بن عبد ربہ سے فرمایا یہ پانی اس عطا کردہ جاگیر کی سب سے اونچی والی جگہ پر ڈال دینا اور اپنی ضرورت سے زیادہ مال کی ہوس کر کے مال کو لوگوں سے روک نہ لینا۔

انہوں نے ایسے ہی کیا جب وہ وہاں پہنچے تو آپ کا عطا کردہ پانی، زمین کی ایک اونچی سی جگہ پر ڈال دیا۔ پتہ نہیں اس تھوک آلود پانی نے اس اونچی زمین کو اپنی زبان میں کیا کہا یا زمین کی گہرائی میں کہیں چھپے ہوئے پانی کو کیسے آواز دی اور نبی مکرم کا کیا پیغام سنایا یہ راز کی باتیں ہیں وہ جانیں یا نبی پاک جانیں۔

لوگوں نے دیکھا، اسی جگہ پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ حضرت راشد نے اپنی جاگیر ''رباط'' میں کھجوروں کے باغات لگائے اور اسی پانی سے ان باغات کو سیراب کرتے تھے۔ حضرت راشد کو ان باغات سے بہت نفع ہوا۔

لوگ اس پانی کو ''ماء الرسول'' کے نام سے یاد کرتے تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ پانی، یہ پانی صرف پینے اور زمین کو سیراب کرنے ہی کے لئے نہ تھا بلکہ لوگ اس چشمے کو پیتے اور اس سے غسل کرتے تو بیماریوں سے شفا بھی پاتے۔

ٹھاٹھیں مار رہے ہیں مجھ میں عشق کے سات سمندر
جب سے مجھ پر تو نے رحمت کی اک بوند انڈیلی
صلی اللہ علیہ وآلہ بقدر حُسْنِہٖ و جمالہٖ

ضمار بت کی کہانی

میری کہانی بھی ''سواع'' سے مختلف نہیں۔ میں بھی اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا کہ یا مولا! یہ کیسے انسان ہیں جنہیں اتنا بھی شعور نہیں کہ وہ انسان ہو کر پتھر کے ایک بے جان بت کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ لیکن ان کی اصلاح کی کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر رحم آیا اور اس نے راہبر انسانیت کو مبعوث فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بھی اپنی جان چھڑانے کا موقع مل گیا۔ ہم ڈرتے تھے کہ کل قیامت میں جہنم میں پھینکے جانے والے انسانوں کے ساتھ ہمیں بھی اس کا ایندھن نہ بنا دیا جائے کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

کہ اس جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

مجھے جس شخص نے اپنا معبود بنا رکھا تھا اس کا نام تھا ''مرداس'' تھا وہ میری پوجا پاٹ کیا کرتا تھا، کبھی سر جھکاتا، کبھی گھٹنے ٹیکتا، کبھی کبھی تو مجھے اس کی ایسی حرکتوں پر ہنسی آ جاتی تھی جب اس بدنصیب کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے عباس کو اپنے پاس بلایا اور وصیت کی کہ ضمار کے پاس جایا کرو۔ اس کی عبادت کیا کرو وہ تمہیں بہت فائدہ دے گا۔ احمق کہیں کا بھلا جو اپنی ناک سے مکھی نہیں اڑا سکتا وہ کسی کو کیا نفع دے سکتا ہے۔

خیر! اب اس کا بیٹا عباس میرے پاس آنے جانے لگا۔ ان دنوں ہمارے کریم مالک و مختار کے محبوب ساری کائنات کے محبوب، اور ہمارے بھی محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔

ایک دن عباس بن مرداس میرے پاس آیا۔ اس نے پورے معبد میں جھاڑو دیا۔ صاف ستھرا کیا میرے سر کو چھوا آداب بجا لایا تو میں نے موقع غنیمت جان کر بولنا شروع کر دیا۔ جی ہاں ایک پتھر کا بت بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ۔ اپنے کریم محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پڑھنے لگا۔ آپ بھی میرے اشعار پڑھ لیجئے۔

قُلْ لِّلْقَبَائِلِ مِنْ سُلَيْمٍ كُلِّهَا ۔۔۔ اُوْدِیَ ضِمَارٌ وَ عَاشَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ

اِنَّ الَّذِیْ وَرِثَ النُّبُوَّةَ وَالْهُدٰی ۔۔۔ بَعْدَ ابْنِ مَرْيَمَ مِنْ قُرَيْشٍ مُهْتَدِی

اُوْدِیَ ضِمَارٌ وَكَانَ يُعْبَدُ مُدَّةً ۔۔۔ قَبْلَ الْكِتٰبِ اِلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ

یعنی اے عباس بن مرداس! ان تمام قبائل سے کہہ دو جن کا تعلق سلیم سے ہے کہ ضمار ہلاک ہو گیا اور اہل مسجد نے زندگی پا لی۔ بے شک وہ ذات جو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت اور ہدایت کی وارث بنی۔ اس کا تعلق قریش سے ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ضمار ہلاک ہو گیا حالانکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب نازل ہونے سے پہلے اس کی ایک طویل عرصہ تک عبادت کی جاتی رہی ہے۔

عباس کی قسمت جاگی اور میری کسک مٹی، اور دل کی حسرت پوری ہوئی کہ عباس کی میرے ان اشعار سے آنکھیں کھل گئیں۔ وہ اسی وقت اپنے قبیلہ بنو حارثہ کے پاس پہنچا۔ سارا واقعہ سنایا سمجھ دار آدمی تھا اور معتبر بھی سارے قبیلے نے اس کی بات مانی اور سارا قبیلہ اس کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ جب سرکار نے عباس کو دیکھا تو تبسم فرمایا ان کے تبسم کی اس ادا پر ہزار جان تصدق، آپ نے ارشاد فرمایا، عباس! ذرا اپنا واقعہ بیان کرو جس واقعہ کی بناء پر ایمان کی توفیق نصیب ہوئی تو عباس نے میرے متعلق سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا عباس! تو نے سچ کہا ہے اس کے بعد وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر صحابیت کے مقام ومرتبہ پر فائز ہوا۔

اک نام بچاتا ہے مجھے رنج و الم سے
اک ذات ہے جو مجھ کو بکھرنے نہیں دیتی
اب کوئی بچائے نہ بچائے مجھے ناصر
اک نعت ہی سرکار کی مرنے نہیں دیتی

اللھم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وعلیٰ آلہٖ وسلم تسلیما

(حجۃ اللہ العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ا ص 316)

بادر بت کی کہانی

سواغ، ضمار کی طرح میں بھی بت خانے میں بھگوان بنا بیٹھا تھا۔ مازن بن القصر مجھے پوجتا، چومتا، چاٹتا نذرانے پیش کرتا، میرے حضور قربانیاں پیش کرتا،

اپنی ہر تکلیف، دکھ اور پریشانی میرے سامنے پیش کرتا۔ گڑگڑاتا، خدا کی شان، انسان ہو کر مجھ پتھر کے آگے سر جھکاتا، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ شرم سے ڈوب مرجاتا لیکن اس کی عقل کا شعور کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ اسے تو احساسِ محرومی بھی نہیں تھا البتہ الٹا میں اپنے مخدوم کو اپنے حضور جھکتا ہوا دیکھتا تو شرم سے ڈوب کے مرجاتا۔

بشر بے چین ہو تو انقلاب آیا ہی کرتا ہے
گلوں کے داغ دھونے کو سحاب آیا ہی کرتا ہے
پرانے ساغروں میں جب کھنک باقی نہیں رہتی
تو گردش میں نیا جام شراب آیا ہی کرتا ہے

بس اس کے کفر و شرک کی دنیا میں انقلاب آ گیا۔ ضلالت و گمراہی کے اندھیرے چھٹنے لگے۔ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری کا وقت آ گیا۔ ہمیں محسوس ہو گیا اگر ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے، دکھ سے، کرب سے، ان انسانوں پر رحم کھاتے ہوئے عرض کریں تو ہماری سنی جائے گی۔

بس ایک دن مازن بن القصر میرے پاس ایک ذبیحہ لے کر آیا۔ میں یہ بتانا بھول گیا کہ میرا مسکن ''عمان'' میں تھا۔ خیر جب وہ ذبیحہ لے کر آیا اور اس نے اسے مجھے حضور پیش کیا تو میں نے بڑی فصیح و بلیغ عربی میں چند اشعار پڑھے جنہیں سن کر اس کی تقدیر بدل گئی۔ یہی میرا مقصد تھا آپ بھی وہ اشعار پڑھ لیجئے اور جھوم جائیے۔

يَا مَاذِنُ اِسْمَعْ تَسُرْ ظُهُوْرَ خَيْرِ بَشَرْ

یعنی اے مازن! سن! تم خوش ہو جاؤ کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔

بُعِثَ نَبِيٌّ مِنْ مُّضَرْ يُدِيْنُ دِيْنَ اللّٰهِ بِرْ

قبیلہ مضر سے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے وہ لوگوں کو اللہ

تعالیٰ کے پاکیزہ دین کی تبلیغ فرماتے ہیں۔

فَدَعْ نَحِيْتًا مِنْ حَجَرَ   تَسْلَمْ مِنْ حَرِّ سَقَرْ

پتھر کے بتوں کو چھوڑو۔ جہنم کی گرمی اور آگ سے بچ جاؤ گے۔

مازن بن القصر پہلے تو بہت خوفزدہ ہو گیا۔ وہ بت جو گونگا بہرا اور اندھا ہے یہ کیسے بولنے لگا ہے۔ شاید اسے خبر نہیں تھی کہ گونگوں، بہروں اور اندھوں کو قوت گویائی قوت بصارت اور قوت سماعت بانٹنے والا آ گیا ہے۔ اسی کے صدقے مجھے گویائی ملی تھی۔ میں انہی کا ادنیٰ کارکن اور سپاہی بن کر ان کی صفت وثناء بھی کر رہا تھا اور پتھر کا بت ہو کر ان کے مشن کی تبلیغ بھی کر رہا تھا۔ میں نے اسے جھنجھوڑا آواز دی اور کہا۔

اَقْبِلْ اِلَیَّ اَقْبِلُ مُسْتَمِعًا لَا تَجْهَلُ   هٰذَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ جَاءَ بِحَقٍّ مُنْزَلُ

ادھر میری طرف آؤ، آؤ آؤ غور سے سنو اور جاہل نہ بنو۔ یہ نبی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مرسل ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور سچا کلام لے کر تشریف لائے ہیں۔

قدرت نے میری تدبیر کا سبب بنایا اور مازن کی تقدیر بدلنے کا سامان پیدا کیا۔ ابھی مازن اسی کیفیت میں تھا کہ ایک مسافر ادھر سے گزرا۔ وہ مازن کے پاس ٹھہرا۔ اس نے مسافر سے پوچھا کوئی انوکھی یا کوئی نئی خبر تو نے سنی ہے۔ اس نے کہا ہاں! حجاز مقدس میں ایک ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جس کا نام مبارک احمد ہے۔ اس کے پاس جو بھی جاتا ہے وہ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کی دعوت پر لبیک کہو۔

مازن نے یہ بات سنی اور میرے پاس آیا اور مجھے ریزہ ریزہ کر دیا۔ مجھے میرا ٹکڑے ہونا ہی میرا ٹوٹ پھوٹ جانا ہی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچا گیا۔ الحمد للہ

مازن نے اپنی سواری تیار کی۔ اس پر بیٹھا اور سیدھا مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس کی راستے بھر کی کیفیت کا اندازہ۔ اس سے لگا سکتے ہیں۔ وہ ہمارے کریم آقا کی شان میں شعر بناتا جاتا تھا، پڑھتا جاتا تھا جو اس نے آپ کی محفل پاک میں جا کر سنائے۔

كَسَرْتُ بَادِرًا جُذَاذًا وَكَانَ لَنَا
رَبًّا نُّطِيْفُ بِهٖ حَيْنًا بِتَضْلَالِ

میں نے اپنے بت بادر کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ ہمارا رب تھا اور ہم گمراہی میں ڈوبے ہوئے۔ اس کا طواف کرتے تھے۔

بِالْهَاشِمِيِّ هُدِيْنَا مِنْ ضَلَالَتِنَا
وَلَمْ يَكُنْ دِيْنُهٗ شَيْئًا عَلٰى بَالِ

اللہ تعالیٰ نے ہماری گمراہی سے اپنے نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی حالانکہ پہلے آپ کی دین کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔

يَا رَاكِبًا بَلِّغْ عَمْرًا وَاِخْوَتَهَا
اِنِّيْ لَمَّا قَالَ رَبِّيْ بَادِرٌ قَالِيْ

او جانے والے سوار، یہ بات جا کر عمر کو اور اس کے بھائیوں کو سنا دو کہ جب اس نے کہا کہ میرا رب بادر ہے تو میں اس سے بالکل ناراض ہو گیا۔

بس اسی مستی میں اشعار پڑھتا جاتا تھا اور سفر کرتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ عرش کے دولہا لیکن بوریا نشیں ماہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر آپ کی بیعت کی۔ دائرہ اسلام میں داخل ہوا جہنمی سے جنتی ہوا۔ خاکی سے نوری ہوا۔ صابی سے صحابی ہوا اور رضوان من اللہ کا سزاوار ہوا۔ اب میں جب بھی ان کا نام لیتا ہوں۔ بے ساختہ میری زبان سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکل جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے

راضی ہو گیا۔

مازن، اسلام لانے سے پہلے بہت عیاش تھے۔ حسین عورتوں کے رسیا تھے۔ شراب و کباب کی مستی چڑھی رہتی تھی اور بے اولاد بھی تھے۔ جب وَیُزَکِّیْھِمْ کی شان والے محبوب کی محفل میں بیٹھے اور اپنی زندگی کی ذہنی غلاظت سے نفرت پیدا ہو گئی اور عرض کیا حضور! میں گانے بجانے کا بہت شوقین ہوں۔ حسین عورتوں کا دلدادہ ہوں۔ شراب و کباب میری خوراک ہے اور اولاد کی نعمت سے بھی محروم ہوں۔ میرے حق میں دعا فرمائیے۔ اگر ظاہر بدلا ہے سوچ اور فکر بدلی ہے تو بری عادات بھی بدل جائیں۔ کیونکہ سنا ہے عادتیں نہیں بدلتیں۔ کہ اس کا تریاق صرف ایک دعا ہے۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کا مژدہ پانے والے محبوب نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اے میرے مولا! مازن کے گانے سننے کے شوق کو قرآن پاک پڑھنے اور سننے کا شوقین بنا دے۔ اس کے حرام کو حلال میں تبدیل کر دے۔ شراب کے بدلے اس کو ایسی سیرابی عطا فرما جس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ اس کی بدکاری کو عفت و پاکیزگی میں بدل دے۔ اس کو شرم و حیا عطا فرما اور لخت جگر بھی عطا فرما۔

تیرے مونہوں گل جیہڑی نکلے اوہ تیر اے
جیہڑا توں اشارہ کریں اوہو تقدیر اے

سرکار کی دعا قبول ہوئی، مازن نے قرآن پاک یاد کر لیا۔ بری عادات نے اپنا رُخ اس کی طرف سے پھیر لیا۔ اس کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ انہوں نے چار بیویوں سے نکاح فرمایا۔ ان سے اولاد بھی ہوئی یعنی ہر طرف آبادیاں ہی آبادیاں تھیں۔ شادابیاں ہی شادابیاں تھیں۔ ایک بار آپ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور سراپا سپاس گزار ہوتے ہوئے یہ اشعار حضور کی خدمت میں پڑھ کر سنائے۔

اِلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ حَنَّتْ مُطِيَّتِیْ

تَجُوْبُ الْفَيَافِیْ مِنْ عُمَّانَ اِلَی الْعَرَجِ

یارسول اللہ! میری اونٹنی اب صرف آپ ہی کی جانب سفر شوق کرتی ہے اور عمان سے عرج تک کے جنگلات کو عبور کرتی ہے۔

لِتَشْفَعَ لِیْ يَاخَيْرَ مَنْ وَطِیَ الْحَصٰی

فَيُغْفَرُ لِیْ ذَنْبِیْ وَارْجِعُ بِالْفَلَجِ

تاکہ آپ میرے لئے شفاعت فرمائیں۔ اے کائنات کے بہترین انسان! اور میرے گناہ معاف ہو جائیں اور

اِلٰی مَعْشَرٍ خَالَفْتُ فِی اللّٰهِ دِيْنَهُمْ

وَلَا رَأْيُهُمْ رَأْيِیْ وَلَا نَهْجُهُمْ نَهْجِیْ

معشر کی طرف کامیابی سے لوٹوں۔ میں نے اللہ کے لئے ان کے دین کی مخالفت کی۔ نہ ان کی رائے میری رائے ہے۔ نہ ان کا طریقہ میرا طریقہ ہے۔

وَكُنْتُ امْرَأً بِالْعُهْرِ وَالْخَمْرِ مُوْلَعًا

شَبَابِیْ حَتّٰی اٰذَنَ الْجِسْمَ بِالنَّهْجِ

میں تو وہ شخص تھا جو شراب اور بدکاری کا دلدادہ تھا۔ لیکن انہوں نے مجھے راہ راست سے آگاہ کر دیا۔

فَبَدَّلَنِیْ بِالْخَمْرِ خَوْفًا وَّخَشْيَةً

وَبِالْعُهْرِ اِحْصَانًا فَحَصَّنَ لِیْ فَرْجِیْ

اللہ تعالیٰ نے میری شراب نوشی کو خوف و خشیت میں تبدیل کر دیا اور مجھے بدکاری سے محفوظ کر دیا اور میری شرمگاہ کی حفاظت کر دی۔

فَاَصْبَحْتُ هَمِّیْ فِی الْجِهَادِ وَنِيَّتِیْ

فَلِلّٰهِ صَوْمِیْ وَلِلّٰهِ مَا حَجِّیْ

اب میرا ارادہ اور میری نیت صرف جہاد کرنے کی ہے اور میرا روزہ اور میرا حج بھی اسی کے لئے ہے۔

جب حضرت مازن اپنی قوم قبیلے اور خاندان کی طرف لوٹے تو انہوں نے بڑا برا بھلا کہا۔ بڑی سختی کی حتیٰ کہ کچھ شاعرات سے ان کی ہجو بیان کرنے پر لگا دیا۔ جب وہ شاعران کی توہین آمیز اشعار پڑھتے تو آپ فرماتے مجھے تمہاری ہجو کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں تو خود اپنے نفس کی ہجو بیان کرتا ہوں جس نے اتنی دیر تک میرے مالک سے مجھے دور رکھا۔

آپ نے اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کر لی جس میں عبادت کرتے اگر کوئی مظلوم ان کے پاس آتا تین دن اُن کے ساتھ نماز ادا کرتا اور پھر اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے لئے جو دعا کرتا قبول ہو جاتی اگر کوئی مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ اس مسجد میں کھڑے ہو کر دعا مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس کو آرام وسکون اور شفاء عطا فرماتا۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم بن عطا السلمی سے روایت بیان کی ہے۔

(حجۃ اللہ العالمین جلد اص 314\312)

یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن ان کی ساری قوم نادم ہو کر حاضر ہوئی معافی طلب کی اور آپ پوری قوم کو لے کر بارگاہ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے کر گئے اور پوری قوم کو دائرہ اسلام میں داخل فرما کر مامون ومعصون من عذاب النار فرما دیا۔

آپ ہزار بار مجھے بے حس کہیں لیکن اس پورے خاندان کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بنانے میں مجھے جو سرشاری نصیب ہوئی وہ بہت کم حساس انسانوں کو نصیب ہوئی ہو گی۔

عشق احمد سی دنیا میں نعمت نہیں　　مال و زر کی بھی کوئی حقیقت نہیں

بادشاہوں سے بہتر بھکاری ہے وہ ان کے در کے جو ٹکڑوں پہ پلتا رہے

نجم کی اے خدا آرزو ہے یہی عاشق زار کی آبرو ہے یہی
آخری وقت سر ان کے قدموں میں ہو دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے
(نجم نعمانی)

اللھم صل وسلم و بارك علی سیدنا محمد وعلی آله
حتی لایبقی من الصلوٰۃ والسلام و البرکة شی

خثعم کے قبیلے کے بتوں کی کہانی

ہم بھی سواع، ضمار اور بادر جیسے بتوں کے بھائی تھے۔ ہماری بدقسمتی کہ نجانے، ہم ان بدبختوں حیوانوں سے بدتر انسان کے ہاتھ کیسے آ گئے۔ انہوں نے خود اپنی صنّاعی اور کمال محنت سے ہمیں گھڑا ہمارے ہاتھ پاؤں اور سر بنائے۔ ناک نقشہ خوبصورت بنایا۔ جو ان کے اپنے ذہنوں میں نقش تھا پھر ہمیں اپنے ہاتھوں بلند جگہوں پہ رکھا۔ ہم تو خود اٹھ بھی نہ سکتے تھے پھر ان انسانوں نے، اپنی پیشانی ہمارے سامنے ٹیک دی۔ آہستہ آہستہ نسل در نسل ہم بڑے ہوتے گئے اور انسان نما یہ ہیولے چھوٹے ہوتے گئے۔ ان کی سزا بھی یہی تھی جس انسان کو اتنا بھی شعور نہ ہو کہ جو پتھر اپنے آپ اپنا پہلو نہیں بدل سکتا۔ وہ تمہاری تقدیر کیسے بدل سکتا ہے۔ اس کے باوصف اگر وہ پھر بھی پتھر کے حضور ہی سجدہ ریز ہو جائے۔ اسی کو حاجت روا مانے اسی کو مشکل کشا تصور کرے۔ زندگی اور موت عزت و ذلت رزق اور دولت، شان و شوکت اسی سے طلب کرے تو بتائیں۔ ایسے مجسمے کو انساں کہنا انسانیت کی توہین نہیں۔ اسی وجہ سے انسان بلند قامت ہوتے ہوئے بھی چھوٹا ہوتا گیا۔ اور پھر اس مقام تک پہنچ گیا کہ لم یکن شیا مذکور کہ یہ اس قابل بھی نہ رہا کہ یہ کوئی قابل ذکر شے ہوتا۔

خثعم تو ایک ایسا قبیلہ تھا جس کو حلال و حرام کی کوئی تمیز ہی نہ تھی۔ انہوں نے

اپنے صنم خانے میں کئی بت بنا رکھے تھے۔ ہر کام کے لئے ہر مشکل کے لئے ہر پریشانی کے لئے علیحدہ معبود بنا رکھے تھے اور ہم اندر ہی اندر شرم وندامت سے اور اللہ تعالیٰ کے جہنم کی آگ سے خوفزدہ رہتے تھے۔ کہ آخر خدائے رحمٰن و رحیم کے حضور ہماری خشیت اور ہمارا گڑگڑانا اور ہماری بے بسی پر رحم آ گیا اور اس نے ہمیں عذاب نار کا ایندھن ہونے سے بچالیا۔ راحت قلب حزیں، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بھی مخدوم ومحبوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی ایک آزاد حکومت کی بنیاد رکھ دی تو ہمیں بھی مالک نے توفیق بخش دی۔ ہم تو اپنے مالک کے بندے ہیں۔ اسی کے حکم کے آگے سرنگوں کرنے والے ہیں۔ جب ہمارے خالق و مالک کے محبوب آئے ہی اس لئے تھے کہ ان حیوانوں سے بدتر ذہنیت کے انسانوں کو انسان بنانا ہے۔ ان کا کھویا ہوا وقار ان کو واپس کرنا ہے تو پھر ہم اپنے فرض سے کیوں کوتاہی کرتے۔

ایک رات کی بات ہے وہ رات ان کو جگانے کی رات تھی۔ پوری قوم کے بڑے بڑے سرکردہ ہمارے حضور فرمانبردار غلاموں کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا آپس میں کوئی باہمی جھگڑا تھا جس کا فیصلہ کرانے وہ ہمارے پاس آئے ہوئے تھے۔ اندھے کہیں کے کہ ہم میں سے ایک بت نے اچانک بولنا شروع کر دیا۔

یَـــا اَیُّھَـــا الـــرَّکْـــبُ ذُوْ وَالْاِحْـــکَـــامِ

مَـــا اَنْـتُـــمْ وَطَـــائِشُـــوْا لَاحْلَام

اے قافلے والو! جو فیصلہ کروانے آئے ہو تمہیں کیا ہو گیا۔ تمہاری عقل کہیں ٹھکانے تو نہیں لگ گئی۔

وَ مُسْـــنِـدُو الْـحُـکْـمِ اِلَـی الْاَصْـنَـامِ

اَمَـــا تَـــرَوْنَ مَـــا اَرٰی اَمَـــامِـــیْ

اور جس فیصلہ کو بتوں کی طرف منسوب کرتے ہو تم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے جس کو تم اپنے سامنے دیکھ رہے ہو۔

مِنْ سَاطِعٍ یَجْلُوْا دُجَی الظَّلَامَ
هٰذَا نَبِیٌّ سَیِّدُ الْاَنَامِ

دیکھو! اس پھیلنے والی چیز کو جس نے ظلمتوں کو کافور کر دیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ جو تمام لوگوں کے سردار ہیں۔

مِنْ هَاشِمٍ فِیْ ذِرْوَةِ السَّنَامِ
یَصْدَعُ بِالْحَقِّ وَ بِالْاِسْلَامِ

وہ قبیلہ ہاشم کے ایک عظیم انسان ہیں۔ وہ حق اور اسلام کو بیان کرتے ہیں۔

اَعْدَلَ ذِیْ حُکْمٍ مِّنَ الْاَحْکَامِ
مُسْتَعْلِنَّ بِالْبَلَدِ الْحَرَامِ

فیصلے کرنے والوں میں وہی سب سے زیادہ عادل ہیں۔ وہ مکہ معظّمہ میں اسلام کو ظاہر فرمائیں گے (تم ہم سے فیصلے کروانے آ گئے ہو۔ فیصلے ان سے جا کر کراؤ جو سب سے بڑے عادل ہیں)

قَدْ طَهَّرَ النَّاسَ مِنَ الْاٰثَامِ
جَاءَ بِهَدْمِ الْکُفْرِ بِالْاِسْلَامَ

انہوں نے لوگوں کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور وہ اسلام کے ساتھ کفر کو مٹانے کیلئے تشریف لائے ہیں۔

ہمارے ساتھی کا تیر نشانے پر بیٹھا پہلے تو وہ خوف زدہ ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اس طرف مائل کر دیا وہ اٹھے، مکہ معظّمہ پہنچے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ ہمیں اپنے محبوب کے جاں نثاروں کی فوج میں اضافے کی سعادت حاصل ہوئی یہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے بہت کرم فرمایا۔

حضرت اسماعیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حجۃ اللہ العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جلد نمبر ا ص 316)

اس واقعہ کو واقدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

میں جو اک برباد ہوں، آباد رکھتا ہے مجھے
دیر تک اسم محمد ﷺ شاد رکھتا ہے مجھے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ بِقَدَرِ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

ضمام بت کی کہانی

میں بھی بادر سواع اور خثعم قبیلہ کے بتوں کی مانند ایک بت تھا۔ میں یمن کے ایک قبیلہ بنو عدزہ کا ایک بت تھا۔ یہ قبیلہ میرا بہت احترام کرتا تھا۔ میں ہند بن حرام کے قبیلہ کے محلے میں تھا۔ میری خدمت اور دیکھ بھال کے لئے ایک شخص طارق نامی مامور تھا۔ لوگ میرے پاس آکر میرے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔

میری حالت بھی اپنے دوسرے بہت سے بھائیوں کی طرح تھی۔ میں بھی اپنے اندر کے غبار سے جلتا رہتا تھا۔ ہر وقت اپنے مالک کے حضور التجائیں کرتا رہتا تھا۔ میرے مالک اس بدقسمت انسان کی تقدیر کب بدلے گی اور مجھے ان کی احمقانہ حرکتوں سے کب نجات نصیب ہو گی۔ پس مالک نے کرم فرمایا میرے صدیوں کے کرب سے میری نجات کا وقت آ گیا اور انسانوں کی تقدیر سنورنے کا وقت بھی آ گیا۔

فَجَاءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِیْرًا
فَصَلُّوْا عَلَیْہِ کَثِیْرًا کَثِیْرًا

ہمارے آقا تشریف لے آئے۔ وہ ہمارے بھی رسول ہیں۔ بدقسمت انسان تو پھر سوچ میں پڑ گیا۔ ہم نے تو سوچا بھی نہیں۔

اس میں کیا ہے کیا نہیں　　اس سے مجھ کو کیا غرض
بس مجھ کو وہ اچھا لگا　　پھر میں نے سوچا کچھ نہیں
اس کی بابت سوچنا　　اور سوچنا بھی رات دن
پھر بھی مجھ کو یوں لگا　　کہ میں نے سوچا کچھ نہیں

خیر ایک دن جب کہ سراجِ منیر طلوع ہو چکا تھا لوگ کچھ جانور لے کر میرے حضور ذبح کرنے کے لئے حاضر تھے اور ان میں زمیل بن عمرو العذری میرے قریب تھا کہ میں نے بلند آواز سے ان سے کہا۔ اے بنو ہند بن حرام! حق ظاہر ہو گیا۔ ضمام ہلاک ہو گیا۔ اسلام نے شرک کا خاتمہ کر دیا۔

زمیل بن عمرو، ایک بت کو، پتھر کے بت کو، بولتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گیا اور کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ میری نیت بھی ان کو جھنجھوڑنا ہی تھا۔ چند دن گزر گئے اور پھر میں نے اپنے خادم کو پکار کر کہا۔ اے طارق! ہوش میں آؤ۔ نبی صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ناطق کا نزول ہوتا ہے۔ تہامہ کی سرزمین میں ان کا ظہور ہو چکا ہے۔ ان کے مددگاروں کے لئے سلامتی ہے اور ان کے دشمنوں کے لئے شرمندگی ہے، ندامت ہے۔ آج میں تمہیں روز حشر تک اپنی طرف سے الوداع کرتا ہوں، یہ کہا اور میں دھڑام سے نیچے آ گرا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ میری ٹوٹ پھوٹ میرے بھی کام آئی کہ میں اپنے مالک کے محبوب اور اپنے مخدوم و مطلوب کے مشن کی تکمیل میں ان کی محبت و موٗدت اور ان کی اطاعت میں کام آ گیا اور مجھے پوجنے والوں کی تقدیر بھی بدل گئی۔

زمیل بن عمرو العذری میرے ہاں سے اٹھا۔ اس نے ایک اونٹنی خریدی۔ اپنی قوم کے چند افراد کو ساتھ لیا اور بارگاہِ رسالت پناہ میں جا حاضر ہوئے۔ سلامِ نیاز عرض کیا۔ پورے راستے نہ جانے ان پر کیسی مستی چھائی رہی۔ یہ مستی یہ محبت انسان کو ویسے ہی شاعر بنا دیتی ہے۔ وہ بھی راستے میں شعر کہتے گئے۔ اونٹنی ہانکتے

گئے، اور حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اپنے اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت زمیل کے اشعار آپ بھی پڑھ لیں۔ ایمان تازہ ہو جائے گا۔

اِلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْمَلْتُ نَصَّهَا
اُكَلِّفُهَا حُزْنًا وَ غُوْرًا مِّنَ الرَّقْلِ
لَاَنْصُرُ خَيْرَ النَّاسِ نَصْرًا مُؤَزَّرًا
وَاَعْقِدُ حَبْلًا مِّنْ حِبَالِكَ فِيْ جَبَلِ
وَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا شَيْءَ غَيْرُهُ
اُدِيْنُ لَهُ مَا اَثْقَلَتْ قَدَمِيْ نَعْلِيْ

یعنی یا رسول اللہ صلی علیک وسلم میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے صرف آپ ہی کے لئے اپنی اونٹنی کو اتنی دور سے تکلیف دی ہے اور اس کو ریت کے ٹیلوں پر چلایا ہے تا کہ میں تمام لوگوں میں ایک بہترین شخص کی مدد کروں اور آپ کی رسیوں میں سے ایک رسی اپنی رسی سے باندھ لوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں اور میں آپ کے دین کو اس وقت تک اختیار کرتا ہوں جب تک میرے پاؤں میرے جوتے سے بوجھل رہیں گے۔ (یعنی تاحیات آپ کی غلامی اختیار کرتا ہوں)

(حجۃ اللہ العالمین علی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ا ص 317)

کبھی اشک کوئی بہا لیا کبھی زخم دل کو سجا لیا
یہی حال تھا مرا روز و شب کہ کسی نے در پہ بلا لیا

اللھم صل وسلم و بارك على سيدنا محمد و على آل محمد حتى لايبقى من الصلوة و السلام و البركة شيءٌ

حضرت وائل بن حجر الحضر می کے بت کی کہانی

مجھے میرا نام یاد نہیں، پتہ نہیں وہ میرا کیا نام لیتے تھے۔ خیر نام ونمود میں کیا رکھا ہے۔ میں حضر موت کے علاقہ میں ایک بت خانہ میں نصب تھا۔ دوسرے بتوں کی طرح، لوگ میری پوجا پاٹ کرتے تھے اور اسی طرح صدیاں بیت گئیں اور میں اس بے جا نام ونمود سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا۔ کوئی ایسا وقت آئے اور اس جھوٹی نام ونمود اور جھوٹی وفانی خدائی سے جان چھوٹے اور میں بھی کہیں۔ ان پتھروں میں شمار نہ کرلیا جاؤں جو انسانوں کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

میں مسند خدائی پر بیٹھا بھی خوش نہ تھا بلکہ خون کے آنسو روتا تھا۔ میرا رونا میری زاری میرے کام آ گئی اور خالق عالم کی تخلیق اول رونق گلزار ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری ہوگئی۔ میں جسماً بھی ٹوٹ پھوٹ جانا چاہتا تھا لیکن کچھ کر کے جانا چاہتا تھا۔ الحمد للہ میں نے اپنے مالک کے محبوب کے غلاموں میں محبت کرنے والوں میں۔ ایک ایسے غلام کا اضافہ کرنے کا باعث بن گیا جو میری آخرت سنوارنے کا سبب بن گیا۔

حضر موت کے علاقہ کے ایک بادشاہ الحجر الحضومی تھا۔ ایک نوجوان خوبصورت خوبرو، تنومند، ذہین وفطین، میرے قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ اس کا حسن دیکھ کر میرے دل میں آئی آدمی ایسا حسین وجمیل اور بہادر وعقلمند جہنمی نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے اس کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے بڑے ہی دردناک انداز سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پڑھنا شروع کر دی۔ اس نعت میں تبلیغ وعظ ونصیحت بھی تھی۔

وَاعَجَبَا لِوَائِلِ ابْنِ حَجَرٍ
یَخَالُ یَدْرِیْ وَهُوَ لَیْسَ یَدْرِیْ

وائل ابن حجر پر تعجب ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے حالانکہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

مَاذَا یُرْجِیْ مَنْ نُحِیْتُ صَخْرٍ
لَیْسَ بِذِیْ نَفْعٍ وَلَا ذِیْ ضَرٍّ

اسے کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایک گھڑے ہوئے بت سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے جو نہ نفع دینے والا ہے اور نہ نقصان دینے والا ہے۔

لَوْ کَانَ ذَا حِجْرٍ اَطَاعَ اَمْرِیْ

اگر صاحب عقل و شعور ہے اور ذی حجر ہے تو میرے حکم کو مان لے۔

وائل بڑے تعجب سے میری طرف مائل ہوا اور کہنے لگا، اے کچھ کہنے والے! میں تیری بات غور سے سن رہا ہوں تو جو کہنا چاہتا ہے کہہ دے۔

پھر میں نے کہا:

اِرْحَلْ اِلٰی یَثْرِبَ ذَاتَ نَخْلٍ
تَدَیَّنْ دِیْنَ الصَّائِمِ الْمُصَلِّیْ

تو یثرب کی طرف روانہ ہو جا وہ کھجوروں والی سرزمین ہے۔ وہاں روزہ رکھنے والے اور نماز قائم کرنے والے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کا دین اختیار کر

مُحَمَّدِ النَّبِیِّ خَیْرِ الرُّسُلِ

وہ محمد رسول اللہ نبی ہیں، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور سارے رسولوں سے افضل ہیں۔

یہ کہہ کر میں تو منہ کے بل گر پڑا، وائل کا خدا بھلا کرے۔ اس کے میری باقی کسر بھی پوری کر دی اور مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آگے کی کہانی آپ خود ان سے

سن لیں۔

حضرت وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ عنہ کی داستان بھی پرکیف قابل فخر اور ایمان افروز ہے۔آپ کی کنیت ابو ہنیدہ تھی۔ ان کا باپ وقت کا بادشاہ تھا۔آپ فرماتے ہیں ہم اس بت خانہ سے بت کی بات سن کر اس کے خود بخود گرنے اور ٹوٹ پھوٹ جانے سے متاثر ہو کر ایک وفد کی صورت، بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔معلم علوم سماوی و ارضی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ہمارے آنے سے پہلے ہی خبر دے رکھی تھی۔ آپ نے جاں نثاروں، حاضر باشوں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا۔تمہارے پاس وائل بن حجر دور دراز علاقہ سے حضرموت سے آرہا ہے۔اس کا مقصد،صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کا حصول ہے اور بس۔ وہ بادشاہ کے بیٹوں میں سے ایک ہے۔حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جس شخص سے ملتا وہ یہی کہتا کہ تمہاری آمد سے تین دن پہلے ہی ہمارے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے متعلق بتا دیا تھا۔

جب میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ سرکار نے مجھے اہلاً و سہلاً و مرحبا کہا، خوش آمدید کہا، مجھے اپنے قریب کیا، میرے لئے آپ نے اپنی چادر مبارک بچھائی، مجھے اس چادر پر بٹھایا، پھر آپ نے دعا فرمائی۔

”اے مولا! اے میرے پروردگار! وائل بن حجر کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔“

پھر آپ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے۔ مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور آپ نے فرمایا:

لوگو! یہ وائل بن حجر ہیں، یہ تمہارے پاس بہت دور دراز علاقہ سے آئے ہیں

یعنی حضر موت سے آئے ہیں۔ یہ اسلام کی طرف بہت مائل ہیں اور دین اسلام کی طرف بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں اپنی عظیم سلطنت میں موجود تھا تو مجھے آپ کے ظہور کی خبر ملی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں نے اپنی سلطنت اور بادشاہی کو خیر باد کہہ دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کے دین کو اور آپ کے حضور حاضری کو ترجیح دی۔

آپ نے فرمایا وائل تو نے سچ کہا ہے۔ آپ نے دوبارہ دعا فرمائی۔ اے میرے مولا! وائل بن حجر کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارگاہِ رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہمارے وفد کی صورت میں حاضر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عقیق کے مقام پر ایک بت تھا اور اس بت نے زبان فصیح میں ہماری رہنمائی کی اور خود گر کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔

حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ۱ ص ۳۱۸

کیا خبر کیا سزا ملتی مجھ کو، میرے آقا نے عزت بچا لی
میری فردِ عمل مجھ سے لے کر، کالی کملی میں اپنی چھپا لی

اللھم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وآلہٖ وسلم تسلیمًا

حضرت ورقہ بن نوفل اور عثمان ابوالحویرث کے بت کی کہانی

جیسا کہ آپ میرے دوسرے بھائی بتوں کی کہانیاں پڑھ آئے ہیں۔ میری کہانی بھی ایسی ہے البتہ میں کچھ زیادہ ہی حساس تھا۔ میرا وجود میرے لئے بوجھ بن چکا تھا۔ میں چونکہ معبود نہیں مجھے خواہ مخواہ زبردستی معبود بنا کر بت خانہ میں رکھ دیا گیا تھا اور اچھے بھلے جہاں دیدہ، سیانے بیانے لوگ ہو کر بھی مجھ جیسے بے بس

کے حضور سر فگندہ ہو جاتے تھے۔ پتہ نہیں ان کی مت اور عقل کیوں ماری گئی تھی کئی بار میں نے اپنے مالک سے عرض کیا تھا میرے مالک! خداوند! یہ خدائی دردِ سر ہے۔ یہ تجھے ہی زیب دیتی ہے۔ مجھے اس دردِ سر سے اس عذاب سے نجات دلا۔ نہ جانے کتنی مخلوق میری طرح زبان حال سے پکار رہی تھی۔ بے بسی و بے چارگی میں تڑپ رہی تھی۔

کہ اک طرف سے گھٹائے رحمت — چھائی ہر سو اور خوب برسی
ڈھل گیا پھر جہاں کا چہرہ — نفس نفس پہ بہار آئی
ازل سے پیاسی جو سرزمیں تھی — وہیں پہ ابر بہار برسا
کلیاں مہکیں، شگوفے پھوٹے — چمن میں ہر سو بہار آئی

(ظفر چشتی)

یعنی وہ صبح نور طلوع ہوئی جس نے چار دانگ عالم میں ہر فریادی کی فریاد کو پہنچنا تھا کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاکدان ارضی پر رونق افروز ہوئے۔

اس روز میری کیفیت مجھ سے نہ پوچھو۔ شدت جذبات سے میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور اوندھے منہ نیچے آ گرا۔ اتنے میں قریش کی ایک جماعت جس میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو، عبداللہ بن جحش اور عثمان بن الحویرث موجود تھے۔ وہ میری پرستش کیا کرتے تھے اور میرے پاس اکثر آیا کرتے تھے اور میری عبادت کرتے تھے۔ آج جب انہوں نے مجھے اوندھے منہ گرا ہوا پایا تو بڑے حیران ہوئے۔ ان کے لئے تو بڑے تعجب کی بات تھی کہ ان کا معبود، زمین بوس ہوا ہوا ہے۔ انہوں نے مجھے اٹھایا اور پہلی حالت پر کھڑا کر دیا۔ میں نے کوئی اپنی اہمیت جتانے کے لئے تو یہ کام کیا نہیں تھا بلکہ اپنی حیثیت دکھانے کے لئے کیا تھا۔ میں پھر گر گیا، انہوں نے مجھے سہارا دیا اور پہلی حالت میں نصب کر دیا۔ میں اوندھے منہ پھر گر پڑا۔ انہوں نے تین بار کھڑا کیا اور میں تین بار ہی گر پڑا۔

یہ واقعہ اس صبح کا ہے جس دن شاہ رسولانِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ پھر میں نے بڑی فصیح و بلیغ عربی اشعار پڑھے جو میرے اپنے ہی جذبات تھے۔ اس پر اس کا ان پر کیا اثر ہوا۔ اس کی تو مجھے خبر نہیں البتہ میں نے جو کرنا تھا کر دیا۔ وہ اشعار آپ بھی سننا چاہتے ہیں سن لیں مجھے تو یاد ہیں وہ ذرا ذرا۔

نُــرُدِیٰ لِــمَــوْلُــوْدٍ اَنَــارَتْ بِــنُــوْرِہٖ
جَـمِیْـعِ فِـجَـاجِ الْاَرْضِ بِالشَّرْقِ وَالْغَرْبِ

ہم اس مبارک نومولود بچے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے جس کے نور سے زمین کے سارے گوشے شرق سے غرب تک روشن ہو گئے۔

وَخَــرَّتْ لَــہُ الْاَوْثَــانُ طَــرًّا وَارْعِــدَتْ
قُلُوْبُ مُلُوْكِ الْاَرْضِ طَرًّا مِّنَ الرُّعْبِ

تمام دنیا کے بت آج اس کی وجہ سے گر پڑے ہیں اور زمین کے بادشاہوں کے دل اس کے رعب سے کانپ رہے ہیں۔

وَنَـارُ جَـمِیْـعُ الْـفَرْسِ بَـاخْـت وَاَظْلَمَتْ
وَقَـدْ بَـاتَ شَـاہُ الْـفرْسِ فِیْ اَعْظَمِ الْکُرَبِ

تمام فارس (ایران کے آتشکدوں) کی آگ بجھ گئی اور وہاں ہر طرف تاریکی چھا گئی اور شاہِ ایران نے آج کی رات بڑی تکلیف اور کرب میں گزاری ہے۔

وَصُـدَّتْ عَنِ الْـکُـھَّـانِ بِـالْـغَیْـبِ جِنُّھَا
فَلَا مُـخْـبِـرَ مِـنْـھُـمْ بِـحَـقٍّ وَّلَا کَـذِبِ

کاہنوں نجومیوں کے جنات کو غیب کی خبریں دینے سے آج سے روک دیا گیا۔ اب انہیں کوئی سچی جھوٹی خبر نہیں دے سکا۔

فَیَـا لِـقُـصَـیٍّ اِرْجِـعُـوْا عَـنْ ضَلَالِـکُـمْ
وَھَبُّـوْا اِلَـی الْاِسْلَامِ وَالْـمَـنْـزَلِ الـرَّحْـبِ

اے قصی کے لوگو! اپنی گمراہی کی زندگی سے پلٹ آؤ۔ اسلام اور کشادہ منزل کی طرف لوٹ چلو۔

یہ کہہ کر میں نے اپنے محبوب کریم کے مشن میں ایک ادنی غلام کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کر دیا اور خدائی کے دردِ سر سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں علامہ خدا تطی نے ہواتف میں اہل عساکر نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابھرا ہوں تیرے نام کا لے لے کے سہارا
منجھدار سے، طوفان سے، تلاطم سے، بھنور سے
بیمار مدینہ کو مدینہ میں بلا لیں
کب تک یہ تیرے شربت دیدار کو ترسے

اللھم صل و سلم و بارك علی سیدنا محمد و علی آله صلوۃ
تکشف جمیع الھموم و الغموم یا حی یا قیوم

جبیر بن مطعم کے بت کی کہانی

مکہ معظّمہ جس میں بیت اللہ شریف یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس میں بھی لوگوں نے کئی معبود بنا رکھے تھے۔ ان میں ایک میں تھا۔ میرا بھی وہی حال تھا جو دوسرے بتوں کا تھا۔ ہم تو اس وقت کو ترس رہے تھے کہ کب ہم اس جھوٹی خدائی کی مسند سے اترتے ہیں جس پر زبردستی بٹھا رکھا ہے اگر کوئی عزت کے قابل ہو اس کی توقیر کرتے ہوئے لوگ اس کو تھوڑا سا اور بھی بڑھا دیں تو گزارا ہو سکتا ہے لیکن سائیکل پنکچر لگانے والے کو ایم بی بی ایس کا بورڈ لگا کر بٹھا دیا تو اس بیچارے کا کیا حال ہوگا اور اگر اس کو زبردستی بیٹھے رہنے پر مجبور کیا گیا تو لوگوں کا مریضوں کا کیا حال ہوگا اور ادھر تو یہ عالم تھا کہ ہم تو پنکچر لگانے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں اور ہمیں سپیشلسٹ کی کرسی پر زبردستی بٹھا دیا اور پھر مسلسل کئی صدیاں اس پر ہی

بیٹھے رہنے پر مجبور کیا گیا۔ اس پر لوگوں کے ایمان کا جتنا بیڑہ غرق ہوا ہو گا آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اگرچہ ہمارا ذاتی قصور کم تھا لیکن ہماری اندرونی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ انسان کی ڈوبتی کشتی دیکھ کر میں جتنا کڑھتا رہتا تھا آپ اس کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جب ہمارا دل ڈوبنے لگا۔ انسان کی انسانیت بھی چیخنے لگی تو قدرت کو رحم آ گیا۔

جد آیا محبوب خدا دا ، ہو گیا نور اُجالا
سارا حسن سمیٹ لیا یا سوہنا زلفاں والا

میں تو آپ کی ولادت باسعادت سے ایک ماہ پہلے ہی اس مسند سے زبردستی اترنے پر آمادہ ہو گیا۔ ایک دن جبیر بن مطعم اور اس کے ساتھ چند رؤساءِ مکہ بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی ابھی ایک اونٹ میرے حضور ذبح کیا تھا۔ میں نے موقع کو غنیمت جانا اور بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کر دیا۔ ارے لوگو! غور سے سنو! آسمان سے چوری چوری باتیں سننا ختم کر دیا گیا ہے۔ اب آسمان کی طرف جانے والے شیطانوں کو شہاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ سارے انتظامات اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی ''احمد'' مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جن کی ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہو گی۔ حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے کام سے اسی وقت رک گئے اور بت کی اس صدا پر ہم نے تعجب کا اظہار کیا۔ اس کے ایک ماہ بعد حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہو گئی۔

اُن کا بیمار ہوں اُن کے در لے چلو
اور مجھ کو نہ کوئی دوا چاہیئے
نام اُن کا جو آئے تو بڑے پیار سے
چومنا چاہیئے، جھومنا چاہیئے

صابر صابری تو کیوں بے چین ہے
تجھ کو دِر، ان کو در کا گدا چاہئے

اللھم صل وسلم و بارك علي سيدنا محمد و آله وسلم

’’سواع‘‘ نامی بت کی ایک اور کہانی

میرا ایک پجاری عبداللہ بن ساعدہ الہندلی، ایک دن اپنی ایک بھیڑ لے کر آیا تا کہ وہ پانی بھی پی لے اور مجھ سے بھیڑ کے لئے برکت حاصل کر لے جب وہ بھیڑ لے کر میرے قریب آیا تو میں نے اس کی خوب خبر لی اور اس کو اچھی خاصی سنائیں۔ صرف اس کے ضمیر کو جگانے کے لئے میں نے اس سے کہا: تعجب ہے اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ عرب کے بہترین اور دانشور شخص کی آنکھوں پہ پردے پڑ گئے ہیں کہ وہ ایک بے جان اور پتھر سی چیز سے برکت حاصل کرنے آ گیا ہے۔

پہلے تو وہ خوف زدہ ہوا، پھر اس نے آواز پر غور کیا۔ اس کی غیرت جاگی اور بڑی ہی شرم وندامت کے ساتھ بھیڑ کو لیا اور چلتا بنا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کو آئینہ دکھانے سے وہ برا مان گیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ کبھی میرے پاس نہیں آیا۔

کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر صحابیت کے سب سے اعلیٰ درجے پر فائز ہوا۔

منہ اٹھا کے چل دیئے سیدھے مدینے کی طرف
ہم سے یہ دیوانہ پن میں خوب دانائی ہوئی

صلی اللہ علیه وعلی آله و بارك وسلم

سعید بن عمرو الہندلی کے بت کی کہانی

سعید کے والد عمرو الہندلی بھی دوسروں کی طرف زبردست بُت پرست تھے۔ ور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی قبلہ تھا اور وہ اسی کی طرف منہ کرتا تھا۔ اسی کی طرف اس کا رخ ہوتا تھا۔ اندھی اور جاہلانہ عقیدت سے خدا بچائے۔ بس ایک بھیڑ چال تھی

جس کسی کو دیکھو کوئی نہ کوئی بت اپنا خدا بنائے بیٹھا ہے اور اپنی ساری کمائی، ساری دولت، ساری دانائی اس کے قدموں میں ڈھیر کئے بیٹھا ہے۔ سمجھ نہیں آتی تھی ان کو کیا ہو گیا ہے۔

ایک دن عمرو الہندلی نے ایک جانور ذبح کیا اور میرے حضور لا کر پیش کیا ہم تو پہلے ہی بھرے ہوتے تھے۔ دانائیاں تقسیم کرنے والے بھی تشریف لا چکے تھے۔ ہمارا انگڑائی لینا کسی کام آ سکتا تھا۔ آپ سے پہلے تو یہ عالم تھا کہ اگر کسی کو جھنجھوڑتے بھی ہیں تو وہ جائے کدھر، آگے کوئی راستہ بتانے والا نظر ہی نہ آتا تھا۔ اس لئے ہم بھی کڑوا گھونٹ پی کر بیٹھے ہوئے تھے۔

جب وہ ذبح شدہ جانور لے کر میرے پاس آیا اور مجھے پیش کیا تو میں بول پڑا اور کہا تعجب ہے بلکہ کتنے تعجب کا مقام ہے کہ عبدالمطلب کے قبیلہ سے ایک نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ بدکاری کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ بتوں کے لئے جانوروں کی قربانیاں حرام قرار دیتے ہیں۔ اب ان کے آنے سے آسمانوں کا تحفظ کر دیا گیا ہے اور اوپر کی طرف جانے شیطانوں کو شہاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عمرو الہندلی حیران و پریشان میرے ہاں سے نکلے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اتفاق یہ ہے انہیں راستے میں کوئی ایسا ذمہ دار شخص نہ ملا۔ حتیٰ کہ ان کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ انہوں نے ان سے پوچھا ابوبکر! یہ بتاؤ کیا مکہ معظّمہ میں کسی ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہو اور اس کا نام نامی احمد ہو۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا تمہیں آپ کے متعلق کیسے علم ہوا۔ عمرو نے سارا واقعہ میرے والا بتا دیا۔ آپ نے فرمایا ہاں! یہ بات صحیح ہے۔ اور صحیح خبر ملی ہے وہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اور وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

الحمد للہ میں سرخرو ہوا کہ عمروؓ کی قدرت نے سرپرستی فرمائی۔ یقیناً ان کے دل میں سچی طلب پیدا ہوگئی ہوگی ورنہ راستے میں کوئی احمق یا احمقوں کا کوئی سردار مل جاتا اور وہ انہیں جانے ہی نہ دیتا۔

ابن سعد اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت سعید بن عمرو الہندلی رضی اللہ عنہ سے روایت اور انہوں نے اپنے والد صاحب سے روایت بیان کی۔ حجۃ اللہ علی العالمین جلد اول ص ۳۲۰

آپ وجہ تخلیق کون و مکاں	آپ ہی ابتداء آپ ہی انتہا
محترم آپ کی ذات بعد از خدا	ان گنت ہوں درود و سلام آپ پر
اسم اعظم ہے اسم محمد جبھی	دونوں عالم میں ہے دھوم اُس کی مچی
سدرۃ المنتہیٰ آپ کے زیر پا	ان گنت ہوں درود و سلام آپ پر

صلی اللہ علیہ حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وبارك وسلم

خصوصی نوٹ

اس کتاب کا یہ حصہ جو آپ کے زیر مطالعہ ہے یہ جمادات کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا حصہ ہے۔ اس میں اب تک ایک جذباتی کیفیت میں جمادات سے سوال کرتے رہے اور جوابات پاتے رہے۔ محبت بھرے جذبات اور دیوانہ پن میں یقیناً خطائیں سرزد ہوئی ہوں گی لیکن آج تک کسی دیوانے کی دیوانگی میں ہونے والی کسی خطا پر اس کو سزا دیتے نہیں دیکھا گیا۔ قارئین و ناظرین سے ایک دیوانے کی التجا ہے کہ اگر واقعی کہیں کوئی خطا سرزد ہوگئی ہو تو از راہِ لطف کریمانہ اصلاح فرما دیں اور خطا معاف فرما دیں۔

اسی حصہ میں زیر نظر واقعہ میں بھی ایک پتھر دیوانے کا ذکر موجود ہے لیکن

فرزانے لوگوں کا اس واقعہ میں غلبہ ہے۔ اس لئے ہم حجۃ اللہ العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے اپنی زبان میں من وعن تحریر کریں گے۔ مقصد اس سے بھی وہی ہے کہ پتھر کنکر ریت کے ذرّے پہاڑ، بے جان چیزیں، سب محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتی تھیں۔ آپ سے محبت کرتی تھیں۔ آپ کے احکامات کی اطاعت وفرمانبرداری کرتی تھیں۔

چونکہ سید العالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رسول نبی اور رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔ اس لئے آپ کی ذات کی تسلیم میں انسانوں اور جنوں کے سوا کسی بھی مخلوق نے آپ کی رسالت کا، نبوت کا، محبوبیت کا انکار نہیں کیا۔ آپ کی نبوت ورسالت کو تسلیم کیا۔ آپ کے احکامات کی تعمیل کی۔ آپ کی محبت میں ڈوبے، سرشار ہوئے، دیوانے ہوئے۔ آپ کی محبت میں تڑپے، آپ کی محبت میں رقص کیا۔ آپ کی قربت کے مزے لوٹے۔ آپ کے فراق میں روئے، سسکیاں بندھیں، گلے لگانے اور کلاوے میں لے لینے پر مجبور کیا اور ہمیشہ کے لئے ساتھ رہنے کی سعادتیں حاصل کیں۔ آپ کی جدائی میں پاگل ہوتے کنوؤں میں چھلانگیں لگا کر جانیں قربان کر دیں اور نہ جانے کیا کیا انداز ہائے محبت پیش کئے۔ خشک سوتے پھوٹے، جگر چیر کر رکھ دیئے اور قدموں پہ لوٹ گئے، نظام کائنات کی تبدیلیاں ہونے دیں لیکن حکم کی تعمیل میں پس وپیش نہیں کیا۔ عرش سے فرش تک دوڑیں لگیں۔ وہ جنہیں کسی کے ہاں آنے جانے پر کوئی قدغن نہ لگا سکا۔ جب چاہیں، جس وقت چاہیں بغیر کنڈی کھڑکائے، بغیر اجازت لئے، بغیر مہلت دیئے، آ کر پکڑ لیں، دبوچ لیں، گلے گھونٹ دیں، گردن مروڑ دیں، کوئی اُف نہ کر سکے، کوئی سی نہ کر سکے، کوئی شکوہ نہ کر سکے، کوئی اعتراض نہ کر سکے اور کوئی بول نہ سکے۔ وہ بھی دروازے پر کھڑے اجازتیں لینے پر مجبور ہو جائیں۔ کھاری کنویں حکم کی تعمیل سے میٹھے ہوں، کھجوروں کی کمی کو زیادتی نصیب ہو، پتھروں کی

چنگاریاں مستقبل کی خبریں دیں، جانور دربانیاں کریں، مردے بول اٹھیں، یہ سارے رنگ، یہ سارے انداز محبت کے ہیں، پیار کے ہیں، وارفتگی کے ہیں نہ کسی کے انگلی اٹھانے پر جبیں پر بل آئے، نہ کسی کے شکوے پر ناک سکیڑیں، بس اپنی دھن میں مست کوئی ہنستا ہے تو ہنسے، کوئی مذاق اڑاتا ہے تو اڑائے، کوئی رکاوٹ ڈالتا ہے تو ڈالے، نہ کسی کی طنز کی پرواہ، نہ کسی نقصان کا اندیشہ۔

یہ سارے انداز نباتات نے جمادات نے، حیوانات نے، ملائکہ نے، فرشتوں نے، فرشیوں نے عرشیوں نے اختیار کئے اور دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈالا۔ فاصلوں نے سمٹنا سیکھ لیا، بے زبانوں نے بولنا شروع کر دیا، بے جانوں نے تڑپنا اپنا لیا۔

یہ باب، انوکھے باب، فرزانوں کے نہیں، دیوانوں کے ہیں، پروانوں کے ہیں۔ اس لئے ان کے تذکرے میں انداز بھی مختلف رہا لیکن درج ذیل واقعہ میں فرزانہ لوگوں کا مکلّف لوگوں کے تذکرہ کا حصہ غالب ہے۔ اسی لئے اس میں وہ انداز تحریر نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح حضور سے محبت میں جہاں دیوانوں کا ذکر ہو گا۔ وہاں دیوانگی غالب ہو گی جہاں فرزانوں کا ذکر ہو گا وہاں فرزانگی کا رنگ ہو گا۔

عشق دے جھلے ای بازی لے گئے
عقلمنداں ایویں عمراں گالیاں

کئی بدقسمت دانشور، اپنی دانشوری کے زعم میں حماقتوں کی کتاب کے سر ورق بن گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر کہ کشتہ نہ شُد از قبیلہ مانیست
جواُن پر قربان نہیں ہوا وہ ہمارے خاندان سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔

عشق کہن دے نال نہیں عشق ہوندا — ہون وچہ ہندا صاحب حال دا عشق
رنگ ڈھنگ دا عشق تے ہے فانی — لازوال ہوندا، لازوال دا عشق
راہواں بھلیاں نوں باہوں آن پھڑدا — لج پال ہوندا، لج پال دا عشق

جتھے عقل ہنیریاں چھڈ دی اے   اوتھے دیوے دیوانیہ بال دا عشق

رقہ بن نوفل، ایک بت اور نجاشیؒ بادشاہ

الخرائطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ کی مسند سے روایت بیان کی ہے کہ وہ اپنے والد صاحب اور وہ اپنی دادی جان حضرت سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ میں سخت ناکام ہوکر عبرت کا نشان ہوا تو اس وقت بادشاہ حبش نجاشی کے دربار میں آئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب دونوں اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے ہم سے مخاطب ہوکر پوچھا۔ اے معزز قریشیان مکہ مکرمہ! کیا تمہارے ہاں کوئی ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے والد ماجد نے اس کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہو لیکن قرعہ اندازی کی گئی اور اس بچے کی جان ذبح ہونے سے بچ گئی ہو۔ پھر اس بچے کی طرف سے بہت زیادہ اونٹوں کی قربانی دی گئی ہو۔

ہم نے کہا جی ہاں! ہمارے ہاں، ہمارے بزرگ حضرت عبدالمطلب کے گھر ان کا دسواں بیٹا عبداللہ نامی پیدا ہوا۔ والد صاحب کو اس کے جوان ہونے پر اپنی مانی ہوئی منت پر ایسا واقعہ ہوا تھا۔

نجاشی نے ہم سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ ہم نے کہا اس کے والد صاحب نے آمنہ نامی ایک پاکیزہ عورت کے ساتھ اس کی شادی کر دی اور وہ نوجوان اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر تجارت کے لئے سفر میں تھا کہ راستے ہی میں انتقال کر گیا۔

نجاشی نے پھر سوال کیا، کیا تم جانتے ہو کہ ابھی تک اس کے بچے کی ولادت باسعادت ہوئی ہے یا نہیں؟ ورقہ بن نوفل نے کہا، بادشاہ سلامت، میں اُس کے متعلق آپ کو خبر دیتا ہوں ایک رات میں اپنے بت کے پاس ہی سویا ہوا تھا کہ میں

نے اچانک اس کی آواز سنی۔ وہ بلند آواز میں یوں کہہ رہا تھا۔

وُلِدَ النَّبِیُّ فَذَلَّتِ الْاَمْلَاکُ
وَنَایَ الضَّلَالُ وَاَدْبَرَ الْاَشْرَاکُ

یعنی نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت باسعادت ہوگئی اور بادشاہ ذلیل ورسوا ہوگئے، گمراہی دور ہوگئی اور شرک پیٹھ پھیر گیا۔

پھر وہ بت منہ کے بل گر گیا۔ زید بن عمرو نے کہا اے بادشاہ! میرے پاس بھی اسی طرح ایک تعجب خیز خبر ہے۔ میں اُس رات اپنے گھر سے نکل کر کوہِ ابوقیس کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے مکہ معظّمہ کی طرف دیکھا۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو آسمان سے نازل ہوتے ہوئے دیکھا جس کے دو سبز پر تھے۔ اس نے کوہ ابوقیس پر کھڑے ہو کر مکہ معظّمہ کی طرف دیکھا اور کہا "آج شیطان ذلیل ورسوا ہو گیا۔ بت جھٹلا دیئے گئے اور امین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہو گئے"

اس کے پاس ایک کپڑا بھی تھا اس نے اس کپڑے کو مشرق تا مغرب پھیلا دیا۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے نیچے ہر چیز روشن ہوگئی۔ کائنات میں اتنا زیادہ نور پھیل گیا کہ میری آنکھیں اُس نور کو برداشت نہ کر سکیں چندھیا گئیں۔ یوں لگا جیسے بصارت ختم ہوگئی ہے۔ میں تو یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا، گھبرا گیا۔

اُس ہاتف غیبی نے اپنے پروں کو پھڑ پھڑایا حتیٰ کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر گر پڑا۔ اس سے ایک نور نکلا۔ جس سے تہامہ جگمگا اٹھا اور اس نے کہا، آج سے زمین پاک ہوگئی، زمین پر آج بہار آ گئی، اس نے کعبہ معظّمہ میں موجود تمام پتھروں کی طرف اشارہ کیا اور تمام بت منہ کے بل گر پڑے۔

نجاشی نے کہا اب میں تم کو بتاتا ہوں میں نے اک رات کیا خواب دیکھا۔ میں اُس رات اپنے محل میں اکیلا سویا ہوا تھا کہ اچانک زمین میں سے ایک سر اور گردن ظاہر ہوئی۔ اس نے کہا اصحاب فیل کے لئے ہلاکت اتر آئی۔ ان پر ابابیلوں نے

کنکریاں برسائیں۔ حد سے تجاوز کرنے والا، مغرور کٹی ناک والا ہلاک ہوا۔ النبی الامی المکی الحرمی کی ولادت باسعادت ہوئی جس شخص نے ان کی آواز پر لبیک کہاوہ سعادت مند ہوا جس نے ان کی دعوت سے انکار کیا سرکش اور باغی بن گیا۔

پھر وہ سر اور گردن زمین میں غائب ہوگیا۔ میں نے یہ خوفناک منظر دیکھ کر چیخنا شروع کر دیا۔ اس وقت مجھ میں گفتگو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ میں نے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن میں کھڑا نہ ہوسکا۔ میری یہ حالت دیکھ کر میرے اہل خانہ میرے پاس آئے۔ میں نے ان سے کہا مجھے یہاں حبشہ سے کہیں دور لے چلو۔ تا کہ میں اسے نہ دیکھوں وہ مجھے حبشہ سے دور ایک مقام پر لے گئے۔

برا آکھدے نے یا بھلا آکھدے نے
خدا جانے کی کی بھلا آکھدے نے
میں عرشوں وِی دو گٹھاں اُچا ہو جانا
جدوں مینوںِ تیرا گدا آکھدے نے

خویلد ضمیر کے بت کی کہانی

ہم پتھر کے صنم سہی، صنم تو ہمیں، اُس انسان نے بنایا جس کی خدمت کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا تھا اور جس عظیم شخصیت کی خاطر یہ کائنات کا خوبصورت کھیل عمل میں آیا۔ وہ ان تمام، انسانوں کے سربراہوں، سرداروں، آقاؤں، مولاؤں، ولیوں، غوثوں، قطبوں، صلحاء، علماء، محدثین و مفسرین صحابی تابعی نبی رسول اور رسولوں کے سردار ہیں۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہم تو حقیقتاً ان کے بے دام غلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انہی کی خدمت انہی سے محبت اور انہی کی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے اور ان کی خاطر ہم سب انسانوں کے خادم ہیں۔

میں سارے گھر دی نوکر دے اک تیرے دم بدلے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار ہم آپ کی فوج کے ادنیٰ

سپاہی، اگرچہ بت خانہ کی جھوٹی مسند پر بھگوان بنے بیٹھے تھے۔ ان کے مشن کے پھیلانے میں ہم کسی سے پیچھے نہ تھے۔ ہم نے اپنی سی کوشش جاری رکھی۔ ہم بھی یہی کہہ سکتے ہیں ورنہ جس طرح ہم عاد وثمود پر برسے تھے اور جس طرح عاد وثمود کی طرح کئی قوموں اور ان کی نسلوں کے نام تک صفحہ ہستی سے مٹا سکتے تھے جیسا کہ اہل مکہ نے کہا بھی کہ اَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ کہ اے محمد ہم پر بھی آسمان سے پتھر برسا دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحمت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں روک رکھا تھا اگرچہ وہ اسی قابل تھے، لیکن ہم بھی کسی کے حکم کے پابند تھے۔ اس لئے جو ہم کر سکتے تھے وہ تو ہم کر گزرے۔

ایک دن خویلد ضمیری اور اس کے کچھ دوست بڑے احترام سے میرے حضور بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے اُن کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز سے کہنا شروع کر دیا لوگو! آسمانوں سے باتیں حاصل کرنا، اب بند ہو گیا ہے، اب اوپر جانے والوں پر آگ کے انگارے برسائے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ مکہ معظّمہ میں ایک نبی ظاہر ہو گیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کا نام ''احمد'' مجتبیٰ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب اُس کا دارالہجرت ہے۔ نماز و روزہ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

وہ سب میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب انہوں نے تحقیق کی تو انہیں یقین ہو گیا۔ جو کچھ میں نے کہا تھا کہ مکہ مکرمہ میں ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو گئے ہیں اور ان کا نام نامی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

نام اُن کا جو لب پہ آئے تو قدسی چومیں لبوں کو بڑھ کر
سجی جو محفل حبیب ربّ کی تو قدسیوں کی قطار آئی

(ظفر چشتی)

قبیلہ بنی سعد کا بت خانہ

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بڑی خوش بخت اور بلند بخت عورت تھیں۔

ان دنوں قحط سالی سے پورا قبیلہ ہی متاثر تھا۔ البتہ حارث کے قبیلے کا حال کچھ زیادہ ہی پتلا تھا۔ مکہ معظّمہ میں اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے بڑے خاندانوں کے لوگ صاحب حیثیت و ثروت چاہا کرتے تھے کہ ہمارے نومولود کو اگر کوئی بنی سعد کی عورت دودھ پلائے تو بات بن جائے۔ اس لئے کہ بنی سعد کی عورتیں بڑی جواں ہمت، خوبصورت، پاکیزہ نظر و پاکیزہ ذہن و فکر ہوا کرتی تھیں اور یہاں کی زبان بھی شستہ پاکیزہ اور فصاحت و بلاغت سے بھری ہوئی تھی۔

جن دنوں ہمارے حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تولد پذیر ہوئے۔ موسم بہار تھا اور اسی موسم میں ہمارے قبیلے کی عورتیں ایک قافلہ کی صورت میں مکہ جایا کرتی تھیں اور ہر عورت کی خواہش ہوتی تھی کہ کسی امیر ترین گھرانے یا کسی رئیس کا بچہ مل جائے اور اس کو دودھ پلایا جائے اور انعام و اکرام بھی جی بھر کے ملے۔

اس بہار کے موسم میں جبکہ ابھی اصحابِ فیل کا واقعہ ہوئے چھ سات ماہ ہی ہوئے تھے، قبیلہ بنی سعد کی عورتیں بھی بن ٹھن کے زیب و زینت کر کے، خوش وضع و خوش لباس ہو کر مکہ پہنچیں۔ یہ ظاہری ٹیپ ٹاپ صرف اس لئے ہوتی تھی کہ بچہ سپرد کرنے والوں کو احساس ہو کہ ہمارا بچہ ان کے ہاں جا کر کوئی الٹا بھوکوں نہ مرنے لگا۔ حلیمہ سعدیہ ان کے خاوند حارث بھی اسی قبیلہ میں شامل تھے لیکن غربت کی وجہ سے ان کی اپنی حالت بھی کوئی اتنی اچھی نہ تھی اور ان کی اونٹنی سواری بھی بڑی کمزور سی تھی۔ اس لئے سفر میں اپنے ہم سفروں سے پیچھے رہ گئے۔ یہ قلق رہ رہ کر دل میں پیدا ہوتا تھا کہ سب عورتیں امراء و رؤسا کے بچے لے لیں گی اور ہم غریبوں کے حصہ میں کیا آئے گا۔

آپ جب مکہ معظّمہ پہنچیں حالات کا جائزہ لیا تو ان کی ہر سہیلی نے یہی جواب دیا اب پورے مکہ میں صرف ایک ہی بچہ ہے جو ہے تو بڑے خاندان کا اس کا دادا بھی پورے مکہ میں بڑی شان والے ہیں لیکن بچہ ہے یتیم، پتہ نہیں وہاں

سے کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں۔ قسمت آزمائی کر کے دیکھ لو خالی ہاتھ جانے سے تو بہتر ہے کہ کوئی بچہ خواہ یتیم ہی ہو گود لے ہی لینا چاہئے۔ میاں بیوی نے مشورہ کیا تو یہی طے پایا کہ ٹھیک ہے۔ یہی بچہ اگر مل جائے تو دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ ہو سکتا ہے جس کو ہم کمزور یا یتیم سمجھ کر لے کر جائیں اُسی کے صدقے اللہ تعالیٰ ہمارے دن بھی پھیر دے۔

حلیمہ سعدیہ بچہ دیکھنے گھر گئیں۔ دادا جان نے انٹرویو لیا خوش ہوئے۔ آپ نے بچہ دیکھا تو دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہوگئیں۔ اس شیر خوارگی کی عمر میں حسن و جمال کا شاہکار بچہ تو کبھی نظر سے گزرا ہی نہ تھا۔ پھر حلیمہ نے سوچا کچھ نہیں۔

بچہ گود میں لیا، سینے سے چمٹایا، ٹھنڈ پڑ گئی، خشک دودھ کے سوتے، نہ جانے کہاں سے پھوٹ پڑے، حلیمہ کی چھاتی دودھ سے بھر گئی۔ معاملات طے کئے، گھر سے باہر کھڑے اپنے خاوند حارث کو بچہ دکھایا۔ وہ پہلے ہی مایوسیوں کے گہرے غار میں گڑے ہوئے تھے۔ شاید ہماری حالت دیکھ کر کوئی ہمیں بچہ دیتا بھی ہے یا نہیں لیکن جب بچہ دیکھا تو سر سے پاؤں تک نہال ہو گئے۔

جھونپڑی میں آئے، برکت بھی ساتھ ہی آ گئی۔ حلیمہ کا بیٹا عبداللہ جو بھوک کی وجہ سے ہر وقت روتا ہی رہتا تھا، اُس نے ماں کی چھاتی بھری دیکھی تو خوب سیر ہو کر پیا، وہ تو دل ہی دل میں اپنے گھر آنے والے نئے مہمان بھائی کو دعائیں دیتا ہوگا۔ پیٹ بھر کر دودھ پیا اور چین کی نیند سو گیا۔ دردِ دل تھم گیا نیند آ گئی پروانے کو۔

دو ایک روز ستانے کے بعد واپسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حلیمہ نے سوچا جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کر لیا جائے۔ حجر اسود کو بوسہ دے لیا جائے اور بچے کو حجر اسود کا بوسہ دلایا دیا جائے جونہی وہ حضور سراپا سرور و نور و ظہور کو لے کر حجر اسود کے قریب گئیں حجر اسود تو بڑی آنکھوں والا ہے۔ ہم بھی پتھر ہیں اور وہ بھی پتھر بلکہ ہم تو پوجے جاتے ہیں ہمیں جھوٹی مسند خدائی پر بٹھایا گیا ہے لیکن صحیح

پوچھیں تو اس کا مقام بہت بلند ہے۔ حضور تو شاید پہلی بار حدودِ کعبہ میں داخل ہوئے تھے۔ حجر اسود نے پہلی نظر ہی میں پہچان لیا کہ یہ تو وہ محبوبِ کائنات ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جنہوں نے کعبہ اور حرم کعبہ کو پاک کرنا ہے، صاف کرنا ہے، ہمارا مقام و مرتبہ بلند کرنا ہے۔ اس سے پہلے کہ حضرت حلیمہ آپ کو حجر اسود کا بوسہ لینے کے لئے آگے کو جھکیں۔ حجر اسود خود باہر نکلا، اس نے تمام زنجیریں توڑیں اور باہر نکل کر آپ کے چہرۂ انور کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔

لوگ جائیں حجر اسود چومنے
اور حجر اسود نے تیرے بوسے لئے

حلیمہ ابھی ناواقف تھیں کہ یہ بچہ کون ہے۔ کس شان اور مرتبے کا حامل ہے۔ البتہ اس کے مبارک سینے سے اُبلنے والی دودھ کی دھاریں جانتی تھیں۔ اُس کی مریل سی سبز رنگ کی گدھی بھی جانتی تھی کہ کلبۂ افلاس کو ہمیں رشکِ ثریا کرنے والا آ گیا ہے۔ اس کی کمزور اور لاغر اونٹنی بھی جانتی تھی کہ مجھ پر سواری کرنے والا عرش الٰہی کا مہمان ہے جس کی ادنیٰ سی سواریاں براق اور رفرف ہیں۔ اونٹنی نے بزبانِ حال عرض کیا ہوگا۔ کریم آقا! میں براق نہیں بن سکتی۔ میں رفرف نہیں ہو سکتی لیکن اپنے وقت کی جتنی طاقتور سے طاقتور اونٹ اور اونٹنیاں ہیں میں ان سب سے تیز تو چل سکتی ہوں۔ یہ تیرا کرم ہے کہ تو نے خاندان بنی سعد میں سب سے کمزور ترین گھرانے کو رشک عرشیاں بنانے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

قبیلہ بنی سعد میں تشریف لائے ہوئے سال دو سال کا عرصہ گزرا ہوگا کہ آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ قدرت تو اس لالہ کی خود اپنے پروگرام کے مطابق حنا بندی فرما رہی تھی۔ ایک دن ایسا ہوا اللہ تعالیٰ کے دو فرشتے آئے اور آپ کو اٹھا کر آپ کے بھائیوں کی آنکھوں سے اوجھل کہیں اور لے گئے۔

آپ کا آنکھوں سے اوجھل ہونا تھا کہ بھائیوں کے لئے مسئلہ بن گیا۔ پہلے تو انھوں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا۔ جب ناکامی ہوئی تو روتے ہوئے گھر آئے اور اپنی ماں کو حلیمہ سعدیہ کو بتایا امی جان قریشی بھائی کہیں گم ہو گئے ہیں۔ بڑی تلاش کی لیکن مل نہیں پا رہے۔

سیدہ حلیمہ کی تو جیسے جان نکل گئی، روتی چیختی چلاتی باہر نکلیں، کبھی اس گلی میں کبھی اس گلی میں، کبھی اس گھر میں دیکھ، کبھی اس گھر میں دیکھ، بچہ کوئی عام سا ہو تو دنیا اس کے لئے بے چین ہو جاتی ہے۔ ایسے قریشی بچے کے لئے جو مہمان بھی ہو، خاندان کو زندگی کی رعنائیاں عطا کرنے والا ہو، گھر بھر کی ساری دودھ کی گاگریں بھرنے والا ہو، شب بھر جس کے چہرے کے نور سے سارے گھر میں اُجالا ہو۔ اس کے گم ہونے کی خبر سن کر بھلا کس کا دل ہاتھ میں نہ آیا ہو گا۔ اپنے بیگانے سب پریشان تھے اور تلاش میں ہر شخص اپنی اپنی سی کوشش میں مصروف تھا۔

کسی نے کہا چلو معبد میں چلتے ہیں۔ بتوں کے حضور گھٹنے ٹیکتے ہیں کوئی منت مانتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ تلاش کرنے میں ہماری مدد کریں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور بت خانے چلے آئے۔ بت خانے میں ہماری خدمت پر مامور پروہت کو جا کر سارا واقعہ سنایا۔ اُس نے بچے کا نام پوچھا، بتایا گیا بچے کا نام محمد ہے۔ قریشی ہے ہاشمی ہے مکہ معظمہ کے ایک رئیس کا بیٹا ہے۔ اور یتیم ہے یہ سب کچھ بتانا دراصل بچے کی اہمیت کا احساس دلانا تھا تا کہ وہ ذرا زوردار طریقے سے اس کی ہمارے ہاں سفارش کرے۔

حلیمہ نام بتا رہی تھیں تعارف کرا رہی تھیں، ہمارے بھی کان کھڑے ہوئے، محمد، عربی، قریشی، ہاشمی، شریف گھرانے کا سرسبد، یتیم ہم نے سوچا ہو نہ ہو یہ تو وہی ہے جس نے ہمیں اس جھوٹی خدائی سے نجات دلانی ہے۔ سبحان اللہ ہم تو مچل گئے، مکہ معظمہ سے اتنی دور، ہماری قسمت کہ ہمارے محلے میں، ہمارے گھر میں اُن

کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔

خیر وہ ہمارے پاس آیا حلیمہ، حلیمہ کا خاوند حارث، ان کے بچے، کچھ رشتہ دار اور اڑوس پڑوس کے ہمدرد و پیار کرنے والوں کا ہجوم، سب کے چہرے افسردہ تھے جونہی اُس نے ہمارے سامنے آپ سرکار کا ذکر کیا اور کہا۔

زیں زنے فرزند طفلے گم شدہ است
نام آں کودک محمد مصطفیٰ ﷺ است

(کہ اس عورت کا ایک بچہ تھا، گم ہو گیا ہے اور اس بچے کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔) بس اس کا ہمارے سامنے نام لینا تھا کہ ہم سب معبد کے بت اسی وقت نام نامی اسم گرامی سن کر جھک گئے۔

چوں محمد ﷺ گفت آں جملہ بتاں
سرنگوں گشتند ساجد آں زماں

(بس نام نامی لینے کی دیر تھی کہ سارے بت اسی وقت سجدے میں گر گئے۔)

ہم نے اس کہنے والے کی تو کوئی پرواہ نہ کی البتہ خوش بخت و بلند بخت حلیمہ کو مخاطب کرتے ہوئے ہم میں سب سے بڑے بت نے تسلی دیتے ہوئے مستقبل میں اس بچے کے بلند مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔

غم مخور یاوہ نہ گردد اُوز تو
بلکہ عالم یاوہ گردد اندر و

حلیمہ غم نہ کر، آزردہ نہ ہو، ایسے بچے گم ہونے کے لئے نہیں آیا کرتے اور نہ وہ تم سے کبھی ان ہونی راہوں میں گم ہو گا بلکہ ایک وقت آنے والا ہے۔ ساری کائنات، سارا جہاں اور سارا عالم، اُس میں گم ہو کر رہ جائے گا۔

کوئی جانے نہ جانے، کوئی پہچانے نہ پہچانے، ہم تو پہچان گئے تھے۔ ان کی محبت کی چنگاری جو ہمارے اندر سلگ رہی تھی وہ تو چمک اٹھی اور ہم نے اشارۃً

کنایۃً ان کے مستقبل میں ہونے والے مقام کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔ عقل مند را اشارہ کافی است۔

ایسی نقش ہوئی دل وچہ اوہدی تصویر
ہن نظراں چہ سوہنا کوئی جچدا اِی نہیں
دل سوہنے دے نظارے کولوں رجدا اِی نہیں
اوہدے ورگا تے سوہنا کوئی لبھدا اِی نہیں

ایک ہنڈیا کی کہانی

آپ سن کر پڑھ کر حیران نہ ہوں۔ عرب میں ایک رواج تھا کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ایک ہنڈیا اُوندھی کر کے رکھ دیتے تاکہ لوگوں کی نظر بد سے بچا رہے۔ جب ہادی اعظم جن وانس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تولد فرما ہوئے تو عرب کے رواج کے مطابق مجھے اُٹھایا اب [illegible] سارے زمانے کو لایعنی رسومات سے نجات دلانے آیا ہو اس کی اپنی ذات اس قسم کی احمقانہ روایت و رواج کو کیسے جاری رہنے دیتے۔ ویسے بھی میری کیا حیثیت تھی کہ میں حضور کو نظر بد سے بچاتی، مجھ پر کپکپی طاری ہوئی اور شرم وندامت سے ٹوٹ پھوٹ گئی۔

اس روایت کے راوی داؤد بن ابی ہند ہیں۔ (دلائل النبوۃ ص ۱۲۶)

بصرہ کے ایک درخت کی حضور سے محبت و پہچان

لَا تَعْصِ لَهٗ اَمْرًا وَّلَا تَخَالِفُ لَهٗ رَاْيًا اے میسرہ! تم نے نہ تو ان کے کسی حکم کی نافرمانی کرنی ہے اور نہ ہی کس رائے سے اختلاف کرنا ہے۔ گویا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی عظمت کی، دانش کی، صلابت فکری کی پہلے ہی معترف تھیں کہ ان کے کسی حکم کی نافرمانی اور کسی بھی رائے سے اختلاف، کسی صورت گوارا نہیں

یہ پہلا واقعہ تھا، آغازِ تعلقات کا ۲۳ یا چوبیس سال کا ایک نوجوان اور ۳۸ یا ۳۹ سال کی ایک منجھی ہوئی عورت، مال و دولت، وجاہت، شان وشوکت، جہاں دیدہ، عزت و آبرو کی مالک، یہ ساری نعمتیں اس کے گھر میں تھیں۔ اپنے شباب کے عالم میں یکے بعد دیگرے دو خاوند دیکھ چکی تھیں۔ صاحب اولاد تھیں۔ ان شوہرانِ گرامی کی وفات کے بعد کئی شرفاء مکہ کی طرف سے دعوتِ نکاح وعقد رد کر چکی تھیں۔ گویا اب زندگی کے اس روپ سے دل بھر چکا ہے اور باقی زندگی، کاروبار حیات میں دلجمعی کے ساتھ گزارنے کا پروگرام ہے یا صرف خدمت خلق۔

اس تصور کے ساتھ، مکہ معظّمہ، ایک چھوٹا سا شہر، گنے چنے لوگ، باہم خاندانی تعلقات، کسی نہ کسی رابطے سے کوئی نہ کوئی رشتہ و واسطہ، خاندانی مراسم وتعلقات، اس ماحول میں ایک نوجوان ...... سارے مکے کی فضا میں ابھرتا ہوا نظر آتا ہے ہر چھوٹا ...... ہر بڑا ...... اپنا و بیگانہ اسے دیکھتا ہے۔ اس کی ہر عادت میں ایک انوکھا پنِ اور نرالا انداز اور اس کی ہر ادا میں پاکیزگی، شرم و حیاء، صداقت و امانت، نظروں کو خیرہ کرتی ہے جو بھی دیکھتا ہے عقیدت نہ سہی، یک گونہ پیار اور عظمت کا تصور لے کر گزرتا ہے پھر اس کی طرف جھکتا ہے۔ بچپن بھی نکھرا ہوا تھا، کھیل نہ کود، ابھرتی جوانی گواہ تھی، نظر کی خیانت، زبان اور گوش ہوش کا تقدس، گواہ تھا کہ کہیں بھی ہلکا پن نظر نہ آتا تھا۔ یہ بات بڑوں تک بھی پہنچی۔ لوگوں میں چہ میگویاں، گھروں میں، گلیوں میں، چوکوں کے پاتالوں میں، اِدھر اُدھر، مجالس ومحافل میں، کبھی سنجیدگی سے، کبھی اُچٹتے ہوئے، لوگ باتیں کرتے، عجیب نوجوان ہے۔ اس کا ہر رنگ، مکے کے ہر لڑکے بالے ہر جوان سے علیحدہ رنگ ہے۔ نہ ایسا کوئی لڑکا، باادب دیکھا ہے اور نہ اتنا کوئی سنجیدہ، ہاشمیوں کے سر فخر سے تن جاتے اور دستاروں کے شملے ذرا اور اونچے ہو جاتے۔

رفتہ رفتہ یہ ذکر بڑی بوڑھی عورتوں تک بھی پہنچا۔ عورتیں باہم بیٹھیں تو اس

نوجوان کی کہانی، کسی نہ کسی انداز میں چھڑ جاتی، خدیجہ بھی سنتی ہی رہتی تھیں۔ سوچا ایسا ہی نوجوان، امانت دار اور سچا جب کوئی اور ہے ہی نہیں تو کیوں نہ، اس دفعہ اپنے کاروبار میں شریک کرلیا جائے۔

پیغام بھیجا، باہمی گفتگو، لین دین کی شرائط، اعتماد و بھروسہ، ساز و سامان، خرید و فروخت، تقریباً ہر موضوع، زیر بحث آیا۔ حضرت ابو طالب کی اجازت سے مشروط معاملات طے پائے۔ چچا جان نے اجازت دیدی۔

قافلے تیار ہونے لگے۔ ہر دو جانب، سامان رسد، سامانِ تجارت اور سامان سفر باندھا جانے لگا۔ خدیجہ نے اپنا ایک تجربہ کار اور بااعتماد غلام میسرہ کو ساتھ تیار کیا لیکن اس کو دی گئی ہدایات کا ایک ایک حرف گواہ ہے کہ یہ غلام نگرانی کے لئے نہیں تھا۔ غلامی کے لئے تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میسرہ! لَا تَعْصِ لَهٗ اَمْرًا وَّلَا تُخَالِفْ لَهٗ رَاْيًا ان کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہو اور نہ ان کی کسی رائے سے اختلاف ہو۔

اے میری ماں خدیجہ! اے ساری کائنات کے باشعور انسانوں کی پہلی ماں۔ ام المومنین تیرے انتخاب اور تیرے اعتماد پر ہزار ہا سلام ہوں۔ تیرے اعتماد کا، ایک ایک حرف میری آنکھیں ٹھنڈی کر گیا ہے۔

حضرت ابو طالب نے اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں کچھ مشورے دیئے ہوں گے لیکن جو من جانب اللہ پڑھ کر آتے ہیں وہ دوسروں کے اسباق کے محتاج نہیں ہوتے۔

حضرت خدیجہ کا مال تجارت، مکے کے سارے تاجروں کے برابر تھا، یعنی اس سفر تجارت دنیا میں بھی ہر تاجر سے آپ کا نام اونچا نکلا۔

بادل کی حضور سے محبت

بڑی شان و شوکت سے سفر شروع ہوا۔ چند روز گزرے ہوں گے کہ میسرہ

نے محسوس کیا کہ جب بھی دوپہر کو قافلہ چل رہا ہوتا ہے لوگ سورج کی دھوپ اس کی تمازت اور شدید گرمی کا شکوہ کرتے ہیں لیکن مجھے اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ آخر ایک دن غور کیا اوپر دیکھا تو بادل کا ایک ٹکڑا، میسرہ کے مقدر پہ ناز کرتے اور ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے بولا تو تو نہ جانتے ہوئے اتفاقاً ان کا غلام ہو گیا ہے اور تجھے اس سفر میں ان کی چاکری نصیب ہو گئی ہے لیکن مجھے تو خبر ہے یہ کون ہیں۔ یہ کتنی عظیم شخصیت ہے۔ مجھے بھی فخر ہے کہ میری ڈیوٹی لگ گئی ہے۔ سارے سفر میں جاتے جاتے آتے آتے، ہاں! سارے سفر میں دھوپ کی ایک کرن بھی ان پر نہیں پڑنے دوں گا۔ گرمی کے بجائے ان تک ٹھنڈی چھاؤں کا سایہ کرنا میرے فرائض منصبی میں شامل ہے اور اُن کے ساتھ ہوتے ہوئے یہ ٹھنڈک تجھے بھی نصیب ہوتی رہے گی۔ انشاء اللہ

درخت کی حضور سے محبت

قافلہ چلتے چلتے شام کے ایک شہر بصرہ میں جا ٹھہرا۔ سامان اتارا گیا اونٹوں کو اِدھر اُدھر باندھ دیا گیا۔ خیمے لگ گئے، لیکن آپ نے اپنے لئے وہاں ایک قدیم سے درخت کے نیچے ٹھہرنا پسند کیا۔ آج سے دس بارہ سال پہلے بھی، آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر تجارت میں اسی درخت کے نیچے ٹھہرنے کو پسند فرمایا تھا جس کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس کے قریب نہ جاتے تھے۔

ہر نظر انداز کی ہوئی چیز آپ کو فطرتاً پسند تھی۔ درخت دس بارہ سال پرانی چند دن کی رفاقت کی لذت سے سرشار تھا اور وہ منتظر رہتا ہوگا۔

وہ تشریف لائیں یہ ان کا کرم ہے
یہ گھر ہے کہاں اُن کے آنے کے قابل

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز بھی اس میں پوشیدہ تھا۔ یہ درخت، ایک

عیسائی صومعہ یعنی عیسائی عبادت گاہ کے قریب تھا۔ اس درخت کی اہمیت، اس عبادت گاہ صومعہ کے عالم کی نظر سے مخفی نہ تھی۔ اس وقت وہاں کے انچارج عالم دین بحیرہ تھے اور اب کے سفر کے وقت اُس صومعہ کے نگران اور انچارج عیسائی عالم دین حضرت نسطورہ تھے۔

حضرت بحیرہ نے بھی پہچان لیا تھا کہ یہ پیارا سا نیارا سا بچہ کون ہے۔ اس کی شان و منزلت کیا ہے۔ صرف اسی کی خاطر پورے قافلہ کی خود صومعہ سے باہر آ کر دعوت کی تھی اور حضرت ابو طالب کو ان کے مرتبہ سے آگاہ کرتے ہوئے آگے سفر سے رکنے پر مجبور کر دیا تھا اور یہیں سے آپ واپس لوٹ آئے تھے۔ حضرت نسطورہ نے بھی آپ کو پہچان لیا تھا یہ درخت، اپنی بوسیدگی کی چھاپ اور گہری کر لیتا ہوگا کہ یہ مسند صرف ایک عرش کے دولہا کے لئے بچھا رکھی ہے۔ کوئی اور نہ یہاں آ کے بیٹھے۔ وہ ہر لمحہ اسی انتظار میں رہتا ہوگا کہ عرشِ الٰہی کا راہی کب اس راہ سے گزرے گا جس کے انتظار میں میری آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔

دن تیرے خیالاں وچہ لنگھدا، راتیں سوواں تے تیرے سفنے نے

تیری یادِ بناں میرے چن سجنا، جیہڑا ساہ آیا اوہ حرام آیا

حضرت نسطورہ نے میسرہ کو بلا بھیجا اور میسرہ سے پوچھا۔ میسرہ! یہ شخص جو تیرا آقا ہے۔ صحیح صحیح بتا یہ کون ہیں۔ میسرہ نے کہا، ان کا نام محمد ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے والد ماجد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب، دونوں کا وصال ہو چکا ہے۔ ہاشمی ہیں، قریشی ہیں۔

حضرت نسطورہ نے کمال عقیدت و محبت سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جو قبول ہوگئی جب آپ سے اس راہب کی ملاقات ہوئی، تعارف ہوا، آداب بجا لایا اور کہا۔

اٰمَنْتُ بِكَ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ الَّذِیْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی التَّوْرَاةِ فَلَمَّا رَاٰی خَاتَمَهٗ فَقَبَّلَهٗ وَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ بَشَّرَكَ بِعِیْسٰی

یعنی میں آپ پر ایمان لایا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی شخصیت ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات شریف میں کیا ہے۔ پھر جب اس نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت مبارک دیکھی تو اس کو بوسہ دیا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے رسول نبی امی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔

بحیرہ راہب اور نسطورہ کے مقدر جاگے اور وہ درخت بھی۔ محبت رسول میں جھوم جھوم گیا۔ وہ آپ کو پہچان گئے۔ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ اس پہچان کے ساتھ ساتھ۔ آپ کی تصدیق بھی کی۔ ایمان بھی لائے اور بشارتوں کا ذکر کیا، ان کی پہچان، ان کی تصدیق اور ان کی شہادت۔ کو سلام بار ہا سلام، درخت کی جڑوں سے لے کر اس کی ہر شاخ کو ہر ٹہنی کو، ہر تنے کو، اس کی بوسیدگی کو اور اس کی صدیوں سے انتظار کی ہر گھڑی کو سلام۔

تعلق ہے مرا اہل نظر کے اُس قبیلے سے
خدا کو جس نے پہچانا محمد کے وسیلے سے

....

اک جہاں واقف ہے مجھ سے کیا بتاؤں اپنا نام
مجھ کو کہتے ہیں محمد کے غلاموں کا غلام

صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ و اصحابہٖ و بارك وسلم

منبر رسول اور استنِ حنانہ

اسمِ جامد کہتے ہی اس کو ہیں، جو نہ خود کسی سے بنے اور نہ اس سے کوئی چیز بنائی جا سکے۔ جیسی چیز ہے، جہاں ہے، پڑی ہے، پڑی رہے۔ گویا اس کو کسی کی غرض، نہ اس سے کسی کو غرض، اس کی مثال میں، پتھر، ریت، بجری، ذرے، دیوار، چھت، لکڑی اور اس قسم کی دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ علم، عقل، تجربہ، فہم و فراست، غور و فکر اور نہ جانے کیا کیا۔ اسی عقل، علم اور تجربہ سے انسان نے ہمیں جمادات میں شامل کیا ہے۔ انسان کی مرضی، ہم کیا کہہ سکتے ہیں، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

لیکن اگر انسان تاریخ، سیرت، قرآن، حدیث کی ثقہ کتابوں کا مطالعہ کرتا، اور جس طرح اپنے زندہ ہونے، اپنے جذبات کے اظہار، اپنی طرف سے محبت کرنے اور نفرت کرنے اور تڑپنے، پھڑکنے، گلے لگانے، دور ہٹانے کے واقعات کا اظہار کر چکے ہیں۔ کسی کے دور ہونے پر جدائی برداشت نہ کر سکنے، رونے دھونے، آنسو بہانے اور کسی کو سینے سے لگانے پر مجبور کرنے کے جو انداز ہم نے اختیار کئے ہیں۔ کسی کے قریب آنے پر، فرحت و مسرت سے رقص کرنے اور جھومنے کا اظہار کر چکے ہیں، ان تمام واقعات کو پڑھتا، تو شاید جمادات ہونے کا طعنہ نہ دیتا۔

میں ایک لکڑی کا کھم تھا۔ مسجد نبوی شریف میں دو چولوں پر کھڑا رہتا تھا۔ پتہ نہیں، کس کرم فرما نے مجھ پر احسان کیا، مسجد نبوی شریف تعمیر ہوئی اور خشک کٹی ہوئی کھجور کے تنے کو اٹھایا اور لا کر عین مصلیٰ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب لا کر کھڑا کر دیا۔

میرے مقدر پر، یقیناً عرشِ اعظم بھی ناز کرتا ہوگا۔ وہ عرشِ الٰہی ضرور ہے لیکن

میرا مولا، میرا خالق و مالک، تو اس پر بیٹھنے، اس کا سہارا لینے، سے بے نیاز ہے۔ یہ تو وہی جانتا ہے کہ اس نے اس کو کیوں تخلیق کیا اور عرشِ الٰہی پر کون جلوہ فرمائے گا لیکن میرے ساتھ تو عرش کا دولہا، جب چاہتا، کرم فرماتا، آ کر کھڑا ہو جاتا، میرے ساتھ ٹیک لگا لیتا۔ میں نے کئی لوگوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔

جھلے لوگو! جو دنیا کی بے سہارا چیز کا سہارا بن کر تشریف لائے۔ بے چاروں کے چارہ بن کر تشریف لائے، انہیں میرے سہارے کی ضرورت تھی؟

وہ تو مجھ مردہ کو زندگی بخشنے آئے تھے اور مجھ مردہ کو زندہ فرما دینے آئے تھے۔ یہ کرم کی بہار ایک عرصہ رہی۔ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا، ہر چیز فانی ہے۔ میری بہار پر بھی خزاں آنے کا وقت آ گیا۔

مسجد نبوی شریف میں جانثاروں کی، پروانوں کی، غلاموں کی، تعداد بڑھنے لگی، ارشادات کا سلسلہ بھی طویل ہونے لگا۔ دیر تک سرکارِ دو جہاں کو کھڑا رہنا پڑتا۔ آپ کے غلاموں میں ایک صاحب حضرت عباس بن سہل بڑھئی یعنی کارپینٹر ترکھان تھے۔ لکڑی کا کام خوب جانتے ہوں گے۔ انہوں نے ایک دن یہ تجویز پیش کی۔ کریم آقا، جب آپ وعظ ارشاد فرماتے ہیں، ایک تو جو ہم میں سے دور ہوتے ہیں، وہ دور ہونے کی وجہ سے زیارت سے محروم رہتے ہیں۔ دوسرا آپ کو دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ اگر آپ اجازت عطا فرمائیں تو میں لکڑی کا منبر بنا کے لے آؤں۔ جس کے اوپر بیٹھ کر آپ وعظ و نصیحت فرمائیں۔ کریم آقا نے ان کی اس جائز پیش کش کو قبول فرمایا اور منبر بنانے کی اجازت عطا فرما دی۔ منبر بن گیا۔ یار لوگوں نے، بڑے چاؤں کے ساتھ لا کر کھڑا کر دیا۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى کی شان والے خطیب،

خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے اس کے اوپر جلوہ افروز ہو گئے۔

میرے لیے جدائی کا یہ پہلا لمحہ تھا۔ یہ فراق برداشت نہ کرسکا۔ چیخ اٹھا، محفل پاک میں بیٹھنے والوں حضرت عباس بن سہل بن سعد الساعدی، حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے، میری کہانی بیان کرتے ہوئے جو بیان فرمایا، میں یوں رو رہا تھا جیسے کسی اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے اور ماں مامتا کی ماری بچے کے فراق میں سارے زمانے کو رلا دینے کا انداز اختیار کر کے رونا شروع کر دیتی ہے۔ یا میں روتے ہوئے بیل کی طرح آواز نکال رہا تھا۔

ماں کو تو شاید کبھی صبر آ ہی جاتا ہوگا، میں تو شاید تا قیامت صبر نہ کرسکتا۔ میری تو چیخیں نکل گئیں، میرا کلیجہ اور جگر پھٹ گیا۔ میں رو بھی رہا تھا، فریاد بھی کر رہا تھا، اور کہہ بھی رہا تھا

کششے کہ عشق دارد نہ گذار دت بدنیسا
بجنازہ گر نہ یائی بہ مزار خواہی آمد

اے میری زندگی کی ہر تار کی زندگی، میرے عشق میں، میری طلب میں، اور میری چاہت میں، وہ کشش ہے کہ آپ کو چھوڑے گی نہیں اگر آپ میرے جنازے پر نہ آئے تو آپ کو میرے مزار پر ضرور آنا ہی پڑے گا۔

تک پتری والیا لیکھ میرے — میرے ہتھ وچہ ونگیاں لیکاں نے
کدوں دل دا محرم آوے گا — یا لمیاں ہور تریکاں نے

قربان جاؤں، آپ کی محفل میں بیٹھنے والوں نے بھی میری زاری سن لی۔ دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے والے ماہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو سننی ہی سننی تھیں، عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کے دردی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف سے اترے۔ مجھے کلاوے میں لیا، سینے سے لگایا، جذبات کا عرصہ اگرچہ لمحوں تک محدود تھا، لیکن میرے لیے تو ایسا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔ پناہِ بے کساں کی پناہ

میں آ رہا، تو میری بندھی ہوئی گھگی سسکیوں میں بدل گئی۔ دردِ دل تھم گیا۔ نیند آ گئی پروانے کو۔

باخبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے رونے کا سبب کیا پوچھنا تھا۔ اور شاید میں بیان بھی نہ کرسکتا، البتہ آپ نے دلاسا دیتے ہوئے فرمایا: کیا چاہتے ہو، اگر چاہو، تو ایسی جگہ لگا دوں کہ تو پھر تروتازہ ہو جائے اور پھر سے پھلدار ہو جائے اور دنیا تیرے پھل سے فیض یاب ہو اور تیرا یہ فیض قیامت تک جاری رہے۔

عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، بندہ پرور، ذرہ نواز، دنیا تو پھر دنیا ہے اور اسے فنا ہی فنا ہے۔ اِقْتَرَبَةِ السَّاعَةُ کا نقارہ بج رہا ہے۔ آج نہیں تو کل ختم ہو جائے۔ اگر زندگی بخشنی ہے تو ہمیشہ کی زندگی عطا فرما دیں۔ لیکن یہ ہمیشہ کی زندگی بھی مَـــرَافَقَتَكَ کی شرط سے مشروط ہے۔ یعنی اس زندگی میں بھی آپ کا قرب حاصل ہو، آپ سے دوری تو عذاب ہے عذاب، خواہ یہاں کی ہو یا وہاں کی۔

میرے کریم نے کرم فرمایا، میں نے آخرت کی زندگی میں آپ کا ساتھ طلب کیا تھا، آپ نے اس زندگی میں بھی اپنے قدموں میں سلا لیا، پھر کرم بالائے کرم یہ کیا کہ مجھے بے نام ونشان نہ رہنے دیا۔ مجھے قبر بنا کر دفن فرمایا۔ اس پر ایک مینار کھڑا کر دیا۔ جسے دنیا آج بھی استنِ حنانہ سے یاد کرتی ہے۔

آپ کو یاد ہے کہ آپ تو خطبہ ارشاد فرمانے والے تھے۔ آپ کا خطبہ وحی الٰہی تھا۔ سبحان اللہ! لیکن درمیان میں ایک دکھی کی فریاد سن کر، خطبہ ہی ارشاد فرمانا بھول گئے اور میرا دکھ بانٹنے لگے، ہاں نبی ہوتا ہی وہ ہے جو **رحمة للعلمین** ہو۔ نبی ہوتا ہی وہ ہے، جسے اپنے چاہنے والوں کا دکھ درد بے چین کر دے، بے قرار کر دے اگر آپ یہ کرم نہ فرماتے، میں تو خاک میں مل کر کبھی کا خاک ہو چکا تھا۔ لیکن آپ کے قرب نے لذتِ قرانواں سے سرشار کیا۔ خود تکلیف اٹھانا، دوسروں کو آرام پہنچانا، یہ نبیوں کا اور ان کے جانشینوں کا شیوہ ہے۔

ایک میں ہی اس کا دیوانہ نہیں ہوں دوستو
اس حسیں کو جس نے بھی دیکھا وہی شیدا ہوا

عشق

عشق اور محبت پتھروں میں بھی جان ڈال دیتی ہے۔ ہاں ہاں! واقعی۔ دنیا کا سب سے سچا انسان'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جس کی سچائی کی، اس کی محفل میں بیٹھنے والے عدیم المثال سچے لوگوں نے دی، اور اغیار کے سروں پر اس کا سچ، اس کی صداقت، جادو بن کر چڑھی۔ اگر وہ میری حکایت بیان کرتا ہے تو اس کی سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار ممکن نہیں۔ اس کے باوصف، اگر تو اب بھی گومگو کی کیفیت میں ہے تو مجھے کہنے دیجیے

تو عشق میں ناکام ہے
تیری محبت خام ہے

تُو عشق حقیقی اور مجازی کے چکر میں نہ پڑ۔ عشق، عشق ہی ہوتا ہے، اگر عشق میں آرے سے کٹنا، کھال کھنچوانا، صلیب کو خود اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرنا، کوئی سایہ شجر ملے، اور نہ قطرہ آب ملے، تو سمجھ لے، عشق کی سیڑھی چڑھ رہا ہے۔

عشق نگر کی ہوائیں، درختوں کو زرد کرتی ہیں، پتے نوچتی ہیں، دیئے بجھاتی ہیں، چھتیں اڑاتی ہیں اور ریزے ریزے فضا میں بکھیرتے دیکھی ہیں۔

عشق کی دھرتی میں صرف ایک ہی فصل اگتی ہے اور وہ فصل، درد کی فصل ہے، فضائیں سسکیاں بھرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اس راہ میں دیئے جلانے کے لیے جگر کا خون ڈالنا پڑتا ہے اور آگ جلانے کے لیے ہڈیوں کا بالن، بالنا پڑتا ہے۔

عاشق پر سونا، حرام ہو جاتا ہے۔ جیسے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں، مرد پر سونا، حرام ہو جاتا ہے۔

میں نے ایک دن، نیند سے پوچھا، تو عاشق کے گھر میں، کیوں نہیں آتی، کہنے لگی، میرا گھر اس کی آنکھیں ہیں، اور اپنے گھر میں آنے کو، کسی کا دل نہیں چاہتا، لیکن جب کبھی میں کسی عاشق کے پاس آتی ہوں تو اس کی آنکھیں جو میرا گھر ہے اس میں کسی اور کو بسا ہوا دیکھتی ہوں، تو غیرت اور شرم سے واپس لوٹ جاتی ہوں۔

جب عاشق، عشق اور معشوق میں اتحاد ہو جاتا ہے تو مست، ساقی اور شراب سب ایک ہو جاتے ہیں، شاگرد، استاد اور کتاب میں تمیز باقی نہیں رہتی۔

عاشقاں را خود مدرس، حسن دوست
دفتر د درس دسبق شاں روئے دوست

عاشقوں کا مدرس و معلم خود محبوب کا حُسن ہوتا ہے۔ عاشقوں کا درس سبق اور سب کچھ محبوب کا چہرہ ہوتا ہے۔

عاشقاں را پا سنج و شش درکار

عشق کو چار پانچ اور سات سے کوئی سرورکار نہیں ہوتا۔ یعنی عاشق، حساب میں نہیں پڑتا۔ گن گن کے نام لینا، عشق کی توہین ہے، اس کا مقصد، صرف اور صرف یار میں جذب ہو جاتا ہوتا ہے۔

عشق دے جھلے ای بازی لے گئے
عقلمنداں ایویں عمراں گالیاں

دانہ پانی اور مٹی میں جذب ہوتا ہے، تو سات سو دانے پیدا ہوتے ہیں۔ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مأة حبة۔ اگر دل کی زمین میں، اشکوں کے پانی کا اور یادِ محبوب کا دانہ، کاشت ہو جائے تو عشق کی کارفرمائیاں دیکھ!

ہم بھی کسی کی چاہ میں مجذوب ہو گئے، پھر محبوب، خود، منبر سے اترا، اور کلاوے میں لیا، سینے سے لگایا، پھر دردِ دل تھم گیا، نیند آ گئی پروانے کو۔

نہیں گر مونس و غم خوار مرا کوئی دنیا میں
تو پھر یہ سر پہ میرے ہاتھ رکھنے کون آتا ہے
کوئی تو ہے جسے احساس ہے ہم غم کے ماروں کا
سفینہ کوئی تو اپنا کنارے سے لگاتا ہے

(شیخ عطاء الرحمٰن ایڈووکیٹ)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وبارك وسلم

گوشت، ہنڈیا، آٹا، سالن کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور آپکی اطاعت

ہم سب ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھنے والے ہیں، بے جان، بے زبان، بے حس و بے حرکت، جامد و ساکت، نہ ہوں نہ ہاں۔ اس لیے ہم مکلّف بھی نہیں۔ جس طرح آپ مکلّف ہیں۔ البتہ ایک بات ذہن میں رکھیں۔ جیسے آپ باختیار ہیں، ویسے ہم باختیار نہیں، آپ کسی کا حکم مانیں، مانیں، نہ مانیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم بے زبان، بے جان، بے حس و بے حرکت اور جامد و ساکت ہونے کے باوجود، ہماری کوئی حرکت، ہمارا کوئی قدم، مالک کی مرضی کے بغیر اٹھ نہیں سکتا، ہر لمحہ حکم خداوندی کے پابند اور منشاء خداوندی کے چاہنے والے ہیں۔

غزوۂ خندق میں بھی ہماری بھرپور شمولیت رہی، الحمدللہ، خود جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک میں آنے والی خوش قسمت کدال کی معجز نمائیاں، گزشتہ سطور میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ اس نے کس انداز میں سخت ترین چٹان کو توڑا، پتھر سے نکلنے والے شعلہ جات سے ماحول کو منور کیا کہ شام و فارس اور یمن کے محلات تک نظر آنے لگے اور مستقبل قریب میں ہونے والی فتوحات اور ان ملکوں پر قبضہ کرنے کی چابیاں، کس طرح جانِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

دست مبارک میں دے دیں۔ یہ سب آپ پر واضح ہے۔

سخت ترین سردی اور جاڑے کا موسم تھا۔ ایمان لانے سے پہلے کا بنی غالب کا ایک سفیہ اوراحمق انسان، ابوسفیاں پورے عرب قبائل کو جمع کر کے مدینہ منورہ کی ایک چھوٹی بستی پر حملہ آور ہونے والا تھا۔ خود مدینہ منورہ میں بھی مار ہائے آستین کی کمی نہ تھی۔ اور وہ بھی ہر بہانے، قدمے، سخنے، درہمے، ہر انداز سے کسی نہ کسی صورت ڈنک مارنے کا موقع ہاتھ جانے نہ دیتے تھے۔

جا نثارانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام بیرونی سازشوں اور کبیدہ خاطری کے اسباب کے ساتھ ساتھ، بھوک افلاس اور تنگدستی کے عفریت کا مقابلہ بھی کررہے تھے۔ کم بخت پیٹ کی جوع اور بھوک نے، بڑے بڑوں کے ایمان ہلا کر رکھ دیئے لیکن یہ نہ جانے کس مٹی کے خمیر میں گُندھ چکے تھے کہ دنیا کا کوئی بھی مخالفانہ حربہ، ان کے ایمان کی مضبوط دیوار میں رخنہ نہ ڈال سکا۔ بلکہ اور زیادہ جوش و ولولہ سے کدال چلاتے، اور اپنا اپنا حصہ کھودنے میں سبقت کا جذبہ قابل دید تھا۔ خود جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ان کی کیفیات دیکھ کر بڑی رقت کے ساتھ یہ دعائیہ شعر گنگنا رہے تھے

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃَ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَۃَ

یعنی بلاشک وشبہ اصل زندگی، تو آخرت کی زندگی ہے، اے میرے خالق و مالک! تو انصار اور مہاجرین کی بخشش فرمادے۔

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اقدس سے نکلنے والی دعا سے مست ہوکر، خود سرخیلِ انسانیت صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی گنگنانے لگے

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

یعنی ہم راہِ عشق ومحبت ومستی کے وہ مسافر لوگ ہیں جنہوں نے جانِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس لیے بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ ہیں، حق کے کلمے کی سربلندی کے لیے جہاد کرتے ہی رہیں گے۔

یہ عجیب کیف وسرور کا عالم تھا۔ بھوک وافلاس سے تین دن سے ایک لقمہ بھی نہ ملنے پر، جسماً نقاہت فطری امر ہے۔ لیکن قلباً اور ایماناً پختگی کے انتہائی عالم میں بھی اپنے اپنے حصہ کی خندق، ذوق وشوق سے کھود رہے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اپنے غلاموں کی اس کیفیت کو دیکھ دیکھ مسرور ہوتے اپنے ایک غلام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اے ہمارے رب کریم! اگر آپ مہربانی نہ فرماتے تو نہ ہم ہدایت یافتہ ہوتے نہ صدقہ وخیرات کرتے اور نہ ہم نماز ادا کرتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اِنْ لَاقَيْنَا

اے اللہ تعالیٰ! ہم پر اپنے کرم سے چین وسکون اور اطمینان نازل فرما اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم فرما۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی آپ نے یہ بات سنی ہوگی۔ ان کی بیان کردہ روایت کتب احادیث میں موجود ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت نعمان بن مقرن المذنی رضی اللہ عنہ، اور چھ انصاری صحابہ کے حصہ کی چالیس ہاتھ خندق کھود رہے تھے کہ ہمارا ایک بھائی کے

حصے کا پتھر اڑ گیا۔ صحابہ نے بڑا زور لگایا لیکن اس نے نہ ٹوٹنا تھا اور نہ ٹوٹا۔ اس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں۔

اسی دوران، ایک صاحب نے ہمدردِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تین دن سے کوئی چیز کھانے کو میسر نہ ہونے کی وجہ سے قوتِ برداشت جواب دے رہی ہے۔ ہم نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں۔ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً صرف اپنے پیٹ مبارک سے قمیص اٹھائی، تو صحابہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم نے تو ایک ایک پتھر باندھا ہوا ہے اور جانِ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے ہیں۔

یہ کیفیت تو سب صحابہ کرام کی تھی لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ تو برداشت نہ کر سکے۔ خاموشی سے اٹھے، گھر گئے، بیوی سے کہا، اللہ تعالیٰ تیرا بھلا کرے، آج میں نے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت دیکھی ہے اور میں برداشت نہیں کر سکا کیا گھر میں کچھ کھانے کو ہے۔ بیوی نے کہا چند سیر جو کا آٹا ہے اور ایک چھوٹا سا بکری کا میمنا ہے۔ بکری کا بچہ ذبح کر لو، میں آٹا گوندھ لیتی ہوں اور تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاموشی سے عرض کر دو، ایک دو جو آپ کے قریبی صحابہ ہیں ان کو ساتھ لے آئیں اور دیکھنا احتیاط کرنا کہیں مجھے زیادہ دوستوں کو دعوت دے کر رسوا نہ کر دینا۔

انہوں نے کہا فکر نہ کر، مجھے نہیں پتہ کہ گھر میں کتنا کھانا ہے۔ خیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ پہنچے اور انتہائی سرگوشی میں موقع تلاش کر کے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انتہائی مختصر سی دعوت ہے۔ قبول فرمائیں۔ دو ایک ساتھی لے لیں۔ اور خاموشی سے تشریف لے آئیں اور ماحضر تناول فرمائیں۔

آپ تشریف جو لائیں گے تو احسان ہوں گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دعوت پیش کی اور حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام خندق کھودنے والے اصحاب کو یاد فرمایا۔ سب غلام حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: بھائی! آج جابر نے آپ کی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ چلو جابر کے گھر چلیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ یوں محسوس ہوا، جیسے ان کے سر پر گھڑوں پانی پڑ گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے، جانثاروں کی ایک کثیر تعداد جن کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ایک ہزار کے قریب تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی چاروں ناچار اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے آگے چل دیئے البتہ حضور نے آواز دے کر فرمایا: جابر! میرے آنے تک ہنڈیا سے ڈھکنہ نہ اٹھانا اور نہ آٹے سے کپڑا اتارنا۔

یہ حکم شاید ہمارے آقا نے، ہماری خدمات پر پردہ پوشی کے لیے ارشاد فرمایا تھا لیکن عشق اور مشک کبھی چھپائے چھپتے ہیں۔ ہم سب کو، آٹے کو، گوشت کو، شوربے کو، ہنڈیا کو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ہاتھوں کو، ان کی ہمتوں کو، ان کے حوصلوں کو، چولہے کی آگ کے ہر شعلے کو، آج اپنی اپنی وفاداریوں کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ہماری پردہ پوشی فرمادی اور جوشِ عشق میں ہوش کا دامن مضبوط رکھنے کے لیے پردہ ڈالے رکھنے کا حکم عطا فرمایا۔

ورنہ جس طرح سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زمین کے سنگلاخ سینے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کو بوسہ دینے کے لیے نکلنے والے پانی اور اس کے جوش کو زم زم کہہ کر روک دیا تھا ورنہ شاید وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکتا اور اپنے سوتے اتنے کھول دیتا کہ ساری زمینِ کائنات کے کونے کونے تک پہنچ پہنچ جاتا۔ تو وہ اب بھی رہا ہے لیکن وہ انداز کچھ اور ہوتا لیکن شاید اتنا احترام قائم نہ رہتا، جتنا سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زم زم کہنے سے ہوا کہ چیز کی کثرت

بے پایاں، اس کی قدر و منزلت کو کم کر دیتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جلدی جلدی گھبراتے ہوئے افتاں و خیزاں، گھر پہنچے اور ایک ہی سانس میں سارا واقعہ سنا دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بندی بڑے حوصلے والی تھیں۔ پوچھا! میرے سر کے تاج! آپ نے خود سارے صحابہ کو دعوت دی ہے یا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت ارشاد فرمائی ہے۔ کہنے لگے، بھلیئے! میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان میں کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دو چار ساتھی لے کر تشریف لائیں۔ اور شام کا کھانا آج آپ ہمارے ساتھ تناول فرمائیں۔ ابھی میرے منہ میں یہ الفاظ تھے کہ آپ نے سب کو دعوت دے دی۔ اب بتا! میں وہاں کیا کرتا تو اس اللہ تعالیٰ کی بندی نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا پھر پریشان ہونے والی کون سی بات ہے اب سرکار دعوت دینے والے جانیں یا دعوت قبول کرنے والے جانیں۔ **واللہ اعلم ورسولہ بالصواب۔**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بھی حوصلہ ہو گیا۔ اتنے میں جانِ بہار و جان عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کے جلو میں تشریف لے آئے۔ آپ نے آتے ہی پہلے ہنڈیا کا ڈھکنا اٹھایا۔ کچھ پڑھ کر اپنا لعاب دہن یعنی اپنے منہ مبارک کا تھوک مبارک ڈالا۔ پھر آٹے کو یہ شرف عطا فرمایا۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ زبانِ مبارک تھی جو صرف ہم جمادات ہی سمجھ سکتے تھے۔ بس ہم سمجھ گئے کہ آپ سرکار کیا چاہتے ہیں۔ ہمیں اپنے دامن کی تنگ دامانیوں کی ساری طنابیں توڑ پھوڑ دینے کا حکم تھا اور جوشِ محبت میں ہوش کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھنے کا ارشاد تھا۔ اب ہم نے خاموشی سے، ادب کا دامن تھامتے ہوئے اپنا سلسلہ اور کنکشن، منبعِ فیض سے جوڑ دیا اور اپنا کام شروع کر دیا۔

ہادی انس و جن، منتظم اعلیٰ بزم امکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس دس آدمی بلاتے جائیں اور کھانا کھلاتے جائیں۔ پتہ نہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کے ہاتھوں میں چولہے کی آگ کی پکاوٹ میں، توے کی خدمت، آٹے کی روٹی بننے تک کے سفر میں آسانیاں، جلدیاں اور سُرعتیں اور برکتیں کہاں سے آ گئیں۔ وہ اکیلی ہی پکا رہی ہیں، لوگ آ رہے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روٹیاں، سالن اور بوٹیاں برتنوں میں ڈال ڈال کر پیش کئے جا رہے، دس دس آدمی کھانا کھا رہے ہیں اور یہ سلسلہ تا دمِ آخر جاری و ساری رہا۔ نہ آٹا کم ہوا، نہ ایندھن اور لکڑیاں کم ہوئیں، نہ چولہا جلانے میں دقت ہوئی، نہ توے نے روٹیاں جلائیں، نہ شوربا کم ہوا، نہ بوٹیاں کم ہوئیں، نہ جابر صاحب کی ہمت نے ساتھ چھوڑا، نہ صحابہ کرام جو تین تین دن سے بھوک سے تلملا رہے تھے، نہ ان کے صبر کے تار ٹوٹے۔ حتیٰ کہ آخری دس آدمیوں نے بھی کھانا کھا لیا۔ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز میں جان ڈال دی، خود بھی کھانا تناول فرمایا پھر اہل خانہ نے کھانا کھایا۔

ذرا سوچیں! اس اللہ تعالیٰ کی نیک بندی ایک ہزار انسان کے لیے روٹیاں پکاتے پکاتے ہاتھ کیوں شل نہ ہوئے، اس کی ہمت نے جواب کیوں نہ دیا، پھر اس کے بعد تھکاوٹ سے دس دن چارپائی پہ کیوں نہ پڑی رہی۔

غرض ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کی خدمت میں کمی نہ آنے دی، اگر کہیں بھی کوئی کوتاہی سرزد ہوئی ہوتی تو ہمارے اس واقعہ کے خلوص وللّٰہیت کی خوشبو آج تک اس واقعہ کے پڑھنے اور سننے والوں کو مسحور نہ کر رہی ہوتی۔

ثابت ہوا حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف جنوں اور انسانوں کے رسول نہیں وہ ہمارے بھی رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جب آپ نے آٹے میں، ہنڈیا میں، لعابِ دہن ڈالا تو ہم سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہنڈیا کا اپنا دامن، تو بیچاری کا انتہائی مختصر تھا لیکن تنگ دامنی کی اسے شکایت نہ تھی

کہ اسے خبر تھی کہ لعابِ دہن ڈالنے والا علاجِ تنگی داماں بھی جانتا ہے۔ پھر اس نے اپنی طرف نہ دیکھا کچھ پڑھ کر پھونکنے والے کی ذات پر نظر رکھی۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگی داماں بھی ہے

گوشت تھا ہی کتنا، چند بوٹیاں، جو دس بیس افراد زیادہ سے زیادہ کھا سکتے تھے۔ لیکن بوٹیوں میں، شوربے میں، نمک میں، مرچ میں، مصالحے میں، برکت ڈالنے والے پر نظر رکھی اور ہر چیز بڑھتی چلی گئی کہ یہی حکم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور اسی کی محبت میں اس کے حکم کی تعمیل ہمارا فرض تھا۔

آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کے ہاتھوں کا پوچھا ہی نہیں۔ اس اللہ تعالیٰ کی نیک بندی جس نے حضرت جابر کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا اگر آپ نے خود احبابِ رسول کو دعوت دی ہے تو ذرا فکر و تدبر کی بات ہے لیکن اگر جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی ہے تو وہ جانیں، وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔ پھر اس نیک بخت کے ہاتھوں کی پُھرتی، چولہے میں ڈالے جانے والے ایندھن کی کمال سرعت اور تیزی و طمازت، دیکھتے جائیے۔ اور ایمان کو تازگی بخشتے جائیے۔ ایک ہزار انسان نے آخر کھانا کھایا اور پیٹ بھر کر کھایا، وہ ساری روٹیاں، وہ چولہے کی تیاری، وہ لکڑیوں کا جلانا، آپ کے سامنے ہے۔

دراصل حضرت جابر کے گھر میں ایک بے جان اشیاء کا پورا قافلہ مصروف عمل ہو گیا۔ نہ داد طلب کی اور نہ اس کی چاہت تھی۔ صرف اظہار محبت کا ایک عاجزانہ کا اظہار ہے۔ جو انہوں نے کر دیا۔

جب آپ سب کے جانی سیر ہو گئے تو ہم بھی سیر ہو گئے۔ ہمارے سیر ہونے کی خوشی و مسرت کی خوشبو اتنی پھیلی کہ آج ایک ہزار چار سو سال سے آگے بڑھ کر ۲۸، ۲۹ برس ہونے لگے ہیں وہ خوشبو اب تک ماند نہیں پڑی۔

خوشبو ہے کہ اب تک نہیں جاتی میرے گھر سے
اک شب کوئی مہمان مرے گھر میں رہا تھا

عصاءِ مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ نے پڑھا ہوگا اللہ تعالیٰ نے انتہائی لاڈلے اور پیارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس، ایک عصاء تھا جس رات آپ کو کوہِ طور پر آپ کو آپ کے منصب نبوت سے آگاہ فرمایا گیا اور ذاتِ باری تعالیٰ نے شرفِ ہمکلامی بخشا تو وہ عصاء اس وقت بھی آپ کے ہاتھ میں تھا بلکہ اس پاک محفل میں، اس عصاء کا، باقاعدہ تعارف ہوا۔ مالک نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی پوچھا، اے موسیٰ! یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے، عرض کیا، هِیَ عَصَایَ۔ یہ میرا سوٹا ہے میں اس سے یہ یہ کام لیتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ڈنڈے سے وہی کام لیتے تھے جو ساری دنیا لیتی ہے۔ اب عہدۂ نبوت سے آگے اس سے صرف وہی کام لیے جاتے تو نبی اور غیر نبی میں کیا فرق رہ جاتا۔ اس لیے مالک نے فرمایا: اے میرے پیارے نبی! اب آپ اور عوام ایک جیسے نہیں اب یہ ہماری مخلوق وہ کام ہمارے حکم سے آپ کے لیے کرے گی، جو غیر نبی دنیا کا کوئی انسان بھی، اس سے وہ کام نہیں لے سکتا۔ ہم خود قانون بنانے والے، خود نافذ کرنے والے، ہم خود ڈیوٹیاں لگانے والے، ذمہ داریاں عطا کرنے والے، آج سے عصاء، آپ پتھر پر ماریں، تو پانی کے چشمے جاری کرے، پانی پر ماریں تو خشک راستے بنادے، آپ ہاتھ میں رکھیں تو عصاء اور ڈنڈا، آپ کے ہاتھ سے جدا ہو تو سانپ اور اژدھا اور اژدھا بھی ایسا کہ ہزاروں سانپ، بچھو اور زہریلے جانور ہضم کر جائے اور اس کا پیٹ موٹا نہ ہو۔ اور جو کام آپ اس سے پہلے لے رہے تھے وہ بھی جاری و ساری، آپ سہارا لے کر کھڑے بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ بکریوں کے لیے درختوں سے پتے اور ٹہنیاں توڑ

سکتے ہیں، یہ آپ کا ہمراز بھی ہے، ساتھی بھی ہے، معجزہ بھی ہے، اور معاون بھی۔

لیکن یہ عصاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخصوص تھا۔ یہ سارے کام، صرف وہی عصاء کرسکتا تھا اگر کوئی اور عصاء آپ پکڑتے تو شاید یہ سارے کام اور یہ ساری خدمات وہ انجام نہ دے سکتا۔

ہاں! البتہ اگر سید عالم، جانِ کائنات، راحتِ جانِ حزیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ہو تو اس کا رنگ ہی اور ہے آپ تو جس کو اشارہ فرمادیں وہی حکم کا پابند اور ہر وہ کام کرنے لگے، جو دنیا نے دیکھے نہ بھالے۔

ہوں تو میں بھی ایک عصاء، جانِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے شرف بخشا ہوا تھا کہ میں آپ کے خانہ اقدس میں پڑا رہتا۔ گاہے گاہے، حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بھی استعمال فرماتے تھے۔

غزوۂ خندق کے بعد کفار کی ناکامیوں اور نامرادیوں کے باوجود، چند بدنصیب و بد باطن ایسے بھی تھے جو ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے تھے۔ انہیں اسلام کے نام پر محبت و الفت اور مساواتِ انسانی کی خیرات کا بٹنا اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ اپنی ناکام سازشوں کی پھونکوں سے اسلام کا چراغ بجھانا چاہتے تھے۔ چمگاڈر کو سورج کی شعاعوں کا چار دانگ عالم میں پھیل جانا اور اندھیروں کا دور ہونا اچھا نہیں لگتا، انہی بد باطن، بدبخت و بدنصیبوں میں ایک بدنصیب خالد بن سفیان بن فتیح تھا جو اپنے دوستوں، ساتھیوں، اور اپنے تعلق داروں کو جمع کر رہا تھا تاکہ وہ سب نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماہتاب عالم تاب پر تھوکنے والوں میں اور مغضوب و ضالین میں اپنا نام شامل کرلے۔

راحت و جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معمول کے مطابق اس فتنہ کو بھی ابتداء ہی سے ختم کرنے اور نیست و نابود کرنے کا ارادہ فرمایا۔

آپ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور اس مذکور خالد بن سفیان بن فتیح الہذلی کے بارے میں بتایا اور فرمایا، اس کا انتظام کیا جائے اور فرمایا، اس فتنہ کی سرکوبی کردی جائے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اشارہ پاتے ہی تلوار کو اپنے گلے میں حمائل کیا اور اس کی طرف چل دیئے۔ نماز کا وقت تھا، انہیں فکر لاحق ہوئی کہ اگر نماز پڑھنے لگا تو حکم کی تعمیل میں تاخیر ہو جائے گی۔ دشمن کے علاقہ میں جا کر پڑھی تو وہ میرے مسلمان ہونے پر آگاہ ہو جائیں گے۔ دل نے فیصلہ کیا حکم کی تعمیل میں بھی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ دشمن کو بھی خبر دار کرنا مناسب نہیں اور مالک کے حضور سے حاضری سے محرومی پر راحتِ جان و دل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی۔ لہٰذا سواری پر سوار ہی نماز کی نیت باندھ لی اور اشاروں کنایوں سے رکوع وسجود کی تکمیل کرتے گئے، کسی کو خبر بھی نہ ہونے دی اور دشمن کی طرف سفر بھی جاری رکھا۔

حتیٰ کہ آپ خالد الہذلی کے ڈیرے تک پہنچ گئے۔ اس نے آہٹ پا کر پوچھا، من الرجل ،کون ہے۔آپ نے فرمایا: میں نے سنا ہے تم مسلمانوں کے خلاف تیاریوں میں مصروف ہو اور دن رات اسی کرب میں مبتلا ہو۔ اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے سوچا ہوگا۔ یہ بدبخت کب تک اس کرب اور قلق میں مبتلا رہے گا۔ اس کرب سے نجات دینے میں اس کی مدد کرنی چاہیے۔

اس نے یہ سمجھا، یہ میرا ہمدرد اور ساتھی ہے اور آپ کو اپنے راز میں شامل کرلیا۔ غصے و تعصب کی آگ کے جلاپے، اپنوں اور غیروں میں امتیاز کی صلاحیتیں، چھین لیتے ہیں، اس لیے فوراً آپ کو اپنا ہمراز بنایا۔ آپ کو ساتھ لیا اور کسی اور بدنصیب کو اس دلدل میں پھنسانے کے عمل اور منصوبے کی تکمیل میں چل

پڑے۔

راستے میں حضرت عبداللہ نے محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا ہے، اسے دنیا کے جہنم سے نکال کر موت کے جہنم میں پھینک دیا جائے۔ آپ نے موقع پا کر تلوار درمیان سے نکالی اور بجلی کی سرعت سے اسے سر پر غرور کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔

اپنے فرض کی تکمیل کے بعد آپ واپس شہر مدینہ منورہ کی طرف لوٹے۔ جب سرکار ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دور سے دیکھا تو فرمایا: اَفْلَحَ الْوَجْهُ ۔ یہ چہرہ کامیاب ہونے والے خوش نصیبوں کا چہرہ ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا، حضور! میں نے اس کم بخت کو قتل کر دیا ہے۔ خس کم، جہاں پاک، آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔

اتنا فرما کر آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور مجھ عصاء کو اٹھایا اور حضرت عبداللہ کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے انیس کے صاحبزادے! لو یہ عصاء، اسے اپنے پاس رکھنا، وہ مجھے لے کر، پاک لوگوں کی محفل میں لے کر گئے۔ سارا واقعہ سنایا اور عصاء بطور انعام ملنے کا بتایا۔

صحابہ نے کہا عبداللہ! ممکن ہے۔ اس میں کوئی راز ہو۔ شاید کسی اور مہم پر بھیجنا مقصود ہو، پوچھ تو لینا تھا کہ سرکار! یہ عصاء عطا فرمانے میں کیا مصلحت ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس واپس لوٹے اور حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عصاء کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اٰيَةٌ بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُوْنَ يَوْمَئِذٍ ۔ یہ ع ء میرے اور تیرے درمیان روز قیامت نشانی و اعتماد ہوگا۔ وہاں بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اپنے کولھوں پر ٹیک لگاتے (آرام سے) کھڑے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے تو پھر زندگی بھر اپنی ذات سے جدا نہ کیا۔ بلکہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد میرے کفن کے اندر،

میرے جسم کے ساتھ ملا کر رکھ دیا جائے۔

یہ تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی کیفیت تھی کبھی مجھ سے کوئی پوچھتا کہ میری اپنی کیفیت کیا تھی۔ سرکار نے اپنے پیارے غلام، جانثار غلام، عبداللہ بن انیس کا ساتھی بنا دیا۔ یہ حضرت عبداللہ بن انیس وہی بارگاہِ ربوبیت و بارگاہِ نبوت سے انعام یافتہ تھے۔ جن کے راستے پر چلنے کی دعا آپ کی عبادت کا جز بنا دی گئی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یا الٰہی! ہمیں سیدھے راستے پر چلا، راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔

اس کے ساتھ روز قیامت تک مجھے زندگی عطا فرما دی۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ مٹی میرے وجود کو ہضم نہ کر سکے گی۔ کیونکہ میں تو روز محشر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے درمیان، ایک نشان کے طور پر موجود ہوں گا۔

ہوسکتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کی بڑی شان ہو اور ہے بھی، میں مانتا ہوں لیکن میں اپنے آپ کو اس سے زیادہ خوش نصیب سمجھتا ہوں۔

کائنات دے رنگ برنگ کھانے تیری جواں دی روٹی توں وار دیواں
وَس ہووے تے چن نوں توڑ کے تے سوہنے گنبد دی چوٹی توں وار دیواں
نیلی چھت والا جے کرمن جاوے اوہدی بارگاہ چہ عرض گذار دیواں
پیرس جہیتے ہزاراں جے شہر ہوون میں مدینے دی جھوک توں وار دیواں
میرے آقا میں تاج سکندری نوں، تیری جتی دی نوک توں وار دیواں
عصاء ملے جے موسیٰ کلیم والا تیرے ہتھاں دی سوٹی توں وار دیواں

صلی اللہ علیٰ حبیبہ سیدنا و مولنا محمد وآلہ
واصحابہ وبارک وسلم

تیر کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

جب سرور ہر دو عالم، جانِ عالم و عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ شریف کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپ کے اصحاب جوق در جوق افواج در افواج، آپ کے ساتھ ہم سفر ہوگئے۔ شب و روز قیام فرماتے ہوئے جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی سواری قصوی اونٹنی، وہاں بیٹھ گئی۔ لوگ اور ساتھی یہ سمجھے، سفر کی تھکاوٹ نے اس مقام پر اونٹنی کو بیٹھنے پر مجبور کردیا ہے لیکن حاملِ اسرارِ الٰہیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو خبر تھی کہ میری تو اونٹنی بھی مامور من اللّٰہ ہے یعنی میں تو الحمدللّٰہ نبی ہوں ناں، میری اونٹنی بھی اپنی مرضی نہیں کر سکتی۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، وہی کرتی ہے، آپ نے اصحاب کے اس وہم کو دور فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا: اِنَّھَا حَبَسَھَا حَابِسُ الْفِیلِ عَنْ مَکَّۃَ۔ یعنی اس کو اس نے روکا ہے جس نے مکہ پر حملہ سے روکنے سے ہاتھیوں کو روکا تھا اور حکم فرمایا: یہیں سامان اتار دو، خیمے لگا دو، اور تا حکم ثانی یہیں قیام کرو۔

صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہاں تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں، تمام کنویں خشک پڑے ہیں۔

جو ہادی راہ میں قدم قدم ٹھوکریں کھاتے ہیں، اس کے ساتھ چلنے میں بھی ٹھوکریں ہی نصیب ہوں گی اور جس کے قدم کی ہر ٹھوکر، ایک نئی اور صاف ستھری راہ نکالے تو یقین اور کامل اور پختہ ہو جاتا ہے۔

آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا اور فرمایا یہ تیر کسی بھی خشک کنویں میں جا کر گاڑ دو، پانی پانی ہو جائے گا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہِ

صحابہ نے وہ تیر لیا اور ایک کنویں میں اتر گئے۔ پانی تو جیسے پہلے ہی حکم کا منتظر تھا بس تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی کے چشمے پھوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے

کنواں پانی سے بھر گیا۔

زمین سے پانی نکالنے کے جتنے اسباب بھی دنیا نے استعمال کئے ہیں، خالق و مالک نے جب چاہا اپنے بندوں کے لیے حزب اللہ، یعنی اپنی پارٹی کے بندوں کے لیے خصوصی طور پر کوئی سبب بھی ان میں سے استعمال نہیں کیا۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معصوم چھوٹے سے دودھ پیتے بیٹے کے لیے سنگلاخ زمین سے بہت ہی نیچے سے، ان کی ننھی سی ایڑیوں کی ٹھوکر سے، پانی نکالدیا۔ وہ چشمہ آج تک جاری ہے اور لاکھوں کروڑوں اپنے ہاں آنے والے مہمانوں کی بھوک اور پیاس بجھا رہا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ جی وہ تو جبرائیل علیہ السلام نے پر مارا تھا جس سے چشمہ جاری ہوا۔ چلو مان لیتے ہیں لیکن جبرائیل نے یہ منا یا مزدلفہ یا عرفات اور جبل نور یا کہیں اور قرب و جوار میں پر کیوں نہیں مارا۔

ایک اور عرض ہے کہ جبرائیل علیہ السلام تو انبیاء کرام کی خدمت پر مامور ہیں۔ ہر نبی کے حضور، پیغام الٰہی لیکر آتے رہے اور پیش کرتے رہے تو کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ خادم کا کمال مانتے ہو اور جس مخدوم کی خدمت پر وہ مامور ہے اس کے کمال سے انکار کرتے ہو۔ **فیاللعجب!**

اچھا! ایک اور زاویہ نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں اگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پر مارا تھا اور چشمہ بہہ نکلا تھا تو جب اللہ تعالیٰ نے رئیس الصابرین حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ کہ اے ایوب! اپنا پاؤں مارو۔ زمین سے چشمہ ابل پڑے گا۔ هٰذَا مُغْتَسَلٌ وَّبَارِدٌ۔ تو اس وقت پانی زمین سے کس کے قدموں کی ٹھوکر سے نکلا تھا کیا اس وقت بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پر مارا تھا اگر جبرائیل علیہ السلام کے پر مارنے سے ہی پانی نکلنا تھا تو حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے بھی پر

مارنے کا حکم، اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو حکم دے دیتا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مقام و مرتبہ سے انکار نہیں، نہ ان کی قوت و طاقت سے انکار ممکن ہے۔ ان کی عظمت تسلیم، لیکن یارو، جبرائیل علیہ السلام کے مخدومین حضرات انبیاء کرام کے مقام و مرتبہ ہائے مبارکہ سے تو انکار نہ کرو۔

اب میری کیا حیثیت ہے، ایک بے جان، بے حس و بے حرکت سا، میں تو زیادہ سے زیادہ کسی کی زور آزمائی سے، بڑا بھی تیر ماروں گا تو کسی جسم کو زخمی کر کے، اس کا خون نکال دوں گا۔ لیکن کنویں کے خشک سوتے سے پانی نکال لوں۔ یہ میرے بس میں نہیں، نہ پہلے کبھی ایسا ہوا اور نہ شاید بعد میں کبھی ایسا ہو، یہ تو سارا کمال، اس دستِ مبارک کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شان والا ہے، جو محبوب رب العالمین ہی نہیں، محبوبِ کائنات بھی ہے اور ہم جو جمادات سے تعلق رکھنے والے ہیں، ہماری ساری پارٹی کے بھی محبوب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ انہی کی زبان مبارک کی تاثیر ہے کہ جو لفظ آپ کی زبان مبارک سے نکلتا ہے، صدقے جائیں وہ سنا جاتا ہے، سمجھا جاتا ہے، اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ میں بھی تو آپ کے ترکش میں تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ میری ذمہ داری اور ڈیوٹی اب کیا ہے اور میں نے کیا کرنا ہے اور میں نے اپنی زبان میں صدیوں سے خشک کنویں کے سوتوں کو بھی بات سمجھا دی تھی۔ میں نے اُسے کہہ دیا تھا، جلدی سے زندہ ہو جا کہ میں مردوں کو زندگی بخشنے والے کا پیغام بر بن کر آیا ہوں، اگر تو آج بھی خشک رہا ناں، تو پھر قیامت تک خشک ہی رہے گا۔ پتہ نہیں، اس اتنی سرعت سے سینکڑوں فٹ زمین کے نیچے بہنے والے پانی کی اُس نے منتیں کی ہوں گی یا اُس کو حکم دیا ہوگا۔ بہر صورت، وہی ہوا، جو ہونا چاہئے تھا۔ اس خشک کنویں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے اور کنواں کناروں تک دیکھتے ہی دیکھتے پانی سے بھر

گیا۔

اٹھایا قلم تو تیرے نام نے
میری ذہن کو تازگی بخش دی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ حَتّٰی لَا یَبْقٰی من الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ شئ

انگلیوں سے چشمے

حدیبیہ کے حوالہ سے اگر اجازت ہو تو گفتگو کو تھوڑا سا آگے بڑھائیں۔ حدیبیہ میں حضور کے جانثاروں کا قیام بیس پچیس دن تک رہا اور تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔ شدید گرمیوں کا موسم، نہ ندی نہ نالہ، نہ نہر نہ دریا، اور اگر کوئی کنواں تھا بھی تو وہ سب خشک۔ بے آباد اور ویران پڑے تھے۔ بلکہ ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ کسی صحابی کے پاس اپنے لیے اپنے جانوروں اور مویشیوں، اونٹوں اور قربانی کے جانوروں کے لیے پانی بالکل نہیں تھا۔ صرف وہی ایک پیالہ میں پانی تھا جس میں سے خود جان ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ مستقبل قریب کی تصویر دیکھنے والے دانشوروں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی۔ حضور پانی نہیں، سوائے اس کے جو اس وقت آپ کے پیالہ میں ہے۔

کسی اپنے اور بیگانے کا دکھ نہ دیکھ سکنے والے راحم المساکین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عزیز علیہ ما عنتم کی شان والے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو پیالے میں رکھا۔ دنیا نے زمین سے چشمے جاری ہوتے دیکھے تھے۔ پتھروں سے پانی کے سوتے جاگتے دیکھے تھے لیکن کسی نے انگلیوں سے چشمے پھوٹتے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ دستِ یمین مبارک سے پنجاب رحمت کے پانچ دریا ابل پڑے۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

فَوَضَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فِی الرَّکْوَۃِ فَجَعَلَ الْمَآءُ یَثُوْرُ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ مِثْلَ الْعُیُوْنِ فَشَرِبُوْا وَتَوَضَّاُوْا قَالَ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ لَوْ کُنَّا مِائَۃَ اَلْفٍ کَفَانَا کُنَّا خَمْسَۃَ عَشَرَۃَ مِائَۃٌ۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگلیوں سے پانی ابلنے لگا، جس طرح چشموں سے پانی ابلتا ہے۔ سب لوگوں نے پانی پیا، وضو کیا، میں نے پوچھا، اس وقت آپ کتنے لوگ تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر ہم ایک لاکھ ہوتے پھر بھی کافی تھا۔ ویسے ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔

ڈیڑھ ہزار انسانوں کا پانی پینا، اپنے جانوروں اور مویشیوں کے لیے محفوظ کر لینا، وضو کر لینا، وہ بھی صرف ایک پیالہ پانی کے چند قطروں سے، اور پانی بھی انگلیوں سے، اے اشرف المخلوقات ذرا سوچ کے بتاؤ، وہ چھوٹے سے پیالے کے دامن کی تنگ دامانی کا علاج کیسے ہوگیا۔ یا پیالے کو کون سمجھا گیا تھا کہ اب کیا کرنا ہے جواب صاف ظاہر ہے کہ محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ محبّ محبوب کے اشارہ ا کو دیکھتا ہے اور الف سے ی تک ساری بات سمجھ جاتا ہے کہ کس بات کا حکم ہوا ہے اور پھر وہ حکم بجا لاتا ہے خواہ اس کے اس انداز سے بظاہر نظم کائنات کتنا ہی مختلف ہو۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ
صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارِ

(ایک بوڑھی انصاری عورت مدینہ منورہ)

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔

ایک اور کنویں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

قانون اور ضابطے، صاحبانِ عقل وشعور کے لیے ہوتے ہیں، یا ان کے لیے ہوتے ہیں جو مکلفین ہوتے ہیں، ہم جمادات و نباتات اور حیوانات یا مائع اشیاء کیا جانیں، قاعدے اور قوانین کیاں ہوتے ہیں۔ ہم تو حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ ہم حکم کے سامنے چونکہ چنانچہ کیوں کیسے اور کس طرح کے الفاظ استعمال کرنا کفر تصور کرتے ہیں۔ یہی سبق، ہم سب اہلِ ایمان کو اپنے عمل سے دیتے ہیں کہ محبت ہو تو ایسی ہو۔

ایک بار جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفر میں تھے۔ آپ کو علم ہوگا کہ عرب کے صحراء پانی کی نعمت سے کتنے محروم ہیں۔ لق و دق صحراء یا خشک پہاڑ اور ٹیلے، کوئی مسافر، سفر میں راستہ سے بھٹک جائے اور پانی کی چھاگل بھی اس کے پاس موجود نہ ہو تو پھر پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مرنا یقینی ہوتا ہے۔

اس سفر میں ہزار ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام، نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ ہم سفر تھے۔ رضوان اللہ علیھم اجمعین۔ اور پانی نایاب ہوگیا۔ میرے نصیب جاگے، آپ میری منڈیر پر تشریف لائے۔ آپ نے تھوڑا سا پانی طلب فرمایا۔ آپنے کلی فرمائی اور وہ کلی میرے دامن میں ڈال دی۔ میں جو صدیوں سے اپنے دامن کی تہوں میں پانی چھپائے بیٹھا تھا وہ سارے کا سارا یکدم اکٹھا کیا اور اس مبارک کلی والے پانی کی پذیرائی میں پیش کردیا اور اپنے دامن کو لبا لب بھر دیا۔ اور آپ کے غلاموں کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

وہ سرکار کی کلی مبارک تھی۔ کوئی کدال نہیں تھی جس سے میری تہوں سے پانی کرید کرید کر نکالا گیا ہو کہ قانون اور قاعدہ تو پانی نکالنے کا یہی ہے لیکن اس موقع میں کون کدالیں اور کسیاں تلاش کرنے جاتا، کون کھدائی کرتا اور اگر اتنی دیر میں مزاج یار ہی برہم ہو جاتا تو ہم کہیں کے نہ رہتے۔

فرازِ عرش سے لے کر حریم دل کی دھڑکن تک
خلق ساری قدم چومے حکومت ہو تو ایسی ہو

(ظفر چشتی)

(تاریخ الخمیس جلد۴، ص ۱۱۶، ضیاء النبی، جلد چہارم ص ۱۵۴)

فَصَلَّى الْمَلِيْكُ وَلِيُّ الْعِبَادِ
وَرَبُّ الْعِبَادِ عَلٰى اَحْمَدٖ

(سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

اے مالک الملک، بادشاہ عالم، بندوں کے والی اور پروردگار عزوجل، حضرت احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام ورحمت نازل فرما۔

اشیاءِ خورد ونوش، آپ سے محبت

جنہاں تکیہ رب دا اونہاں رزق ہمیش
پلے رزق نہیں بنھ دے پنچھی تے درویش

کبھی کسی نے کسی چڑیا، طوطا، مینا، کبوتر اور فاختہ کو اپنے ہاتھ میں روٹی کا ڈبہ اٹھائے ہوئے یعنی ٹفن کیریر اٹھاتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا۔ اس لیے کہ ان کو یقین کامل ہوتا ہے کہ ہم جہاں بیٹھیں گے وہیں چونچ ماریں گے اور ہمارا رزق وہیں موجود ہوگا۔ اسی طرح فقیر اور درویش خدا مست بھی لمبے چوڑے منصوبے بنا بنا کر سامانِ خورد ونوش اٹھائے اٹھائے نہیں پھرتے۔

حدیبیہ سے واپسی پر جب محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مرالظہران سے آگے نکل کر وادی عسفان میں پہنچے تو سامانِ خوراک کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ فاقہ کشی سے پریشانیاں بڑھ گئیں، سفر طویل تھا۔ مسائل کا حل تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ہی تھا۔ صحابہ نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر اجازت ہو تو سواری کے جانور ذبح کر لیے جائیں۔ گوشت

سے پیٹ کی آگ بجھالیں گے۔ چمڑے سے جوتے بنالیں گے۔ان کے پیٹ سے نکلنے والے پانی سے پیاس بھی بجھالیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تشفی کی خاطر ان کے دلائل سن کر اجازت عطا فرمادی۔ جب یہ خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچی جن کے متعلق خبیرِ اخبارِ اسرارِ الٰہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں ایک صاحبِ الہام ضرور رہا ہے اور میری امت میں صاحبِ الہام عمر فاروق ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وہ دوڑتے ہوئے حاضرِ اقدس ہوئے۔ معذرت خواہانہ درخواست پیش کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر جانور ذبح کرنے شروع کردیئے تو سفر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر اجازت ہو تو ایک تجویز پیش کروں۔

سرکار نے تبسم کناں اجازت عطا فرمائی۔ تو عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمام صحابہ کو حکم ارشاد فرمائیں جو چیز جس کے پاس ہے تھوڑی یا بہت وہ لا کر یہاں پیش کر دے۔ پھر:

ثُمَّ تَدْعُوْا فِیْھَا بِالْبَرْکَۃِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَیَبَلِّغُنَا بِدَعْوَتِکَ۔

پھر آپ اس پر برکت کی دعا مانگیں۔ یقیناً آپ کی دعا کی برکت سے ہر چیز ہمیں منزل تک کفایت کر جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر قربان جائیں۔ ان کی تجویز پر ہماری بھی بن آئی۔ اب خورد نوش کی ہر چیز جو کسی کے پاس تھی بچھائے ہوئے دسترخوان پر جمع کی جارہی ہے۔ لوگ جوق در جوق لا رہے ہیں۔ کوئی مٹھی بھر کھانا لا رہا ہے تو کوئی چند کھجوریں اٹھائے لا رہا ہے۔ جب سارا سامان اکٹھا کیا گیا تو وہ سارے کا سارا اتنا تھا جتنی بیٹھی ہوئی ایک بکری اور افرادِ صحابہ کی [illegible] چودہ سو سے زیادہ تھی۔

بہر صورت جانِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈھ[illegible] پر تشریف لائے،

دعاء خیر و برکت فرمائی۔ ہماری ہر چیز، آٹا روٹی، کھجور، پنیر، جو کچھ بھی تھا خوشی و مسرت سے پھولے نہ سماتے تھے۔ اب ہر صحابی کو حکم ہوگیا، اپنے اپنے کشکول، تھیلے، کھرجیاں بھرلو، کھاؤ بھی اور لے بھی جاؤ۔ ڈیڑھ ہزار آدمی نے جی بھر کر سامان اکٹھا کیا اور خوب کھایا بھی اور دیکھا کہ وہ سامان ابھی جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ جیسے اس میں سے ابھی کچھ بھی نہیں نکالا گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضی اللہ عنہ کی خوشی سے ہنسی نکل گئی۔ پھر آپ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ بِهِمَا اِلَّا حُجِبَ مِنَ النَّارِ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! کوئی بندہ مومن جو ان دو حقیقتوں پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریگا اور اسے جہنم کی آگ سے محفوظ کرلیا جائے گا۔

(سبل الہدیٰ جلد۵، ص ۹۵، ضیاء النبی، جلد۴، ص ۱۵۷)

صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

آنکھوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

معرکہ خیبر بپا ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو خون ریز جنگ کے باوجود فتح نصیب نہیں ہورہی۔ حضور سراپا نور وظہور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **عَالِمُ عُلُوْمِ مَاکَانَ مَا یَکُوْنُ** اور **شافعِ مطلق جل و علیٰ** کے واحد نمائندے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَاُعْطِيَنَّ رَايَةً غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيْسَ بِفَرَّارٍ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَاْخُذُهَا عَنْوَةً۔

کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو عطا کروں گا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرمائے گا اور وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور وہ اپنی قوتِ بازو سے اس قلعہ پر قابض ہو جائے گا۔

اب مسئلہ طاقت کا، زور کا، شجاعت کا، ہمت کا نہیں تھا۔ اب تو مسئلہ تھا آپ کی عطاء کا، آپ اس روز مورِ ضعیف جیسے شخص کو بھی جھنڈا عطا فرما دیتے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بھی قلعہ خیبر پر فتح عطا فرما دیتا۔

اس لیے آج کی شب ہر شخص بارگاہِ ربوبیت میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ میرے مالک! صبح جب طلوع ہو اور آپ سرکار علم عطا فرمانے لگیں تو میرے مقدر کا ستارہ طلوع ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اس اعلان سے بے خبر، اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھے بڑی تکلیف میں مبتلا اپنے خیمہ میں صاحبِ فراش ہیں۔ آپ تو آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے قافلہ کے ساتھ مدینہ سے بھی روانہ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جب قافلہ روانہ ہو چکا تو آپ برداشت نہ کر سکے کہ کریم آقا، اور ان کے سارے جانثار تو خیبر کو تشریف لے جائیں اور علی گھر میں پڑا ہے۔ آنکھوں کی تکلیف برداشت کر لی لیکن سرکار کی جدائی برداشت نہ کی۔ آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کے باوجود آپ مدینہ منورہ سے خیبر پہنچ گئے لیکن آشوبِ چشم، سفرِ طویل اور بے آرامی کی وجہ سے تکلیف زیادہ تھی اور اپنے خیمہ میں آرام فرما تھے۔

اب وہ دن طلوع ہوا جب ہر شخص اپنے طالع بیدار کی تمنا لیے آپ کی مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی زبانِ اقدس سے دو بول سننے کے لیے بے تاب ہے جس سے اس کی قسمت اور مقدر کا ستارہ چمکے گا۔

دور و نزدیک کی خبر رکھنے والے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب ہائے

مبارک دا ہوئے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا: علی کہاں ہیں، عرض کیا گیا ان کی آنکھوں میں شدید تکلیف ہے اور شدتِ تکلیف کی وجہ سے حاضر نہیں ہو پا رہے۔ آپ نے فرمایا: انہیں بلاؤ۔

حضرت محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں، میں اٹھا اور آپ کو بلانے کے لیے گیا۔ میں نے جا کر ساری صورت حال بتائی اور آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ کُل کی خبریں رکھنے والے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا، علی! کیا بات ہے۔ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آنکھیں دکھ رہی ہیں اور مجھے اپنے سامنے سے بھی کچھ نظر نہیں آ رہا۔

آپ نے نزدیک بلایا اور آپ کے سر مبارک کو اپنی آغوشِ محبت میں لیا اور دنیا طب میں ایک انوکھے باب کا اضافہ فرمانے کے لیے مرہمِ کُل زمن ایک عجیب اور ندرت کے مالک لعابِ دہن مبارک آپ کی آنکھوں میں لگایا۔ آنکھوں میں تھوک مبارک کا لگنا تھا کہ تکلیف اور بیماری سمجھ گئی کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے اور اب پوری زندگی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے گھر کی طرف کبھی رخ بھی نہیں کرنا اور پھر کبھی ادھر کا رخ کیا بھی نہیں۔ (ضیاء النبی جلد۴، ص ۲۳۰)

وہ لعاب دہن مرہم کل زمن
اس کی تخلیقی ندرت پہ لاکھوں سلام

(ظفر چشتی)

تھوک تو بیماریوں کو پیدا کرتا ہے جا بجا تھوکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ گندگی پھیلتی ہے۔ گھن آتی ہے، بار بار تھوکنے والے کو دیکھ کر طبیعت میں نفرت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ سب قبیح صفات میرے اور تیرے تھوک میں ہیں۔ اے انسان! تو جتنا بھی مشک وعنبر سے منہ کو دھولے اور پھر اپنے تھوک کو کسی بیماری کی شفا کے لیے

استعمال کر تھوک پھر بھی تھوک ہی ہے اس میں خطرناک بیماریاں پھیلنے والے جراثیم موجود رہتے ہیں۔

لیکن شافیٔ مطلق، جل وعلیٰ نے اپنے محبوب کے تھوک میں سے وہ تمام عیوب کشید کر کے علیحدہ کردیئے اور ہر بیماری سے شفا کے جراثیم رکھ دیئے۔

سبحان اللہ!

ہم نے پھولوں کو چھوا وہ کانٹے ہو گئے

تو نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کردیا

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم

آگ کے شعلوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

فاتحِ قلوبِ دنیا و مافیھا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ فتح فرمالیا تو بے شمار انسانوں کے دلوں کو بھی فتح فرمالیا اور وہ کلمہ توحید و رسالت کی خوشبو سے زبان و دل کو معطر، معنبر اور مسحور کرنے لگے لیکن اِن میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے دلوں میں کدورتوں کی غلاظت کا بوجھ اٹھائے پھرتے تھے۔ حسد اور بغض کی آگ نے جلنے کے لیے ان کو پسند کرلیا ہوا تھا۔ ان میں ایک شخص شیبہ بن عثمان بھی تھا وہ تو حضور جانِ حیاتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شمعِ حیات کو گل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی دیرینہ آتشِ انتقام میں جل بھن رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں نورِ خدا کی شمع کو بجھا کر اپنے بڑوں کے قتل کا انتقام لے کر رہے گا۔

شیبہ بن عثمان خود بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنی ہوازن سے گھمسان کا رن پڑا تو میں اس موقع کی تلاش میں تھا کہ کوئی بہانہ ملے۔ آپ کو کہیں غافل پاؤں اور اچانک حملہ کر کے اپنے مقتول چچا کا انتقام لے لوں اور دل سے یہ پختہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ اگر اسلام عرب و عجم کے کونے کونے تک بھی پہنچ

جائے میں ہرگز اسلام قبول نہیں کروں گا۔

جب آپ سرکار اپنی سواری گدھے سے نیچے اترے اور صحابہ کرام انتہائی افراتفری کا شکار ہوئے تو میں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اپنی تلوار، میان سے نکالی اور اپنے مزموم ارادہ کی تکمیل کے لیے قریب ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپکی دائیں جانب آپ کے چچا حضرت عباس انتہائی مستعد کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا یہ تو کسی قیمت پر بھی مجھے آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ میں بائیں طرف ہوا تو آپ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان کھڑے تھے۔ ادھر بھی یہی کیفیت تھی۔ میں آپ کے پیچھے کی طرف ہوا وہاں کوئی بھی نہیں میں اچانک بھرپور وار کرنے کو لپکا تلوار لہرائی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ آگ کا ایک بہت بڑا شعلہ میرے اور آپ کے درمیان حائل ہوگیا۔ اس آگ کے شعلے کی چمک اتنی تیز تھی کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹا تو اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھے پہچان کر فرمایا: یَا شُعَیْبُ اُدْنُ مِنِّیْ۔ شعیب ادھر میرے قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو جان عالم رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اذْھَبْ عَنْہُ الشَّیْطٰنَ۔ یا اللہ! اس سے شیطان کو دور فرمادے۔

اس کے بعد جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو سرکار مجھے اپنی آنکھوں، اپنے کانوں اور اپنے دل سے بھی زیادہ پیارے نظر آنے لگے۔ بس آپ کی ایک توجہ سے، ایک نگاہ سے، دل کا فیصلہ ہوگیا کدورتیں ختم ہوئیں، دوریاں دور ہوئیں۔ آپ نے فرمایا: چل اور کفار سے نبرد آزما ہو جا۔

وہ تلوار! جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے لیکر آیا تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے کام آ گئی۔ میں اسلام کا سپاہی بن کر دشمنانِ اسلام پر ٹوٹ پڑا۔ جب بنی ہوازن کو شکست ہوئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قیام گاہ میں تشریف لائے میں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرَادَ بِكَ خَیْرًا مِمَّا اَرَدْتَّ۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ رب العزت کے لیے ہیں جس نے تیرے بارے میں خیر کا ارادہ فرمایا ورنہ تم تو اپنی کشتی ڈبونے کا فیصلہ کر ہی چکے تھے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تمام باتیں مجھے ارشاد فرمائیں۔ جو میں آپ کے بارے میں اپنے نہاں خانہ دل میں چھپائے پھرتا تھا۔

(ضیاء النبی، جلد ۴، ص ۵۱۸)

ہاں آپ سوچتے ہوں گے۔ وہ آگ کے شعلے کہاں سے لپک پڑے۔ تو سنو! جس طرح اہلِ ایمان جن اور انسان اور ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوج کے جانثار سپاہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سپاہی ہے۔ ہم تو ہر وقت آپ کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ دوستوں کے کام آتے ہیں اور دشمنوں کو انجام تک پہنچانا بھی ہمارے فرائض محبت میں شامل تھا۔

ہم نے شیبہ کو، اس کی تلوار کو، اس کی نیت اور ارادے کو، دیکھ لیا تھا۔ وہ جس طرف سے بھی آتا اس کو اپنی شکل ضرور دکھاتی تھی۔

ہم اسے جلا کر، راکھ کا ڈھیر بنا کر، عبرت کا نشان بھی بنا سکتے تھے لیکن ہمیں اجازت نہیں تھی۔ اس کی قسمت میں ایمان کی دولت تھی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہم دنیا کی آگ سے شعلوں سے بچالیا اور جہنم کی آگ کے شعلوں سے بھی بچالیا ورنہ بے چارے شیبہ کی کیا حیثیت تھی کہ ہماری موجودگی میں آپ پر حملہ آور ہوتا اور بچ کر نکل جاتا۔

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا ہی سے موتی یہ نکلا تھا دریا ہی میں جا کے ڈوب گیا
صلی اللہ علیٰ حبیبہ سیدنا و مولنٰا محمد
وآلہ واصحابہ و بارك وسلم

کھجوروں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت واطاعت

جب فاتحِ قلوبِ جن و انس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک میں تشریف لے گئے۔ آپ اپنے جانثار ستاروں کے جھرمٹ میں ماہِ کامل کی صورت جلوہ افروز تھے۔ کیا بھلے لگتے ہوں گے تارے ماہِ کامل کے قریب۔ ایک شخص جو بنی سعد بن ہذیم میں سے تھا۔ آیا، سلام عقیدت ومحبت پیش کیا اور بیٹھ گیا کچھ اور لوگ بھی حاضر تھے کہ حضور نبی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یَا بِلَالُ اَطْعِمْنَا۔ اے بلال! ہمیں کچھ کھلاؤ پلاؤ بھائی۔ حضرت بلال نے چمڑے کا دسترخوان بچھایا اور گھی میں گوندھی ہوئی کھجوریں مٹھی بھر بھر کر ہمارے آگے رکھنا شروع کر دیں۔ حضور سراپا نور وظہور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھئی کھاؤ۔ ہم سب نے کھانا شروع کر دیں۔ کھاتے رہے، کھاتے رہے جب ہم سیر ہو گئے تو وہ کھجوریں اتنی ہی تھیں جتنی پہلے سامنے رکھی گئی تھیں۔

اسی قبیلے کے محمد بن عمر الواقدی اپنے انہی بزرگوں سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ سرکار کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جتنی کھجوریں تھیں اتنی کھجوریں ہم میں سے ایک آدمی کھا سکتا ہے لیکن یہ ایک انوکھی بات ہوئی کہ ہم اتنے سیر ہو کر فارغ ہوئے ہیں اور یہ پھر اتنی کی اتنی ہیں۔ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: **مسلمان اور بندہ مومن صرف ایک آنت سے کھاتا ہے جبکہ کافر اور بے ایمان سات آنتوں سے کھاتا ہے۔**

وہ کہتے ہیں، میں دوسرے دن پھر اسی وقت حاضر ہوا تا کہ میرے ایمان میں

پختگی ہو۔ شاید وہ وقت کھانے کا تھا۔ آپ نے فرمایا: یَا بِلاَلُ اَطْعِمْنَا۔ بلال! ہمیں کچھ کھلاؤ ہم اسی طرح آپ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ حضرت بلال وہی تھیلی لے آئے اور اسی طرح کھجوریں نکال نکال کر ہمارے آگے رکھتے چلے گئے۔ شاید حضرت بلال کے دل میں کوئی خدشہ پیدا ہوا ہو یا ویسے ہی سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَا بِلاَلُ اُخْرُجْ وَلاَ تَخْشَ مَنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلاَلاً۔

اے بلال! کھجوریں نکالتے جاؤ۔ عرش کے مالک سے ان کھجوروں کے کم ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک اور بوری لے آئے۔ اور آ کر انڈیل دی۔ میں نے اندازہ لگایا۔ وہ کھجوریں تقریباً دو مد تھیں۔ آپ سرکار نے اپنا دستِ مبارک کھجوروں کی طرف بڑھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شروع کرو۔ سب حاضرین نے میرے سمیت خوب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔ اس کے باوجود دسترخوان پر اتنی ہی کھجوریں، اب بھی موجود تھیں۔ جتنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بکھیری تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کھجوروں میں سے کوئی ایک دانہ بھی کسی نے اٹھا کر نہیں کھایا۔

تیسرے دن تو میں صبح ہی صبح پہنچ گیا اور دیگر اربابِ محبت بھی آ بیٹھے۔ جن کی تعداد دس تھی۔ حضور نبی رحمت، جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالباً ناشتے کے طور پر پھر حضرت بلال سے فرمایا: یَا بِلاَلُ اَطْعِمْنَا۔ اے بلال! کچھ لاؤ اور ہمیں کھلاؤ۔ حضرت بلال وہی تھیلا پھر اٹھا لائے اور دسترخوان پر کھجوریں بکھیر دیں۔ جان عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک بڑھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شروع کرو۔ ہم نے کھانا شروع کر دیا حتیٰ کہ ہم دس کے دس آدمی خوب سیر ہو گئے۔ حضرت بلال نے وہ کھجوریں پھر اٹھائیں اور اسی تھیلے میں ڈال لیں۔ الغرض ہم تین دن اسی تھیلے میں سے کھجوریں کھاتے رہے،

سیر ہوتے رہے، پیٹ بھرتے رہے، لیکن کھجوروں کی مقدار میں کمی نہ آئی۔

(ضیاء النبی، جلد۴، ص ۶۱۴)

آیئے! ہم خود اپنی کہانی آپ کو سناتی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ رب ذوالعرش کے کرم سے ہو رہا تھا۔ جس نے اپنے محبوب اور محبوب کے چاہنے والوں کو کبھی مایوس نہ فرمانے کا پختہ عہد کر رکھا ہے۔ زیادہ کو کم کر دینا، بے برکتی پیدا کر دینا، اور تھوڑے میں برکت ڈال کر زیادہ کر دینا، سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ اسی کے کرم سے، ہم بھی جانتی تھیں کہ ہمیں اگرچہ سارا زمانہ کھاتا رہے۔ اس سارے زمانے کے لیے بھی ہمیں قدرت نے اشارہ کر رکھا ہے کہ کس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے اور کس کے ساتھ کیا، اگر کوئی عام سا انسان ہو جس کا قبلہ صرف دستر خوان ہو۔ اس کے لیے تو بے برکتی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ نہ ہم اس کی آنکھیں سیر ہونے دیتی ہیں اور نہ پیٹ اور جس نے ابتداً ہمارے اور اپنے سوہنے رب کا نام لیا ہو۔ اس کیلیے ہمارے وجود کی برکت دیکھنے والی ہوتی ہے اور اگر چودہ طبق کی کنجیوں کے مالک کے حضور حاضری کا ہمیں موقع ملے تو وہاں ان کے حضور، ان کے غلاموں کے حضور ہم اپنے دامن کی ساری تنگ دامانیاں تھوڑ پھوڑ کر رکھ دیتی رہی ہیں۔ آخر وہ ہمارے بھی رسول ہیں۔ بظاہر بے شک وہ کچھ نہ کہیں، لیکن ہمیں احساس ہو جاتا تھا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے اور وہ ہم کر دکھاتی تھیں اور زمانہ حیران رہ جاتا تھا۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا
یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ اسْمَعْ قَالَنَا
اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ غَمٍّ مُّغْرَقٌ
خُذْ یَدِیْ سَهِّلْ لَنَا اَشْکَالَنَا

اللھم صل علیٰ محمد النبی الامی و علیٰ آلہ وسلم تسلیما

کنویں اور کنکریوں کی آپ سے محبت و اطاعت

تبوک میں قیام کے دوران، قبیلہ سعد بن ہذیم ہی کی بات ہے۔ ان کے چند آدمی، آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے خاندان اور اہل خانہ و عیال خانہ کے حوالہ سے ایک درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کرنے لگے۔

حضور بندہ نواز! ہمارے کنویں میں، پانی بہت قلیل ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ گرمی میں پانی کی کتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کنویں کا پانی، ہماری ضرورت پوری نہیں کرتا اگر یہ پانی ختم ہوگیا تو پانی کی تلاش میں ہمیں اِدھر اُدھر بکھرنا پڑے گا۔ کافر، مشرک اور قذاق ہمیں لوٹ لیں گے۔ ہمارے مال مویشی اور اہل خانہ کو پریشان کریں گے، ہمارے علاقہ میں ابھی مسلمانوں کی تعداد بھی کم ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمارے کنویں کے پانی میں برکت ڈال دے۔

اگر ہم کنویں کے پانی سے سیراب ہونے کے قابل ہو گئے تو اس علاقہ میں ہم سے زیادہ کوئی طاقتور نہ ہوگا اور ہم کافروں، مشرکوں اور بے ایمانوں سے ادھر سے گزرنے بھی نہیں دیں گے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چند کنکریاں اٹھا کر میرے پاس لاؤ۔ ان میں سے ایک شخص تین کنکریاں اٹھا کے لے آیا۔ حضور سرورِ ہر دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کنکریوں کو اپنے ہاتھوں میں ملا اور فرمایا: یہ کنکریاں لے جاؤ اور ایک ایک کر کے کنویں میں پھینک دو اور ہر بار سوہنے مالک، اللہ تعالیٰ کا نام لینا نہ بھولنا۔

وہ لوگ گئے اور حسب ارشاد تینوں کنکریاں ایک ایک کر کے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کنویں میں پھینک دیں۔ کنکریاں پھینکنے کی دیر تھی کہ کنویں کا پانی جوش مارتا ہوا نکلا اور کناروں تک بھر گیا۔ مالک نے انہیں پانی میں خود کفیل بنا دیا۔ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھ کر وہ سارا قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل

ہو گیا اور بارگاہِ رسالت میں آ کر قدم بوس ہوا۔

(سبل الھدیٰ جلد ۵، ص ۶۵۲-۶۵۱، ضیاء النبی جلد ۴، ص ۶۱۴)

آپ کو پتہ ہے کہ حضور نے ہم تین کنکروں کو اپنے ہاتھوں میں مل کر کیا ارشاد فرمایا تھا اور ہم نے جا کر کنویں سے کیا کہا تھا کہ وہ اپنے خشک سوتوں کو جگا کر کنویں کو کناروں تک بھر دے۔ اور یہ صرف ایک ہی بار نہ ہو۔ جس طرح کوئی جادوگر لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر کے کوئی کرتب دکھا دیتا ہے۔ بلکہ یہ کنواں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کناروں تک بھرا رہے۔ شاید یہ بات قبیلہ سعد بن ہذیل کے لوگوں کو بھی معلوم نہ ہوئی ہو۔ حالانکہ سب کچھ ان کے سامنے ہوا تھا۔ اب ہم بھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھاتے۔ لیکن بات اتنی پوشیدہ بھی نہیں۔ آپ کے مقدس ہاتھوں کے لمس نے ہمیں سب کچھ سمجھا دیا تھا کہ ادھر کنویں سے جا کر کہہ دینا کہ دیکھ ہمیں کس نے بھیجا ہے۔ بس وہ بھی سمجھ جائے گا۔ دراصل ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے دام غلام ہیں اور آپ کی پارٹی کے بندے ہیں۔ ہمیں جو اشارہ ملے وہ ہم کر گزرتے ہیں۔

زہے تاثیر ان کا نامِ نامی جب لیا جائے
زباں کو لازماً صــل عــلــی کہنا ہی پڑتا ہے

الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول الله
الصلوٰۃ والسلام علیك یا حبیب الله

ایک برتن اور پیالے کی شان

غزوۂ تبوک میں حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ لوائے رحمت تیس ہزار صحابہ کرام تھے۔ بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار ہی گھوڑے تھے۔ سفر سے واپسی پر ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک جگہ پانی کا چشمہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے موقع کی مناسبت سے کہا کہ یہیں

قیام کر لیتے ہیں لیکن صحابہ نے سفر مزید جاری رکھنے میں مصلحت سمجھی کہ ابھی غروبِ آفتاب میں کافی وقت ہے سفر کچھ اور ہلکا ہو جائے گا۔

قافلہ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں پانی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ اونٹ گھوڑے تیس ہزار صحابہ کا لشکر جرار، پریشانی ایک فطری امر تھی۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک برتن اور ایک پیالے میں کچھ پانی تھا۔ آپ نے وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: **اِحْتَفِظْ بِمَا فِي الْاَدَوَاتِ وَالرُّقِيَّةِ فَاِنَّ لَهَا شَانٌ** ۔اے ابوقتادہ! اس برتن اور پیالے کی حفاظت کرنا، ان کی بڑی شان ہے۔

آپ نے نمازِ فجر میں سورۃ المائدہ تلاوت فرمائی۔ نماز سے فراغت کے بعد اہل قافلہ کی پیاس کی شدت سے پیدا ہونے والی صورتِ حال دیکھی تو فرمایا: اگر ساتھی اور دوست حضرت ابوبکر اور عمر کی بات مان لیتے تو ہدایت پا لیتے یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا جو انہوں نے چشمے کے پاس ٹھہرنے کی تجویز پیش فرمائی تھی۔ پیاس کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کے باعث سواریوں کی اور صحابہ کی گردنیں لٹک گئیں اور جھک گئیں۔

یہ کیفیت دیکھنے کے بعد آپ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے وہ برتن اور پیالہ منگوایا اور فرمایا اس برتن کا پانی اس پیالے میں انڈیل دو۔ برتن سے پانی پیالے میں انڈیل دیا اور حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس پیالے میں رکھ دیا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے پانی کی نہریں جاری ہوگئی ہیں۔

پیاس کے مارے، جن لوگوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے اور پانی نوش کرنے لگے۔ جب سب سیراب ہو گئے اس کے بعد بارہ ہزار گھوڑے اور بارہ ہزار اونٹ بھی پانی پی پی کر سیراب ہو گئے۔ سارے قافلے

والوں نے اپنے اپنے برتن بھی پانی سے بھر لیے۔ کچھ دیر پہلے جو حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوقتادہ سے فرمایا تھا کہ برتن اور پیالے کو سنبھال کر رکھنا ان کی بڑی شان ہے وہ اشارہ اسی مقصد کے لیے تھا۔

(سبل الہدیٰ جلد ۵، ضیاء النبی، جلد ۴، ص ۶۲۶ - ۶۲۷)

شان تو، شان والوں کی ہوتی ہے ہم جیسے مٹی کے برتن اور پیالے، دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں موجود ہوں گے۔ ان میں تو یہ کیفیت پیدا نہ ہوئی یہ تو ہمارے نصیب جاگے کہ ہماری نسبت ایک شان والی ذات کے ایک غلام ابو قتادہ سے ہوگئی جس برتن کا دامن زیادہ سے زیادہ اتنا ہو کہ ایک آدمی وضو کر سکتا ہو اور جس پیالے کا دامن اتنا ہو کہ صرف ایک آدمی اپنی پیاس بجھا سکتا ہو اور اس کے دامن میں اتنا پانی جمع ہو جائے کہ تیس ہزار انسان جاں بلب انسان سیراب ہو جائیں اور چوبیں ہزار اونٹ اور گھوڑے سیراب ہو جائیں یہ سب کچھ ہمارے اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان کا صدقہ ہے۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضور کی شان اقدس بیان کرتے ہیں:

يُخْبِرُنَا بِظَهْرِ الْغَيْبِ عَمَّا
يَكُوْنُ فَلَا يَخُوْنُ وَلَا يَحُوْرُ

آپ ہمیں غیب کی خبریں بھی سناتے تھے کہ کیا ہوگا اور کیا ہونے والا ہے اور آپ کی دی ہوئی خبروں میں نہ کوئی خرابی ہوتی تھی اور نہ کوئی ہیر پھیر۔

فَلَمْ نَرٰی مِثْلَہٗ فِی النَّاسِ حَیًّا
وَلَیْسَ لَہٗ مِنَ الْمَوْتٰی عَدِیْلُ

نہ تو ہم نے زندوں میں ان جیسا کوئی دیکھا اور نہ فوت ہونے والوں میں ان کی کوئی مثال دیکھی۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

آسمانی بجلی اور طاعون کی گلٹی

قبیلہ بنو ثقیف کے مرد وزن نے خلوص نیت سے ہمارے خالق و مالک کی وحدانیت اور اس کے محبوب ترین رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالتِ بینہ کو اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ پڑھ کر دولتِ ایمان سے سرشار ہوئے۔

البتہ اس قبیلہ کے تین سردار تھے۔ عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمہ ان میں عامر بن طفیل خوبصورت شکل وصورت کا مالک تھا لیکن شکل وصورت کا حسن تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب تک دل کی دنیا کی کالک اور سیاہی نہ دھل جائے۔

نہ مکھڑا نہ مکھڑے دا تل ویکھ دے
اللہ والے جے دیکھن نے دل ویکھ دل

اس کے دل میں عداوتِ مصطفوی کی کالک کی سیاہ تہیں اتنی جمی ہوئی تھیں کہ اس کو اہل قبیلہ نے بڑی سمجھانے کی کوشش کی۔ ایمان قبول کرنے کی دعوت پیش کی لیکن اس نے کہا میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جو کچھ مرضی ہے ہو جائے میں ہرگز دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوں گا۔

ایک دن اس نے اپنی بدبختی میں شریک کرنے کے لیے اربد بن قیس اور جبار

بن سلمٰی کو تیار کیا اور اربد جو بڑا ہوشیار قسم کا جنگجو اور شاطر قسم کا انسان تھا۔ اس سے کہا ہم تینوں ان کے پاس چلتے ہیں میں انہیں باتوں میں لگا لوں گا اور تم تلوار سے ان پر حملہ کر دینا۔ یہ اربد عرب کے مشہور شاعر لبید کا بھائی تھا۔

یہ تینوں اپنے سازشی ذہنوں کی تپتی ہوئی بھٹی کے ساتھ جب بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو عامر بن طفیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا مجھے اپنا دوست اور یار بنا لیجئے۔ آپ نے فرمایا: جب تک تو دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اپنی ذہنی و فکری غلاظتوں کو دھو نہیں لیتا میں تمہیں اپنا دوست نہیں بنا سکتا۔ اس نے دو تین بار یہ جملہ دھرایا اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ دراز کیا اور باتوں باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہوتا گیا حتیٰ کہ آپ کے جسم مبارک پر جھک گیا۔ اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اب اسے امید تھی کہ اربد اپنا کام کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گا لیکن وہ تو بت بنا کھڑا تھا۔

اس نے حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ ان میں سے کوئی ایک تسلیم کر لیں:

۱-اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ اَهْلُ السَّهْلِ وَلِیْ اَهْلَ الْوَبَرِ

۲-اَوْ اَکُوْنَ خَلِیْفَتَکَ مِنْ بَعْدِکَ

۳- اَوْ اَغْزُوَ مِنْ غَطْفَانَ بِاَلْفِ اَشْقَرَ وَ بِاَلْفِ شَقَرَاءَ

یعنی ۱- صحرائی سارے علاقے کے آپ حاکم ہوں گے اور شہری علاقوں کا میں مالک ہوں گا۔

۲- یا آپ مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ بنا دیں۔

۳- یا پھر میں غطفان سے ایک ہزار سرخ گھوڑوں اور ایک ہزار جنگجوؤں کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوں گا۔

آپ نے اس کی پہلی دو باتوں کو بالکل ہی مسترد کر دیا اور تیسری بات کے

بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق ہی نہیں دے گا۔ البتہ آپ سرکار کئی روز تک یہ دعا مانگتے رہے: اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِرِ ابْنِ طُفَیْلٍ بِمَا شِئْتَ ۔یعنی اے اللہ تعالیٰ! مجھے عامر بن طفیل کے شر سے محفوظ رکھ جس طرح تو پسند کرتا ہے۔

جب عامر بن طفیل بارگاہِ رسالت سے ناکام ہو کر نکلا تو اس نے اربد بن قیس کو بہت برا بھلا کہا اور اسکو اس کی بزدلی اور کوتاہی پر بڑی عار دلائی کہ تو اپنے آپ کو بڑا بہادر کہتا تھا لیکن تو تو انتہائی بزدل آدمی نکلا ہے۔ میں نے کتنی بار موقع دیا اور تو ایک بار بھی حملہ کرنے کی ہمت وجرات نہیں کی۔

اس نے جواب دیا مجھے الزام دینے سے پہلے میری بات غور سے سن۔ لگتا ہے وہ اکیلے نہیں اُن کے ساتھ کوئی اور مخلوق بھی ہے جو نظر نہیں آتی اور کسی دشمن کو ان پر حملہ آور نہیں ہونے دیتی۔ پہلی دفعہ میں نے کوشش کی تو ایک بہت بڑا اونٹ منہ کھولے، میری طرف لپکا اگر میں آگے بڑھتا تو وہ مجھے کچا ہی چبا لیتا۔ میں خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ دوسری دفعہ حملہ کرنے لگا تو ایک آگ کا شعلہ آگے بڑھا اور تیسری دفعہ تو میرا ہاتھ ہی شل ہو گیا۔ میرا ہاتھ ہل جل ہی نہیں سکا۔ پتہ نہیں وہ کونسی مخفی قوتیں ہیں۔ جو ان کی دشمن سے حفاظت کرتی ہیں۔

یہ تینوں نامراد و ناکام ہو کر واپس لوٹے۔ یہ خائب و خاسر اپنے خاندان کی طرف واپس لوٹ رہا تھا۔ راستے میں اس کے تکبر کی وجہ سے اکڑی ہوئی گردن توڑنے کے لیے طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ لاچار ہو کر بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں پناہ لی۔ بنو سلول بڑا خسیس اور پرلے درجے کا کمینہ خاندان مشہور تھا۔ اس کمینے خاندان کی کمینی عورت کے گھر میں اتنے بڑے رئیس عامر کا بے بسی کی موت مرنا اس کے لیے موت سے بھی زیادہ اذیت ناک تھا۔ اس نے اپنے خاندان والوں کو بلا بھیجا کہ مجھے یہاں سے لے چلو لیکن جس کو ذلیل و رسوا کر کے ہی

مارنا مقصود ہو۔ اس کو اس عذاب سے کون بچا سکتا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگ اس کو لینے کے لیے آئے بھی۔ انہوں نے اسے اٹھا بھی لیا لیکن وہ اسی عورت کے دروازے پر ہی گرا اور جہنم کے سب سے نچلے والے پاتال میں پہنچنے کے لیے موت کی آغوش میں چلا گیا۔

اربد اور جبار تو واپس آ گئے۔ لیکن عبرت کی آنکھ چونکہ گستاخی و دشمنی رسول کی وجہ سے سلب کر لی گئی تھی۔ اس سے اس عامر کی رسوا کر دینے والی موت سے عبرت نہ حاصل کر سکے۔ ان کے قبیلے والوں نے واقعہ پوچھا تو اربد نے بکواس کی کہ اس نے ہمیں ایمان کی دعوت دی۔ جسے ہم نے قبول نہیں کیا۔ اگر وہ اس وقت سامنے ہوتا تو میں اس کو تیروں سے چھلنی کر دیتا۔

اس کم بخت سے کوئی پوچھتا جب تو گیا ہی اسی لیے تھا تمہیں قریب تر ہونے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ تو نے اس وقت یہ ناپاک قدم کیوں نہ اٹھایا۔ اگر اٹھاتا تو دنیا تیرے وجود سے عبرت حاصل کرتی۔

نبی رحمت، جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والی ایک خادمہ موقع کی تلاش میں تھی بس اس خادمہ کے غصے کی بجلی کی کڑک، اس گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے پر تول رہی تھی۔ دو تین دن بعد کی بات ہے اربد، باہر کھیتوں میں اپنے اونٹ چرا رہا تھا اور کہیں بادلوں کا نام ونشان نہ تھا۔ اچانک بجلی آئی، کڑکی، گرجی، برسی اور اسے جلا کر خاکِ سیاہ بنا کر چلی گئی۔

البتہ تیسرا ساتھی چونکہ پورے واقعہ میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے شامل رہا تھا اس لیے اسے عبرت کا نشان بنانے کی بجائے ایمان کی نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا۔

ہم بے جان سہی لیکن بے حس نہیں۔ طاعون کی گلٹی نے اپنا ٹارگٹ منتخب کر لیا۔ اربد کا ہاتھ شل کرنے کے لیے ماحول کی فضاء نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بجلی

نے تو اسے واصل جہنم کے لیے اپنا کردار ادا کر دیا۔ یوں ہم حضور کی فوج کے بے جان سپاہی، اپنی اپنی جگہ اپنا کردار کرتے ہی رہتے ہیں۔ اور اظہار محبت کرتے ہی رہتے ہیں۔ (ضیاء القرآن جلد ۴، ص ۶۶۷)

عاشقاں راچہ کار باتحقیق
ہر کجا نام اوست قر بانیم

صلى الله تعالىٰ عليه و آله و بارك وسلم

آگ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام سے محبت

خالق ارض وسماء نے اپنی ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی انوکھا رنگ بھر دیا ہے اور وہ رنگ اس کی فطرت میں شامل ہے۔ وہ فطرتی صفت اس سے جدا نہیں کی جاسکتی۔ قینچی کا کام کاٹنا ہے، سوئی کا کام سینا ہے، سردی کا کام ہے اپنے معمول پر ایسی اثر انداز ہو کہ وہ گرم کپڑے پہنے بغیر رہ نہ سکے، گرم ماحول میں داخل ہو کر سکون پائے، آگ کا کام جلانا ہے، راکھ کرنا، خاک اڑانا ہے، اگر یہ صفات ان سے چھین لی جائیں تو ان کی تخلیق کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ پانی پیاس نہ بجھائے، ناپاک کو پاک نہ کرے، مردہ زمین سے نباتات نہ اگائے، تو پانی کا کیا فائدہ، سورج کی دھوپ اور تمازت، روشنی نہ دے، کان میں مخفی معدنیات کو، سونا، چاندی اور دوسری دھاتوں میں، قیمتی ہیرے جواہرات میں تبدیل نہ کرے۔ نباتات کی پیدائش میں معاون بن کر ان کو مٹھاس نہ بخشے، کونوں کھدروں میں تسلط جما کر بیٹھنے والی تاریکیوں اور گھپ اندھیروں کو بھاگنے پر مجبور نہ کرے تو بتاؤ سورج کا کیا فائدہ؟

وہ خالق و مالک، قادرِ مطلق، اللہ الصمد، بے نیاز و بے پرواہ رب، جس نے ساری مخلوق کو پیدا فرما کر اس کے کام، اس کی جبلت میں شامل کر کے، اپنے اپنے فرائض ادا کرنے پر مامور کر دیا۔ وہ جب چاہے ہم سے وہ جبلت، وہ فطرت اور وہ

صفت وصلاحیت ہم سے چھین بھی لے تو اسے کون پوچھ سکتا ہے۔

اگرچہ لاتبدیل لکلمات اللہ اس کی شان میں ہے۔ وہ اپنی عاداتِ مبارکہ تبدیل نہیں کرتا لیکن جب وہ اپنے پیاروں کے لیے کسی قانون میں تبدیلی لانا چاہے بھی تو کوئی اسے ٹوک بھی نہیں سکتا، روک نہیں سکتا، وہ پانی کو راستہ بنانے کا کہہ دے تو پانی بہتا پانی، اپنی فطرت چھوڑ کر راستے بنا کر پیش کر دینے میں فخر محسوس کرے گا۔ پتھر کو پانی کے چشمے جاری کرنے کا کہہ دے تو پتھر کیلیے یہ اعزاز ہے، لاٹھی سانپ مارنے کے لیے ہوتی ہے لیکن اگر خود اسے ہی سانپ بن جانے کا کہہ دے تو کہہ سکتا ہے اور وہ لاٹھی سانپ بن کر دکھا بھی دے۔ چھری کا کام کاٹنا ہے لیکن اگر اس چھری ہی کو مرہم بن کر نازک حلقوم کی حفاظت پر مامور کردے تو یہ اس کے لیے اعزاز ہے۔ میں آگ ہوں، میرا کام جلانا ہے، اپنا ہو یا بیگانہ، چھوٹا ہو یا بڑا، بادشاہ ہو یا فقیر، میں سب کو جلا کر راکھ کر دیتی ہوں۔ میری حدت، میری جلن سے بچنے کے لیے کچھ احمقوں نے مجھے معبود تک مان لینے کی حد تک پہنچ گئے لیکن میں ان کو بھی معاف نہیں کرتی۔

لیکن دیگر حکم کی پابند تخلیقات کی طرح، مجھے بھی اعزاز ملا ہے کہ میرے مالک نے مجھے ارشاد فرمایا: **یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ** ۔ اے آگ! ہمارے ابراہیم جس نے کبھی بھی ہمارے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی۔ آج وہ تیرا مہمان بننے والا ہے، آج اپنی فطرت بدل لے۔ صرف ٹھنڈی ہی نہیں ہونا بلکہ اپنے انگاروں کو کہہ دو کہ تمہاری قسمت جاگ اٹھی۔ ازل سے دہکتے انگارو، دیکھو آنے والے کے قدم چوم لو اور گلاب، موتیا، چنبیلی، نسترن، نرگس کے پھولوں کا روپ دھار لو جس نے تمہاری فطرتی جلن سے تمہیں نجات دلانے کا موقع فراہم کیا۔

میری حدت، میری جلن، میری حرارت، بھرپور اپنے جوبن پر تھی کہ اچانک

میرے خالق و مالک کا خلیل، دوست، فرمانبردار بندہ، ابراہیم، میرے ہاں تشریف لے آیا اور میری فطرت اچانک بدل گئی۔ اتنی جلدی تو مجھ پر پانی ڈالا جائے تو میں ٹھنڈی نہیں ہوتی بلکہ اور بھڑکتی ہوں اور بھڑکتی ہوں لیکن ابراہیم علیہ السلام کے تشریف لانے سے تو بالکل ایسا ہوگیا جیسے آپ سورج کی جھلستی گرمی سے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں آ کر اچانک سکون محسوس کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہوا۔ ہوسکتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی سکون ملا ہو۔ چونکہ وہ سکون کے محتاج نہیں تھے۔ انہیں تو سکون پہلے ہی حاصل تھا۔ انہوں نے کسی لمحے بے سکونی اور بے صبری نہیں دکھائی تھی۔ البتہ ان کے آنے سے مجھے سکون میسر آ گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کبھی کبھی میرا مالک، مجھ پر احسان فرماتا ہے کہ میں آگ ہوکر بھی آگ نہیں رہتی۔ آنے والے اپنی پارٹی کے عظیم بندے کے لیے ٹھنڈی ہو جاتی ہوں۔ سلامتی والی بن جاتی ہوں۔ البتہ میری جلن کا رخ بدل جاتا ہے۔ میں فریق مخالف، کافر و مشرک اور بے ایمانوں کی ناکامی کی جلن بن کر جو ان کو جلاتی ہوں اس کا آپ اندازہ نہیں کرسکتے اگر پوچھنا ہو تو کبھی نمرود اور آل نمرود سے پوچھ لیجئے۔

چلیں چھوڑیں۔ ان کم بختوں کے ذکر کو۔ اپنے ایمان کے کام و دہن کا ذائقہ کیوں خراب کریں۔ آیئے میں آپ کو ایک اور خوبصورت واقعہ سناتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ، جل و علیٰ، کے ساری دنیا کے لیے واحد نمائندے، حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک غلام، حضرت ابومسلم خولانی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان دنوں یمن میں ایک احمقوں کے سردار اسود عنسی نے اپنی سیاہ دلی سے نبوت کا دعویٰ کردیا اور کچھ نامراد لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت ابومسلم خولانی اس علاقہ میں امام الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کے صحیح جاںنثار اور عاشق صادق معروف و مشہور تھے۔

ایک دن اسود عنسی کذاب ابن کذاب نے آپ کو اپنی مجلس میں بلایا اور کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ آپ نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا: ما اسمع ، میں کچھ نہیں سنتا۔ اس نے دوسرا سوال کیا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ نے جھٹ جواب دیا۔ ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

اس نے یہ دو سوال تین بار دہرا دہرا کر پوچھے اور آپ نے بھی اسی ترتیب سے اس کے دونوں کا جواب اسی طرح دیا۔

اس نے طیش اور غصے میں آ کر اپنے چیلوں چانٹوں سے کہا فوراً آگ جلائی جائے اور اس آگ میں اس کو پھینک دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

فوراً لکڑیاں اکٹھی کر لی گئیں۔ ایک بہت بڑا آگ کا الاؤ روشن کر دیا گیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تو حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں باندھ کر بھڑکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔

میں جلنے کے ابتدائی وقت سے آخر تک کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ ملت ابراہیم کا ایک نمائندہ، بے خطر، آتش نمرود میں پھینکا جانے والا ہے، اب کیا ہوگا کہ میرے مالک نے مجھے وہی دو ہزار سال پرانا حکم پھر سنا دیا۔ یا نار کونی بردا و سلاماً۔ اے آگ! ہمارے محبوب کا ایک چاہنے والا، تیرے پاس مہمان بن کر آنے والا ہے اس کے لیے اپنے اس کردار کو بدل کر سلامتی والی ٹھنڈی ہو جا۔

بس جونہی حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ میرے ہاں تشریف لائے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں اسی طرح ان کے لیے بھی برداً وسلاماً کی شان والی

ہوگئی۔ الحمدللہ۔ حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کے جسم کو آگ لگنا تو بہت دور کی بات ہے آپ نے جو لباس پہن رکھا تھا میں نے اس لباس کو بھی آنچ نہ آنے دی۔

البتہ اسود عنسی اور اس کے مشیروں کو ان کی ناکامی کی آگ اور اس کی جلن نے جلا کر ان کو راکھ کر دیا۔ آخر انہوں نے مشورہ کیا۔ ابومسلم کو یمن سے نکال دو۔ ورنہ یہ ہمارا سارا ماحول خراب کر دے گا اور ہمیں مزید ذلیل ورسوا کر دے گا۔

جب یہ واقعہ ہوا اس وقت جان عالم و جانِ ہر جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ سے واصل باللہ ہو چکے تھے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔

حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ سیدھا مدینہ منورہ کی طرف کر دیا۔ اس سارے واقعہ کے اثرات و کیفیات تو کوئی ان سے پوچھے۔ کہ ان پر کیا گزری۔ جب آپ مدینہ منورہ میں پہنچے تو مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر مسجد شریف ہی میں اپنا سامان رکھا اور ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے ایک اجنبی مسافر کو اپنے سامان کے ساتھ، مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بیٹھ گئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعارف حاصل کرنا چاہا اور پوچھا: ممن الرجل؟ بھئی! آپ کون صاحب ہیں۔ آپ نے جواب دیا میں یمنی ہوں اور یمن سے ہی آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ہمارے اس بھائی کا کیا حال ہے جس کو وہاں کے جھوٹے نبی نے آگ کے الاؤ میں پھینکا تھا۔ آپ نے بتایا اَنَا ھُوَ، میں ہی وہ شخص ہوں۔ آپ نے حیرت سے دوبارہ پوچھا، واقعی تم وہی ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللھم نعم

اللہ کی قسم وہ میں ہی ہوں۔

بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو سینے سے لگالیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی آبشار جاری ہوگئی۔ انہیں ہمراہ لیا اور خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور کہا، الحمدللہ۔ جس نے مجھے مرنے سے پہلے اس شخص کی زیارت کا شرف بخشا۔ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور آگ ان کے لیے گلزار بن گئی۔ سبحان اللہ۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ و بارک وسلم

ستاروں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

زمین کے ذرو! تم کتنے خوش نصیب ہو کہ تمہارا محبوب ہر وقت تمہارے پاس رہتا ہے، اگر تمہیں کوئی کورچشم مٹی کے ذرے ہونے کا طعنہ دے تو اسے تم کہہ سکتے ہو کہ کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔ ہم آسمانوں کے مکیں، بلندیوں کے امین، تمہارے مقدر پر رشک کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مالک نے ہمیں بلندیاں بخشیں، روشنی بخشی، چمکنا، دمکنا بخشا، بھولے بھٹکوں کو راہ بتانا بخشا، آسمان کو زینت دینا بخشا، لیکن محبوب سے دوری کے بدلے یہ تمام نعمتیں ہمیں ہیچ نظر آتی ہیں۔

ہمیں وہ دن نہیں بھولنا جب مکہ معظّمہ میں بہار اولین کے موسم میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لخت جگر ہر جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی۔

آپ کی ولادت با سعادت کے وقت حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ موجود تھیں۔ وہ اس وقت کی گواہ ہیں کہ ہمیں آپ کی ولادت با سعادت کے وقت آپ کے گھر چراغاں کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پورا ماحول بقعۂ نور بن گیا تھا۔ اندھیرے چھٹ گئے تھے۔ آپ انہی کی زبان سے ان

لمحات کی عکاسی کا منظر سن لیں۔ حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں:

قَالَتْ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَی النُّجُوْمِ تَدَلّٰی حَتّٰی قُلْتُ لَتَقَعَنَّ عَلَیَّ فَلَمَّا وَضَعَتْ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهُ الْبَیْتُ وَالدَّارُ حَتّٰی جَعَلْتُ لَا اَرٰی اِلَّا نُوْرًا۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے پاس ان کی ولادت کے وقت موجود تھی اور میں دیکھ رہی تھی کہ آسمان سے ستارے جھکنے لگے یہاں تک مجھے گمان ہونے لگا کہ مجھ پر ہی آ گریں گے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو حضرت آمنہ کے جسم مقدس سے نور نکلا جس نے درو دیوار کو چمکا دیا اور مجھے ہر طرف سے نور ہی نور نظر آنے لگا۔

ہمیں اس وقت آپ کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کی بلائیں لینے کی اجازت مل گئی تھی اور ہم آسمان سے نیچے آنے میں فخر محسوس کر رہے تھے۔

یہی واقعہ آپ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سے بھی سن سکتے ہیں۔ ان کا اسم گرامی حضرت شفاء بنت عمرو بن عوف تھا۔ وہ بھی آپ سرکار کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کے پاس موجود تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو:

فَاَضَاءَ لِیْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلٰی بَعْضِ قُصُوْرِ الشَّامِ۔

یعنی اس وقت مشرق سے مغرب تک سب کچھ مجھ پر روشن ہوگیا۔ حتیٰ کہ میں نے شام کے بعض محلات بھی دیکھ لیے۔

اس واقعہ کو ابن بریدہ اپنے والد ماجد سے یوں بیان کرتے ہیں کہ حضور پر نور

وسرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ نے حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس بچے کا خاص خیال کرنا اور اس کے بارہ میں کسی کاہن سے بھی نہ پوچھ بیٹھنا کیونکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ

كَاَنَّهَا خَرَجَ مِنِّىْ شِهَابٌ اَضَاءَ تْ لَهُ الْاَرْضُ كُلُّهَا۔

گویا مجھ سے ایک نور نکلا۔ ایک ستارہ نکلا جس کے نور سے ساری زمین ہی روشن ہوگئی اور میں نے شام کے محلات دیکھ لیے۔

تو ایک دن آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ کہیں تشریف لے جارہی تھیں۔ عرب کی ایک منڈی ذی المجاز میں جب پہنچی تو وہاں دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم ایک کاہن کے پاس جمع ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس ہجوم کو دیکھ کر آگے بڑھیں۔ جب اس کاہن نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا۔ آپ کا نام پوچھا، آپ کا چہرہ انور دیکھا پھر آپ کی دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی تو اس نے حضرت حلیمہ سعدیہ سے آپ کو چھین لیا اور شور مچا دیا، اس بچے کو قتل کردو، جلدی کردو، پکڑو اور قتل کردو۔ اس کی وجہ سے یہود ونصاریٰ ذلیل ورسوا ہو جائیں گے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ کیفیات دیکھیں تو گھبرا گئیں اور جلدی سے کاہن سے بچہ چھین کر وہاں سے نکلنے ہی میں عافیت سمجھی۔ انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں جلدی جلدی اپنے گھر آکر سکون وراحت کا سانس لیا۔

نجاشی بادشاہ، ورقہ بن نوفل اور ایک بت

پتہ نہیں ہماری بدقسمتی تھی یا حضرت انسان کی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ یا اس کی سوچ اور فکر کی تمام صلاحیتیں پتھر ہو گئیں تھیں کہ اس نے ایک مالک کے در کو چھوڑ کر ہزار چوکھٹ کا سجدہ پسند کرلیا۔ ہم پتھر کے بت، پتھر ہوتے ہوئے بھی، ہر

وقت کڑھتے رہتے تھے۔ اس وقت تو ہماری بتوں کی حالت، اور بھی بگڑ جاتی تھی کہ ہمارا مخدوم، انسان، جس کی خدمت کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا تھا وہ نذر و نیاز اور نذرانے لیے عقیدت کا پیکر بن کر ہمارے حضور میں سجدہ ریز ہوتا تھا اور اگر ہم بے حس ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ ہم بے حس نہیں تھے۔ ہمیں علم تھا کہ کل قیامت کو جہنم کی آگ میں یہ ہماری عبادت کرنے والے پھینکے جائیں گے۔ وہاں ان کے اس عمل کو خوش ہو کر، اپنا سر اونچا کر کے، فخر و غرور کے ساتھ، بت خانے میں بھگوان بنے بیٹھے ہوئے بھی، اس کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں۔ **الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ** کا یہی مطلب ہے اس لیے ہم گاہے گاہے کسی نہ کسی طرح، انسان کی انسانیت کو بیدار کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتے تھے اور کبھی ہم اپنے مشن میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے اور کبھی ناکام بھی۔

جس روز مطلع انوار و تجلیاتِ ذات الٰہی، مرکز و محور مخلوقات ربانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظّمہ میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے رونقِ افروزِ دنیا ہوئے۔ میں اس مکہ میں ورقہ بن نوفل کے گھر میں تھا اور آپ کی آمد آمد پر میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور بلند آواز سے میں نے یوں کہنا شروع کر دیا:

وُلِدَ النَّبِیُّ فَذَلَّتِ الْاَمْلَاکُ
وَنَایَ الضَّلَالُ وَاَدْبَرَ الْاَشْرَاکُ

نبی رحمت، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہو گئے اور بادشاہوں کی بادشاہیاں ذلیل و رسوا ہو گئیں، گمراہی دور ہو گئی اور شرک پیٹھ پھیر گیا۔

لَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْہِ اٰیَاتٌ مُّبَیِّنَۃٌ
لَکَانَ مَنْظَرُہٗ یُنْبِیْکَ بِالْخَبَرِ

(حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ)

اگر حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیگر واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں۔ پھر بھی آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال ہی تجھے بتا دیتا کہ آپ واقعتاً اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللهم صل و سلم علی سیدنا و مولنا محمد و آله و بارك وسلم

چاند کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

پتہ نہیں دنیا کو میری کونسی ادا پسند آ گئی ہے کہ جب بھی کسی حسین کی تعریف مقصود ہوتی ہے۔ اسے مجھ چاند سے ہی تشبیہ دیتے ہیں وہ تو چاند جیسا ہے حالانکہ میں خود جانِ کائنات اور حسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین و جمیل پیشانی سے بھیک لے کر روشن ہوں۔ میں خود مملوک شاہِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ جانِ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے دو وزیر آسمانوں پر ہیں۔ میرے دو وزیر زمین پر ہیں۔ وزارتیں تو وہیں ہوتی ہیں جہاں جہاں بادشاہت ہو۔ آسمانوں کی بے شمار مخلوقِ خدا کی طرح میں بھی آپ کی بلائیں لیتا رہتا ہوں۔

بچپن کا زمانہ اور اس زمانہ کی آپ کی تمام حرکات وسکنات ہمارے سامنے ہوتی تھیں۔ جب رات کو میرے طلوع کا وقت ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں صحن شریف میں اپنے پنگھوڑے میں آرام فرما ہوتے۔ تو میں وہاں بھی آپ کی انگلیوں کے اشاروں پر رقص کیا کرتا تھا بلکہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نورانی کھلونا تھا:

کھیلتے تھے چاند سے بچپن میں آقا اس لیے
خود سراپا نور تھے وہ تھا کھلونا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

اس لیے دنیا والوں کو کہہ دیں کہ وہ سارے زمانے میں اپنے بیٹے، اپنی بیٹی، اپنے عزیز، اپنے محبوب، اپنے مطلوب، جس کو چاہیں، چاند کہہ لیں۔ چاند سے تشبیہ دے لیں۔ لیکن حسنِ ازلی کے شاہکار، شاہکار ربوبیت، آئینہ جمالِ الٰہی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کبھی بھی چاند سے تشبیہ نہ دیں۔

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
چاند کے چہرے پہ چھائیاں اُن کا چہرہ صاف ہے
ماہ و انجم کی جبینوں پر پسینہ آ گیا
پیکرِ انوار تیرا نوری تلوا دیکھ کر
پڑی جب نگاہ ان کے روئے حسیں پر
تو چاند آ گیا شرم کھا کے گہن میں

آپ کہتے ہوں گے چاند! تُو تو جذبات میں آ گیا ہے ہاں، ہاں! انہیں جذبات میں ڈوبے رہنا، میری عبادت ہے، میں نے اپنی زندگی میں، آپ کے اشاروں کو دور سے سمجھتے ہوئے دو دفعہ آپ کے قدموں میں حاضری دی ہے۔ زمانہ گواہ ہے آپ اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرے کی بلائیں لینے والے، آپ کی پاکیزہ محفل میں بیٹھ کر برکات حاصل کرنے والوں کے بیان کردہ حدیث کو پڑھ لیں۔ آپ کو یقیناً یقین آ جائے گا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:- اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِلْقَتَيْنِ ۔ فَسَتَرَ الْجَبَلُ فِلْقَةً وَ كَانَتْ فِلْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ۔

(متفق علیہ وھذا اللفظ مسلم)

وَفِیْ رِوَايَةٍ

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ اَنْ یُّرِیْهُمْ اٰیَةً فَاَرَاهُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ مَرَّتَیْنِ۔ (متفق علیہ وھذا اللفظ مسلم)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ میں چھپ گیا اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہنا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اہل مکہ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دو مرتبہ چاند کے ٹکڑے کر دکھائے۔

دیکھے نہ مجھے رشک سے کیوں چشم دو عالم
ورثے میں ملی ہیں مجھے حسان کی آنکھیں

(ظفر چشتی)

بادلوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

فضائی دنیا میں، بسنے والی، اڑتے پھرتے رہنے والی، بے جان مخلوق میں، میرا نام بھی شامل ہے، مجھے بادل کہتے ہیں جیسے ساری کائنات اور اس میں رہنے والی ہر قسم کی مخلوق اپنے خالق و مالک کی بے دام غلام ہے۔ اس نے ازل سے ہماری فطرت میں جو عبادت رقم فرما دی ہے۔ اس سے سر مو انحراف، ممکن نہیں۔ ہر لحظہ ہر آن ہر لمحہ ہمارا اسی کے حکم کی تعمیل میں مصروف رہتا ہے۔ وہی ہمارا محبوب، ہمارا معبود، ہمارا مسجود و مقصود۔ اگر اپنی مخلوقات میں سے کسی شاہکار تخلیق کو چاہتا ہو،

بلائیں لیتا ہو، پیار کرتا ہو، اس کی رضا کا طالب ہو، اس کے چہرے کو دیکھتا ہو، اس پر صلوٰۃ بھیجنا اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہو۔ تو ہم بھلا! ان کے حکم کی تعمیل نہ کریں بلکہ ہم ان کی پارٹی کے جو بندے ہیں یا ان کے بنانے سے جو ہمارے مالک کے صحیح معنوں میں بندے بن گئے۔ ہم تو ان کی خدمات میں بھی مصروف رہتے ہیں۔

ایک بڑا ہی ایمان افروز واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سن لیں۔ ایمان تازہ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ یَخْطُبُ بِالْمَدِیْنَةِ فَقَالَ قَحَطَ الْمَطَرُ فَاسْتَسْقِ رَبَّكَ فَنَظَرَ اِلَی السَّمَآءِ وَمَا نَرٰی مِنْ سَحَابٍ فَاسْتَسْقٰی فَنَشَاَ السَّحَابُ بَعْضُهٗ اِلٰی بَعْضٍ ثُمَّ مُطِرُوا حَتّٰی سَالَتْ مَثَاعِبُ الْمَدِیْنَةِ فَمَا زَالَتْ اِلَی الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ مَا تُقْلِعُ ثُمَّ قَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ اَوْ غَیْرُهٗ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ فَقَالَ غَرِقْنَا فَادْعُ رَبَّكَ یَحْبِسْهَا عَنَّا فَضَحِكَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا فَجَعَلَ السَّحَابُ یَتَصَدَّعُ عَنِ الْمَدِیْنَةِ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا یُّمْطَرُ مَا حَوَالَیْنَا وَلَا یُمْطِرُ مِنْهَا شَیْءٌ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ کَرَامَةَ نَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِجَابَةَ دَعْوَتِهٖ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ مدینہ منورہ میں اس وقت خطبہ جمعتہ المبارک ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ گیا ہے۔ لہٰذا اپنے رب سے بارش طلب فرمائیں تو آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور ہمیں بھی اس وقت، آسمان پر کوئی بادل نظر نہیں آ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارش کی دعا فرمائی تو فوراً بادل کے ٹکڑے اِدھر اُدھر سے آ آ کر ملنے شروع ہو گئے۔ پھر بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی گلیاں بہنے لگیں اور بارش اگلے جمعۃ المبارک تک متواتر ہوتی رہی۔ پھر وہی شخص یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا جبکہ اس وقت بھی حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ہم تو غرق ہونے لگے۔ لہٰذا اپنے رب سے دعا کیجئے کہ اس بارش کو ہم سے روک دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے اور دعا کی، اے اللہ تعالیٰ! ہمارے اردگرد برسا۔ ہمارے اوپر نہ برسا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا دو یا تین دفعہ فرمایا۔ پس بادل چھٹ گئے اور مدینہ منورہ کے دائیں بائیں جانے لگے۔ چنانچہ ہمارے اردگرد (کھیتوں اور فصلوں پر) بارش ہونے لگی۔ ہمارے اوپر سے بارش بند ہوگئی۔ یونہی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی برکت اوران کی قبولیت دکھاتا ہے۔

آپ نے ساری بات پڑھ لی۔ آپ سوچتے رہوں گے کہ دعا تو منگوائی گئی تھی کہ خشک سالی ختم ہو جائے، خشک سالی کے ختم ہونے تک کی ضرورت کے مطابق بارش ہو جاتی۔ پھر بند ہو جاتی۔ نہیں بھائی نہیں، ایسا نہیں، بلکہ ہمیں جو حکم ملا تھا وہ برسنے کا حکم ہوا تھا۔ ہم نے برسنا شروع کر دیا نہ ہم نے اپنی مرضی سے برسنا شروع کیا تھا اور نہ اپنی مرضی سے بند کر سکتے تھے۔ جس طرح برسنے میں بھی کسی کے حکم کے پابند تھے۔ اس طرح بارش بند کرنے میں بھی کسی کے حکم کے پابند تھے۔ جس طرح سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ذبیح اللہ کا لقب پانے

والے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مقدس ایڑیوں کی ٹھوکر سے نکلنے والے پانی کو آپ زم زم کہہ کر نہ روکتیں تو وہ پانی سارے زمانے کے کونے کونے تک پہنچ جاتا۔ انہوں نے روک دیا تو وہ رک گیا۔ اسی طرح اگر ہمیں بھی برسنے سے رکنے کے لیے نہ کہا جاتا تو ہم بھی قیامت تک برستے رہتے برستے رہتے۔ جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یونہی اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور دعا کے اثرات دکھاتا رہتا ہے کہ لوگو! ہوش میں آؤ۔ کہیں تم بھی بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کے جال میں پھنس کر نہ کہنا شروع کر دینا کہ جس کا نام محمد اور علی ہے، ان کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ ساری دنیا کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ ان کے کہنے سے وہ جو چاہیں کر دیتا ہے۔ وہ بارش کی درخواست کریں تو شروع ہو جاتی ہے، وہ نہ چاہیں یا جب تک وہ نہ کہیں ہوتی ہی رہتی ہے۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبسم فرمانا بھی اسی بات کا غماز ہے کہ مدینہ منورہ کے باسی لوگ مہاجرین و انصار وہ سب ایسے تھے کہ دامن نچھوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں لیکن ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ، اور بے نیاز رب بھی جتنی ان کی مانتا ہے اور کسی کی نہیں مانتا۔

تیرے مونہوں گل جیہڑی نکلے اوہ تیر اے
جیہڑا توں اشارہ کریں اوہو تقدیر اے

صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارك وسلم

جنتی پھل کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

اس دنیا کی زندگی کا ہر انسان خواہ وہ کتنا ہی صاحبِ اختیار ہو۔ دولت کے انبار اتنے ہوں کہ اس کا حساب لگانا بھی اس کے بس میں نہ ہو۔ اس دولت کے خرچ کرنے پر کوئی قدغن اور پابندی بھی نہ ہو۔ بے حد و عد انسان بدل و جان

چاکری کے لیے ہمہ وقت حاضر ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ پوری دنیا کا چپہ چپہ اس کی گرفت ہو۔ اس کے باوصف، ضروری نہیں کہ وہ دنیا کے ہر قسم کے پھل سے اپنی زندگی میں لطف اندوز ہو۔ ہزاروں قسم کے پھلوں سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ زمین کے مختلف خطوں کے موسموں کے مطابق وہاں پھل پیدا ہوتے ہیں۔ سردیوں کے موسم کے پھل، گرمیوں کے موسم کے پھل، معتدل موسم کے پھل، خزاں کے موسم کے پھل، بہار کے موسم کے پھل، برصغیر پاک و ہند کے پھل، چین، چیچنیا، روس کے پھل، افریقہ، برطانیہ اور امریکہ کے پھل، کیا دنیا میں کوئی ایسا انسان ہے جس کی دسترس میں ساری زمین کے ہر موسم کے پھل ہوں۔ پھر ان کو کھانے پر قادر ہو۔ کسی پھل کا ذائقہ بہت ہی میٹھا، کسی کا بہت پھیکا، کوئی اس کی صحت کے لیے مفید کوئی اُس کے لیے مضر۔

غرض کوئی انسان ایسا نہیں جو دنیا کے ہر قسم کے پھلوں پر قادر ہو۔ اس کی پہنچ میں ہوں، یا وہ کھانا نصیب ہوں، کھائے تو کھا نہ سکے، البتہ انسانیت کی معراج کا تاج پہننے والے تاجدار، چودہ طبق کے والی، ساری کائنات کی چابیاں، ان کے خزانوں کی چابیاں اپنے جیب میں محفوظ رکھنے والے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں دنیا کے پھل بھی ہیں اور جنتی پھل بھی۔ ان کو پکڑنے کی قدرت رکھنے والے، ان کے کھانے پر کوئی قدغن نہیں۔ یعنی جنتی پھلوں پر بھی گرفت رکھنے والے ساری کائنات میں، صرف آپ ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دنیا و آخرت کے پھل ان کی گرفت میں کھانا چاہیں تو کھالیں نہ چاہیں تو نہ کھائیں، نہ کوئی مجبوری، نہ کوئی معذوری، نہ کوئی رکاوٹ، نہ کوئی پابندی اور نہ کوئی قدغن، نہ زمانے کی قید، نہ عمر کی قید، جب چاہیں اپنے خالق و مالک کی ہر عطا کردہ چیز استعمال فرمالیں۔ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس عظیم شخصیت کے حضور حاضر رہنے والے بچوں کے بادشاہوں میں سے کسی ایک کی زبان سے دیکھا ہوا

چشم دید واقعہ پڑھ لیجئے اور اپنے ایمان کو جلا بخشیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ قَالَ اِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَّلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا ۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں سورج گرہن ہوا اور آپ نے نماز کسوف پڑھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وا لک وسلم ! ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ کھڑے کوئی چیز پکڑی اور کھانا پسند فرمائی پھر ہم نے دیکھا آپ کسی قدر پیچھے ہٹے۔ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے جنت نظر آئی تھی۔ میں نے اس میں سے ایک خوشہ پکڑ لیا اگر اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس سے کھاتے رہتے۔ (اور وہ ختم نہ ہوتا)

اس کو کہتے ہیں ”کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی ان کی“ سورج گرہن لگا ہوا ہے، تمام پاک اور نفوسِ قدسیہ، باہر میدان میں اپنے مالک کے حضور، دعاء استغفار میں مصروف ہیں۔ ان کا امام آگے کھڑا نماز پڑھا رہا ہے۔ سبحان اللہ! لیکن عالم یہ ہے کہ امام جنت کو نظر میں رکھے ہوئے ہے۔ اس کے پھل، اس کے گوشے اور خوشے ہاتھ میں پکڑ رہا ہے لیکن پھر چھوڑ دیتا ہے کہ جنت و دوزخ کا مسئلہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ تک ہی محدود نہ رہنے دیا جائے اور نمازی حضرات ہیں کہ نماز کی حالت میں بھی، امام صاحب کی حرکات وسکنات پر نظریں جمائے کھڑے ہیں کہ کوئی ادا،

آپ کی رہ نہ جائے اوراس پر عمل نہ ہو۔

اس امام پر اس کی امامت پر لاکھوں سلام، ان کے عظیم مقتدیوں اور ان کی اقتداء کے انوکھے انداز پر سلام۔

عشق احمد سی دنیا میں نعمت نہیں مال وزر کی بھی کوئی حقیقت نہیں
بادشاہوں سے بہتر بھکاری ہے وہ ان کے در کے جو ٹکڑوں پہ پلتا رہے

صلی اللہ علٰی حبیبہ سیدنا و مولٰنا محمد وآلہٖ
و اصحابہ و بارك وسلم

چھاگل کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

جس انسان کے اندر کی سوئی ہوئی خواہشات سوئے ہوئے کتے کی طرح ہوں کہ مردار نظر آجائے تو سوئے ہوئے کتے کا بال بال جاگتے ہی دانت بن جائے اور وہ مردار کو جھنجھوڑ کر ندیدوں کی طرح کاٹ کاٹ کھانا شروع کردے۔ اس کی بات نہ کر نہ اس کے ذکر سے اپنے دل کی پیار کی دنیا ویران کر۔

آ۔ ان کی بات کریں جن کے ساتھ لگ کر گدھے بھی انسانوں جیسے کام کرنے لگیں۔ بے شعوروں کے باڑے اور کھلواڑے سے نکل کر باشعوروں میں شامل ہو جائیں جن کی اونٹنیاں ماموربن اللہ ہو جائیں۔ جن کے دروازے پر ننھی اور نازک ترین مکڑیاں جالا تان کر اسلام کے بدترین دشمن کا منہ پھیر دینے پر مجبور کردے۔ پتھر، روڑے، روڑیاں، کنکر، ریت اور مٹی کے ذرے جن کا کلمہ یاد کرلیں ان کی بات کریں ان کے ذکر سے کانوں میں رس کھولیں دل کے دریچے باز کریں۔

میں پانی کی چھاگل ہوں۔ میرا ظرف جتنا ہوتا ہے اتنا پانی ہی اپنے دامن میں سما سکتی ہوں۔ اگرچہ گلشن میں تنگی ساماں کا سامان موجود ہو، تنگ دامانی کے شکوے دور کرنے والے خود رجوع ہوتو فکر کا ہے کی۔ مقامِ حدیبیہ میں جہاں جانِ

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور عقیدت کے نذرانے پیش کرنے کے لیے بے شمار اشیاء کو خدمت کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر، اس نے مجھے بھی اس نعمت سے محروم نہیں رکھا۔ حضور کے غلاموں میں سے ایک غلام حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زبانی بات سن لیں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ عَطِشَ النَّاسُ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَةِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ یَدَیْهِ رِکْوَةٌ فَتَوَضَّاَ فَجَهِشَ النَّاسُ نَحْوَهٗ فَقَالَ مَا لَکُمْ قَالُوْا لَیْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّاُ وَلَا نَشْرَبُ اِلَّا مَا بَیْنَ یَدَیْكَ فَوَضَعَ یَدَهٗ فِی الرِّکْوَةِ فَجَعَلَ الْمَآءُ یَثُوْرُ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ کَاَمْثَالِ الْعُیُوْنِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّاْنَا قُلْتُ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ لَوْ کُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَّکَفَانَا کُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً (رواہ البخاری واحمد)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پانی کی ایک چھاگل رکھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے وضوء فرمایا۔ لوگ پانی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جھپٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہمارے پاس نہ وضوء کے لیے پانی ہے اور نہ پینے کے لیے ہے۔ صرف یہی پانی ہے جو آپ سرکار کے سامنے پڑا ہے۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک چھاگل کے اندر رکھا۔ تو فوراً چشموں کی طرح پانی انگلیوں کے درمیان سے جوش مار کر نکلنے لگا۔ چنانچہ ہم سب نے (خوب پانی) پیا اور وضوء بھی

کیا۔ (حضرت سالم رضی اللہ عنہ راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اس وقت آپ کتنے آدمی تھے۔ انہوں نے کہا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی پانی سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ البتہ ہم سب اس وقت پندرہ سو افراد تھے۔)

مجھ چھاگل میں اس دست کرم کا کمال تھا جس سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے اور ڈیڑھ ہزار آدمی نے پانی پی بھی لیا اور وضو بھی کر لیا اور اتنے پانی کو سمونے کا ظرف بھی عطا فرمایا۔

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ھماں خاکم کہ ہستم

میرے کرم فرما ہمنشیں کے حسن و جمال کے اثرات تھے وگرنہ میں تو وہی ایک مٹی کا برتن تھا۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

توشہ دان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی تو نہیں کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب کچھ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی و موت، جینا اور مرنا، اوڑھنا اور بچھونا، گفتگو کرنا یا خاموش رہنا، سونا اور جاگنا، مسکرانا اور غم زدہ ہونا۔ آپ کی تبلیغ و دعوت اور اس کے نتیجے میں سارے کرب۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سب کچھ، ساری حکمرانیاں، ساری سلطانیاں، ساری بادشاہیاں، کائنات کی ہر چیز آپ کے لیے ہے بلکہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز انہی کے لیے، میں ایک توشہ دان ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بے کراں مخلوقات میں میری کیا حیثیت ہے لیکن جب مالک نے پیدا کیا ہے، اس کے حسین نظام کائنات میں مجھے

ؔخلیق کیا گیا ہے تو اسی حیثیت سے میں بھی تو حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم ہی کے لیے ہوں۔ اگر میری سرکار، میرے حوالے سے کچھ ارشاد فرمائیں وراس کی تعمیل میں کوتاہی ہو جائے تو لاکھ بار لعنت ہے میرے ہونے پر۔ الحمدللہ۔ ب اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور ساری مخلوقات کی لعنتوں اور پھٹکاروں سے بچا ی نہیں۔ میرا نام آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانبردار غلاموں میں شامل ہو کر تاریخ میں امر ہو گیا ہے۔ الحمدللہ۔

سیدی و مرشدی، آقائی و مولائی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چاہنے والوں میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام کس نے نہیں سنا۔ میرے نصیب دیکھیں میں ان کی ملکیت تھا۔ میرے حوالے سے میرا واقعہ آپ انہی سے سماعت فرمائیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَةِ فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِیْ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَةِ فَقَالَ خُذْهُنَّ وَاجْعَلْهُنَّ فِیْ مِزْوَدِكَ هٰذَا اَوْ فِیْ هٰذَا الْمِزْوَدِ کُلَّمَا اَرَدْتَّ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَیْئًا فَاَدْخِلْ فِیْهِ یَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ کَذَا وَکَذَا مِنْ وَّسْقٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَکُنَّا نَاْکُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ وَکَانَ لَا یُفَارِقُ حِقْوِیْ حَتّٰی کَانَ یَوْمُ قَتْلِ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ انْقَطَعَ (رواه الترمذی و احمد و ابن حبان) (وقال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ان کھجوروں میں برکت

کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اکٹھا فرمایا۔ میرے لیے ان میں دعاءِ خیر و برکت فرمائی۔ پھر مجھے ارشاد فرمایا: انہیں لے لو اور اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب بھی ان میں سے لینا چاہو تو اپنا ہاتھ ان میں ڈالو اور ضرورت کے مطابق لے لیا کرو۔ لیکن اس توشہ دان کو جھاڑنا نہیں ہے لہٰذا میں نے ان میں سے اتنے اتنے (یعنی کئی) وسق لیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیں۔ ہم خود بھی ان میں سے کھاتے رہے اور لوگوں کو کھلاتے رہے۔ وہ توشہ دان کبھی میری کمر سے جدا نہیں ہوا۔ یعنی کبھی کھجوریں ختم نہیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ جس دن حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس دن وہ مجھ سے کہیں گر گیا۔

ساری دنیا کے سب سے سچے انسان کے پروردہ اور تربیت یافتہ لوگ بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کئی وسق کھجوریں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیں۔ ایک وسق 60 صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع 22 تولے کا ہوتا ہے جس کا کل وزن 1320 تولے ہوتا ہے۔ (اور ایک وسق دوسو چالیس گرام کا ہوتا ہے۔) اس میں خود بھی کھاتے رہے۔ دوسروں کو بھی کھلاتے رہے۔ اور توشہ دان کبھی کمر سے جدا بھی نہیں ہوا۔ جس توشہ دان میں اتنے سو کلو گرام کھجوریں نکلتی رہیں۔ نہ اس کا وزن زیادہ ہوا، نہ اس حجم بڑھا اور نہ ہی بوجھل ہونے کی وجہ سے ان پر بار ہوا۔ اگر ان میں سے ایک بات بھی ہو جاتی، بوجھ بڑھ جاتا، حجم بڑھ جاتا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے مسئلہ بن جاتا اور دعا خیر و برکت کا کیا فائدہ ہوتا۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کھجوروں میں دعاءِ خیر و برکت کرانے کی کیوں سوجھی۔ تو میرا دل کہتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ عنہ کو دودھ میں خیر و برکت کا واقعہ تازہ تازہ ہوا ہوگا۔ جو ایک پیالہ ستر آدمیوں کے لیے کافی ہوگیا۔ اس قسم کے واقعات جو خلافِ معمول ہوں عقل تسلیم نہ کرتی ہو۔ زمانہ اس پر گواہ ہو، کوئی آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات بھی نہ ہو۔ ایسے واقعات روز روز ہوتے ہوں۔ لکڑیوں کے تھم روتے ہوں، ان کو چپ کرایا جاتا ہو، ان کو ہمیشہ کی زندگی کی بشارت دی جاتی ہو، جنت میں جانے کی نوید دی جاتی ہو، پتھر بولتے ہوں، کلمے پڑھتے ہوں، تسبیحات کی سماعت کے لیے انسانی سماعت سے پردے اٹھائے جاتے ہوں، خشک کنویں، پانیوں سے لبالب بھر جاتے ہوں، چاند چرتے ہوں، سورج نظام ہستی درہم برہم کر کے ڈوبے ڈوبے واپس لوٹ آتا ہو، زیر سواری آنے والی اونٹنیاں مامور من اللہ ہو جاتی ہوں، ایسے سخاوت کے بہت بڑے دریا سے چونچ بھر لے جانا، کب کسی کو ناگوار گزرتا ہوگا اور کب کوئی پیچھے رہ جانا پسند کرتا ہوگا۔

دیکھا جو ان کو بانٹتے تو میں نے بڑھ کر شوق سے
دستِ عطا کے سامنے دستِ طلب بڑھا دیا

بس حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بابرکت توشہ دان سے ہر وقت کمر سے لگے رہنے اور ہر وقت بغیر کسی بوجھ کے محسوس کیے، کئی کئی سو من کھجوریں نکالتے وقت، کتنے نشے سے سرشار رہتے ہوں، اسی نشے کا نام ہمارے نزدیک ایمان ہے، عشق ہے، محبت ہے۔

اس کی بابت سوچنا اور سوچنا بھی رات دن
پھر بھی مجھ کو یوں لگا میں نے سوچا کچھ نہیں

اللھم صل وسلم و بارك على سيدنا و مولنا على محمد و آله واصحابه وان واجده و اولياء و علماء ملته اجمعين ۔

پانی کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور کھانے کی اشیاء کی تسبیح کی سماعت

پانی کی اہمیت سے تو آپ انکار نہیں کر سکتے۔ خصوصاً صحراؤں میں تو دور دور تک کہیں نہ کہیں پانی کا میسر آ جانا، اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت تصور کیا جاتا تھا۔ عرب کے صحرائی لوگ تو صحراؤں میں پھرتے رہتے تھے۔ جہاں کہیں اتفاق سے پانی مل جاتا وہاں کچھ دیر قیام کر لیتے، پانی ختم ہو جاتا تو آگے چل دیتے۔ ایسے ماحول میں اگر پانی معجزاتی طور پر کثیر تعداد میں کہیں میسر آ جائے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے ساتھ ایسے واقعات اکثر پیش آیا کرتے اور غلاموں کی سرشاریوں میں اضافہ ہو جاتا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی ہی کیفیات سے سرشار ہو کر بیان کرتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْاٰيَاتِ بَرَكَةً وَّاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيفًا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَآءُ فَقَالَ اطْلُبُوْا فَضْلَةً مِّنْ مَّآءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ

(رواہ البخاری و الترمذی)

(وقال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن)

''حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم تو معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم لوگ انہیں خوف دلانے والے شمار کرتے ہو۔ ہم ایک سفر میں تھے۔ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ پانی کی قلت واقع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچھ بچا ہوا پانی ہے۔ لے آؤ۔

لوگوں نے ایک برتن آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور پیش کیا۔ جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا دست اقدس اس برتن میں ڈالا اور فرمایا: پاک برکت والے پانی کی طرف آؤ اور یہ برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک انگلیوں سے چشمہ کی طرح پانی ابل رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہم کھانا کھاتے وقت کھانے سے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔"

ایک چھوٹے سے برتن کے چھوٹے پن میں بھی اتنی وسعت پیدا ہو جانا کہ کثیر لوگ پانی سے سیراب ہو رہے ہیں اور کسی کو مایوسی نہیں ہوتی۔ زمین سے، پتھروں سے، پہاڑوں سے، تو پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دنیا دیکھتی ہے لیکن انگلیوں سے چشموں کا پھوٹنا، بالکل انہونی بات ہے۔

ارشاد رب العزت والاکرام ہے کہ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کہ اس کی مخلوق سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کی تسبیح وتہلیل میں ہمہ وقت مصروف نہ ہو۔ لیکن وہ ان کی تسبیح وتہلیل کتنوں کو سنائی دیتی ہے۔ بے شک کانوں کے ساتھ لگا لو، سنائی نہیں دے گی۔ پھر ہر ایک چیز کی تسبیح اس کی اپنی زبان میں ہے۔ ہر چیز کی اپنی زبان کس کس کو سمجھ میں آئے گی۔ اُن کا تسبیح وتہلیل میں مصروف رہنا، میرے نبی کا معجزہ نہیں۔ بلکہ معجزہ یہ ہے کہ ان کی تسبیح سننے کے لیے اپنے غلاموں کے کانوں کو سماعت عطا فرما دی جائے اور ان کی تسبیح سننے اور سمجھنے کی صلاحیت بیدار کر دی جائے۔ جبکہ عوام کالانعام کے لئے اصول وہ ہے۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ لیکن تم کی ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ ہر چیز کی تسبیح اس کی اپنی زبان میں سننا، سمجھنا یہ عطیہ عطاء محبوب وجانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جانور آپ سے باتیں کرتے تھے،

مچھلیاں آپ سے گفتگو کرتی تھیں، چرند پرند درند حتیٰ کہ جن و ملائک آپ سے ہمکلام ہوتے تھے اور آپ بہت دور سے بغیر لاؤڈ اسپیکر کے چیونٹی کی آواز، اس کی بات سن لیتے تھے سمجھ لیتے تھے، اور بعض اوقات ان کی نادانی کی گفتگو پر مسکرا بھی دیتے تھے۔ لیکن ان کے غلاموں میں ان کے صحابہ میں کتنے تھے جن کو یہ نعمت میسر آئی تھی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تذکارِ جمیل احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ جو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی وجہ سے اس نعمت سے مالا مال تھے۔ وہ پتھروں کا حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنا، مختلف اوقات میں ان کا تسبیح وتہلیل میں مصروف ہونا سنا کرتے تھے۔ یہ سب صحبت کا فیضان تھا اور یہ ان کا عقیدہ بھی تھا کہ یہ سب کچھ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہیں۔ جیسا کہ اسی حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ مبارکہ ہیں کہ کُنَّا نَعُدُّ الْاٰیَاتِ بَرَکَۃً کہ ہم ان معجزات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت شمار کیا کرتے تھے۔

چاند سورج میرے دروازے پر پہرے دار تھے
جب میری بینائی کے حجرے میں آئے مصطفیٰ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

صلی اللہ علی سیدنا مولنا محمد و آله و بارك وسلم

پانی اور برتن کا ایک اور تذکرہ

میں بحیثیت ایک مائع کے اپنے ظروف جتنا ہی کسی میں سما سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کی تو گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن جب ظرف کو وسعتِ دامن دینے والا، خود مائل بہ کرم ہو تو کسی کو کیا اعتراض اگر ظرف کو وسعت مل جائے اور مجھے بھی حکم ہو

کہ اب یہ ظرف اس وقت تک خالی نہ ہو جب تک ہم نہ چاہیں تو سبحان اللہ! جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا پانی اور ظرف کے واقعات سے اگر ایمان کو تازہ کرنا مقصود ہو تو میرے گوشۂ ذہن میں کتنے ہی واقعات ہیں جو میں آپ کو سنا سکتا ہوں۔ حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی ایک واقعہ ضرور آپ کے ایمان کو تازہ کرے گا۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاِنَاءٍ وَّهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ یَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَآءُ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّاَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لِاَنَسٍ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ ثَلَاثَ مِائَةٍ اَوْ زُهَاءَ ثَلَاثِ مِائَةٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَوْ کُنَّا مِأَةَ اَلْفٍ لَکَفَانَا کُنَّا خَمْسَ عَشَرَ مِأَةٍ ۔ (متفق علیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک برتن پیش کیا گیا اور آپ اس وقت زوراء کے مقام پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس برتن کے اندر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے اور تمام لوگوں نے وضوء کیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس وقت آپ کتنے لوگ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تین سو یا تین سو کے لگ بھگ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ہم اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لیے کافی ہوتا۔ ویسے ہم پندرہ سو تھے۔

اے اشرف المخلوقات میں سے بھی سب سے اشرف ترین انسانو! میرے کریم آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلامو، اس حدیث مبارکہ کے واقعہ

کے بیان کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام بھی جب اس قسم کا واقعہ دیکھتے تو حیرت و استعجاب اور محبت کی وارفتگیوں میں گم ہوکر دوسرے دوستوں سے بیان کیا کرتے تھے اور وہ بھی حیرت و استعجاب سے پوچھا کرتے تھے، یار تم اس وقت کتنے لوگ تھے، پوچھنے والا سوچتا ہوگا کہ ہوں گے کوئی دس بیس لیکن جب وہ سنتا کہ تین سو، تین سے زیادہ و کم، پندرہ سو۔ یا جب کہنے والا کہتا ہوگا تین سو، یا پندرہ سو کی بات نہ کر وہاں تو ایک لاکھ انسان ہوتا تو پانی کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ سب پانی سے سیراب ہو جاتے تو وہ بھی حیرت میں گم ہو جاتا ہوگا بلکہ عظمت و رفعت و شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کمالات کے حسن و زیبائی میں اور غرق ہو جاتا ہوگا اور کہتا ہوگا کہ خدا کا شکر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کن کی صحبت کن کی صحابیت نصیب ہوئی کن کے دیدار دلنواز سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ یقیناً وہ اپنے مقدروں پہ ناز کرتے ہوں گے اور ہمارا حال تو نہ پوچھئے، پانی، آگ، ہوا، مٹی، ریت کے ذرے ہماری کیا حیثیت ہے لیکن بے نواؤں کو نوا بخشنے والے کریم کی کرم نوازیوں نے ہمارے انگ انگ کو سرشار کر رکھا تھا۔ الحمدللہ۔

میرے دل پہ ہیں نقشِ قدم آپ کے
مجھ گنہگار پر ہیں کرم آپ کے
چڑھتی رہتی ہے مینار پر زندگی
گرتے رہتے ہیں قدموں پہ ہم آپ کے

فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمدو آله و بارك وسلم

کھجوروں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور اطاعت

کسی بھی چیز کی تعداد پانچ ہو یا دس بیس، وہ جتنی بھی ہوگی وہ اتنی ہی رہے گی۔ جادو ٹونے اور مسمریزم سے وقتی طور پر لوگوں کو دھوکا تو دیا جاسکتا ہے لیکن نہ

حقیقت بدلتی ہے نہ کیفیت اور نہ کمیت میں مستقل اضافہ اور کمی ہو سکتی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیگر انبیاء کرام اور ان کے خاص خاص غلاموں کو یہ اعزاز حاصل ہوا اور انہوں نے کیفیتیں بھی بدلیں، کمیتیں بھی بدلیں دوریاں نزدیکی میں اور نزدیکیاں دوریوں میں بدلیں۔ اور ایسی بدلیں کہ کوئی ان کو نہ دھوکا کہہ سکا نہ فریب، اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب لازوال کتاب، ریب و شک سے پاک کتاب، ایسے کئی واقعات محفوظ کئے ہوئے ہے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ایک غلام آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ رکا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔

واقعہ حضرت آصف بن برخیا اختصار کے ساتھ

ملکہ سبا نے جب اپنا وفد حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اس نے بے انتہا قیمتی تحفے اور بے شمار سونا اور جواہرات بطور نذر بھیجے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس وفد کے آنے سے پہلے کئی میل تک سونے کا فرش بچھا دیا تاکہ آنے والوں کو علم ہو سکے کہ زیادہ سونے کا مالک ہونے سے انسان بادشاہ نہیں بن جاتا۔ بادشاہ وہ ہوتا ہے جو سونے کی ہلاکت سے بچ جائے۔ کل قیامت کو اللہ تعالیٰ ساری زمین کو چاندی کی بنا دے گا تاکہ سونے اور چاندی کے پجاریوں کو احساس ہو سکے کہ اس دربار میں سونے اور چاندی کی کیا اہمیت ہے۔ جو ہر کس و ناقص کے قدموں کے نیچے بچھا دی گئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ سونا، وہ ہیرے اور جواہرات اور قیمتی تحائف واپس کر دیئے کہ ہماری نظر تمہارے ان اسباب و دولت و ثروت پر نہیں بلکہ ہم تو انسانوں کو ایمان کی دولت دے کر زریں اور قیمتی بنانا چاہتے ہیں اگر تم مومن مخلص بن جاؤ گی تو خود کیمیا گر بن جاؤ گی۔

ملکہ سبا، حضور کی اس بے نیازی اور شفقتِ ایمانی سے اتنی متاثر ہوئی کہ آپ کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اپنی بادشاہت و وجاہت، حکومت و ثروت اور جاہ و

جلال اور تمکنت سے یوں بے نیاز ہوگئی جیسے کوئی ننگ و نام سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایمانی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اتنا قیمتی تخت خود لا کر آپ کے قدموں میں رکھ دیتی لیکن اس کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے لیے اٹھا کر لانا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا ہوگا کہ ملکہ کو ایمانی عروج پا کر تخت سے محبت تو نہ رہی ہوگی۔ اس کے باوصف ابھی نیا نیا اتنا قیمتی تخت چھوڑنے کا تھوڑا بہت قلق تو ہوگا۔ اس لیے تخت منگوا ہی لینا چاہئے۔

تخت سے ملکہ کی محبت ،ایک بچگانہ فعل تھا۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ تخت منگوا ہی لینا چاہئے۔ یہ کام اس کی اس تخت سے محبت کی بنا پر نہیں بلکہ عبرت کے حصول کے لیے تھا۔ جیسے ایاز کے لیے اس کی گدڑی اور ٹوٹی ہوئی چپل عبرت کا نشان تھی کہ ان کو دیکھ دیکھ کر اپنی اصل اور پہلی حالت یاد کرتا رہتا تھا کہ میں کیا تھا اور شاہ کی عنایت سے میں کیا سے کیا ہوگا۔ ملکہ بھی اپنے عرفانی معراج پر پہنچ کر کبھی کبھی عبرت حاصل کرنے کے لیے تخت کو دیکھ لیا کرے گی کہ میں اپنی حماقت میں ڈوب کر کس چیز سے محبت کرتی رہی ہوں اور شاہ کی مصاحبت سے میں اب کس مقام پر پہنچ گئی ہوں۔ پہلے میری حالت کتنی خراب تھی اور اب میں روحانیت کے کس مقام پر فائز ہوگئی ہوں۔

ہوا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ اس کی ابتداء تو ان چیزوں سے کی گئی تھی کہ ان کا ذکر بھی زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس کرتا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خدام سے بھری بزم میں پوچھا ملکہ بلقیس کا تخت کون لائے گا اور کتنی دیر میں لائے گا۔ ان کی محفل سے ایک جن، آپ کا خادم، آپ کا صحابی، اٹھا حضور! یہ خدمت میرے سپرد کیجئے۔ میں آپ کے آج کے اجلاس کے برخاست ہونے سے پہلے پہلے لے آؤں گا۔ امانت داروں کا تربیت یافتہ ہوں، امانت میں خیانت نہیں کروں گا، سچوں کا پس خوردہ کھانے والا ہوں، وعدہ خلافی بھی نہیں کروں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ کام تو جن کر ہی لیتے ہیں۔ یہ کام کوئی انسان کرتا تو پھر بات بھی تھی۔ آپ کے خدام میں ایک انسان اٹھا، پڑھا لکھا، علم الکتب کا ماہر اٹھا اور جن سے بھی بہر اعتبار کئی ہاتھ آگے قدم بڑھا کر کہنے لگا، حضور بندہ پرور! غلام حاضر ہے بس اجازت دیں اور تخت بلقیس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے حضور حاضر!

حضرت آصف بن برخیا نے تخت کو مخاطب ہو کر کہا ہوگا۔ اے لکڑی کے بنے ہوئے تخت، ہوش میں آ، تو احمقوں کو اپنی محبت میں پھنساتا ہے، احمقوں کا شیوہ ہی یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ پتھر اور بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، سن! یہ سارے بتوں کے پجاری اور بزعم خویش بنے ہوئے معبود، سب جہنم کی آگ کا ایندھن بننے والے ہیں، کیا تو بھی اسی جہنم کی آگ کا ایندھن بننا چاہتا ہے۔

میرا دل کہتا ہے تختِ بلقیس جہنم کا ذکر سن کر کانپ اٹھا ہوگا۔ جھرجھری لی ہوگی اور آصف کے اشارے پر اتنی سرعت رفتاری کے ساتھ چل دیا ہوگا کہ آج کے اس تیز ترین دور میں بھی اتنی تیزی کا تصور محال ہے اور یہ سارا عمل حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پلک جھپکنے سے پہلے ہی ہوگیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں، ہزاروں میلوں دور سے اتنے بڑے تخت کو دفعۃً دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ

کہ یہ میرے رب کا فضل ہے جس نے مجھے اور میرے غلاموں کو یہ اعزاز، یہ قوت، یہ طاقت، یہ ہمت اور حوصلہ بخشا ہوا ہے۔

ہاں! مالک کے بندے، حکم خداوندی کی تسلیم کی خو سے جب سرشار ہو جاتے ہیں تو مالک نودان سے ایسے کام کرواتا ہے جیسے دیکھنے والا دیکھ کر خود کہہ اٹھتا ہے کہ یہ کام کسی بندے نے کیا کرنا ہے یہ کام خود مالک ہی نے کیا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور نمبر ٹنک دیا۔ اپنے کسی بندے کا، کہ یہ کام میرے فلاں بندے نے کیا ہے دوریاں نزدیکیوں میں اور نزدیکیاں دوریوں میں وہ یوں بدلنے پر قادر ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال آرام فرما رہے اور جب آپ سے پوچھا گیا آپ کتنی دیر یہاں ٹھہرے ہیں تو آپ نے فرمایا ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم۔ حضرات اصحاب کہف کئی سو سال سوتے رہے، ان کو بھی یہی احساس ہوا کہ صدیاں نہیں بیتیں بلکہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ کل قیامت کو بھی حضرت انسان طویل سے طویل عرصہ پا کر بھی یہی کہے گا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ دنیا میں قیام کیا ہے۔

چونکہ وہ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے، جب چاہے، جیسے چاہے اور جو اس کی شان کے مطابق ہو وہ کر گزرتا ہے حضور سیدی وسیدِ عالم اور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اس کا محبوب کون ہوگا جس کی چاہتوں کو ان سے زیادہ شرفِ قبولیت دیتا ہوگا۔

زمانہ گواہ ہے، ہم کھجوریں، جتنی تھیں، اتنی ہی تھیں، خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا احساس تھا کہ اتنی کم کھجوروں سے قرض نہیں اتارا جا سکتا اور قرض خواہ تھے کہ وہ اس بات پر مصر تھے کہ کسی کا قرض اترے یا نہ اترے ہماری رقم ہمیں فوراً واپس ملنی چاہئے پھر آئندہ فصل تک ہم انتظار نہیں کر سکتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ آخر وہ اس پریشانی میں ان کے حضور ہی حاضر ہوئے جہاں ہر پریشانی کا حل نہ ہوتے ہوئے بھی ہو جاتا تھا۔ آپ آگے کا واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی سن لیں۔

جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ اَبَاہُ تُوُفِّیَ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ اَبِیْ تَرَکَ عَلَیْہِ دَیْنًا وَّلَیْسَ عِنْدِیْ اِلَّا مَا یُخْرِجُ نَخْلُہٗ وَلَا یَبْلُغُ مَا یُخْرِجُ سِنِیْنَ مَا عَلَیْہِ فَانْطَلِقْ مَعِیْ لِکَیْ لَا یُفْحِشَ عَلَیَّ الْغُرَمَآءُ فَمَشٰی حَوْلَ بَیْدَرٍ مِّنْ بَیَادِرِ التَّمْرِ فَدَعَا ثُمَّ اٰخَرَ ثُمَّ جَلَسَ عَلَیْہِ فَقَالَ انْزِعُوْہُ فَاَوْفَاھُمِ الَّذِیْ لَھُمْ وَبَقِیَ مِثْلُ مَا اَعْطَاھُمْ ۔ (راوہ البخاری و احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور ان کے ذمہ قرض تھا۔ میں حضور نبی رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے والد صاحب مرحوم نے وفات کے بعد پیچھے قرض چھوڑا ہے اور میرے پاس (اس کی ادائیگی کے لیے) کچھ بھی نہیں۔ ماسوائے ان کھجوروں کے جو چند درختوں سے پیداوار حاصل ہوتی ہے اور ان سے کئی سال میں بھی قرض ادا نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ چلیں تاکہ قرض خواہ مجھ پر سختی نہ کریں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان کے کھجوروں کے ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر کے گرد پھرے اور دعا کی پھر دوسرے ڈھیر کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے اور فرمایا: قرض خواہوں کو ماپ تول کر دیتے جاؤ۔ سب کے سب قرض خواہوں کا پورا قرض ادا کر دیا گیا اور اتنی ہی کھجوریں بچ بھی گئیں۔ جتنی کہ قرض میں دی گئی تھی۔

اگر ہم کھجوریں کم سے زیادہ ہوگئیں کہ وہ قرض جو کئی سال ہا سال بھی نہیں اتر

سکتا تھا۔ وہ بھی ادا ہو گیا اور اتنی ہی کھجوریں بچ بھی گئیں تو اس میں ہمارا کیا کمال ہے۔ یہ کمال تو اس دستِ شفقت کا ہے جس نے ہمارے ہاں قدم رنجہ فرما کر ممنونیت سے نوازا۔ اور ہمیں بھی اپنی بات سمجھا دی اور پھر اس بات پر عمل کا سلیقہ بخشا اور اپنے ایک صحابی کو خدمت کا موقع مرحمت فرمایا۔

کون ہے جو اس طرح بنتا ہو سب کا آسرا
مجھ کو بھی بس آپ ہی کا آستاں درکار ہے

(ظفر چشتی)

اللھم صل و سلم و بارك علٰی سیدنا محمد و آلہٖ حتی لا یبقٰی من الصلوٰة والسلام و البرکة شیئی

سورج کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

اے زمین کے باشندو! تمہارے مقدر پر رشک آتا ہے کہ چودہ طبق کے والی اور ساری زمینوں کے خزانوں کی چابیاں اپنی جیب میں رکھنے والے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔ تمہارے پاس رہتے ہیں۔ تمہیں کسی نہ کسی بہانے، کسی نہ کسی طرح، خدمت کا موقع ملتا ہی رہتا ہے۔ ہمیں تو صدیوں بیت گئی ہیں، روز صبح طلوع ہوتا ہوں، شام کو غروب ہوتا ہوں، صبح ہوتے ہی نظر ان کی طرف لگی ہوتی ہے کبھی تو ہمارا کریم! ہماری طرف بھی نگاہِ لطف فرمائے، میرا چھوٹا بھائی، چاند تو بچپن میں بھی ان کی انگلیوں کے اشاروں پر رقص کرتا رہا، ایک دو بار اسی انگلی کے اشارے پر سینہ چیر کر بلائیں لینے زمین پر اتر آیا۔ لیکن مجھے تو کبھی موقع ہی نہیں ملا۔ کوئی ایسی خدمت کر گزروں کہ رہتی دنیا تک یاد رہے۔ آخر ایک دن میری قسمت جاگی، اور مجھے کروڑوں اور کھربوں سالوں سے چلتے نظام لیل ونہار کو، شمس وقمر کو، یکسر تبدیل کر دینے کا حکم ہوا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا، نظامِ ہستی درہم برہم ہوتا ہے تو ہو جائے لیکن تعمیل حکم میں سوچنے کا موقع بھی نہیں مانگا کہ کہیں

مزاج یار ہی نہ بدل جائے، ہوا کیا اس واقعہ کی تفصیل حضرت سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنئے!

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عَمِيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ:- كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُوْحِىْ اِلَيْهِ وَرَاْسُهٗ فِىْ حِجْرِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ . اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَلِيًّا فِىْ طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ . قَالَتْ اَسْمَاءُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَرَأَيْتُهَا غَرَبَتْ وَرَأَيْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدُ مَا غَرَبَتْ .

(رواة الطحاوی و الطبرانی و اللفظ له ورجاله رجال الصحیح)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سرِ اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہ ادا کر سکے تھے۔ یہاں تک سورج غروب ہو گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی، اے اللہ تعالیٰ! علی تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت میں تھا۔ اس پر سورج واپس لوٹا دے۔ حضرت محترمہ سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے سورج غروب ہوتے بھی دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔

اصلِ نماز ہے یہی روح نماز ہے یہی
تو میرے روبرو رہے میں تیرے روبرو رہوں

حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی عصر کی نماز کے لیے حضور نبی صالحین صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا سے میں نے نظامِ ہستی کے درہم برہم ہونے کی پرواہ کیے بغیر ڈوب کر بھی ابھر آیا تھا۔ وہ بظاہر تو ایسا کوئی کام نہیں کر رہے تھے جس سے اخذ کیا جا سکے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت فرما رہے تھے لیکن چونکہ خود مطاعِ مطلق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی اس ادا ہی کو اطاعتِ رسول قرار دیا ہے کہ آپ کا سر مبارک، عین حالتِ وحی الٰہی میں گود میں لیے بیٹھے تھے۔ اور بس!

اطاعت کی صحیح وضاحت بھی تو مطاع ہی کر سکتا ہے کہ ان کا اس طرح بیٹھے رہنا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت بھی ہے اور مطاعِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ اطاعت الٰہیہ اور اطاعت محبوب الٰہی میں مصروف رہنے والے کا کیا مقام ہے اور ان کے لیے نظم ہستی بدلنا کوئی اتنا مشکل مرحلہ بھی نہیں ہے۔ اور ان کے لیے مالک سے جو مانگوں گا وہ مل جائے گا اور بس مالک نے بھی ثابت کر دیا کہ میرا محبوب خواہ مخواہ کسی کی سفارش بھی نہیں کر دیتا بلکہ جس کی سفارش کی جا رہی ہے اس کی زندگی بھر کا ایک ایک لمحہ جس طرح اطاعت الٰہی اور اطاعتِ محبوب الٰہی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں گزرا ہے وہ بھی کوئی ڈھکا چھپا نہیں۔

ان کے جو غلام ہو گئے   وقت کے امام ہو گئے

اس وقت کے امام کی خاطر سورج لوٹانا ایک معمولی سا عمل ہے۔

بات تو بہت پرانی ہے لیکن صفحات لازوال میں رقم ہونے کی وجہ سے اس پر ابھی تک بھول بھلیوں کی دھول نہیں پڑی۔ وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے۔ جیسے آج سے چار ہزار سال پہلے تھی۔

ہمارے خالق و مالک کے مقابلے میں ایک احمق نے خدائی مسند بچھا کر اس پر بیٹھنے کی حماقت کر ڈالی۔ آپ کے اور ہمارے کریم آقا حضور جانِ کائنات صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کو زک پہنچانے، اس کی خدائی کی حقیقت آشکار کرنے، اس کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس کے ساتھ مناظرہ کیا۔ صفحاتِ لازوال میں اس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰھٖمَ فِیۡ رَبِّہٖۤ اَنۡ اٰتٰىہُ اللّٰہُ الۡمُلۡکَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِھَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۚ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی عطا فرمائی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا بھی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے تم صرف ایک بار مغرب سے سورج کو طلوع کردو۔ اس سے وہ شخص مبہوت الحواس ہوگیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت عطا نہیں فرماتا۔

ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان نے نمرود سے کہا کہ خدا کی شان یہ ہے کہ وہ مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے اگر تمہیں اپنے زعم پر اتنا ہی اعتبار ہے کہ مسند خدائی پر بیٹھنے کے اہل ہو تو ایک دن صرف ایک دن مغرب سے سورج طلوع کر کے دکھا دو۔

سورج ہو یا چاند، ستارے ہوں یا کہکشاں، دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، موسم خزاں ہو یا بہار، برسات ہو یا قحط سالی کا سامان، ہم سب خدائی فوج کے اپنی اپنی جگہ ادنیٰ سپاہی ہیں اور سپاہی بھی ایسے کہ حضرت انسان تو اپنی مرضی کر جاتا ہے۔

ہم تو اپنی مرضی کر ہی نہیں سکتے۔ بلکہ ہمارے ہاں اپنی مرضی ہے ہی نہیں۔ ہمارا ہر فعل، ہماری ہر حرکت، صرف اسی کے حکم کے عین مطابق ہوتی ہے، نمرود چھوڑ، نمرود کا باپ بھی آجاتا اور ہزار ورد وظیفے پڑھتا، وہ سینکڑوں سالوں سے مجھے معبود بھی مانتا تھا۔ میرے حضور سجدہ ریز بھی رہتا تھا۔ وہ اور اس طرح کے اقدام کر گزرتا، مہلت مانگ لیتا، میری منت سماجت کرتا، میں پھر بھی اس کے التجاؤں، منتوں اور زاریوں کو کبھی خاطر میں نہ لاتا۔ اس لیے کہ وہ ہماری پارٹی کا بندہ ہی نہیں تھا۔

اور ادھر تو ہم اشارہ آبرو کے منتظر رہتے ہیں جس کی رضا کی طلب میں ہمارا خالق و مالک بھی قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فرما کر چہرہ مقدس کے بار بار آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھتا رہتا ہو۔ ہمارے مالک کی ہر چیز، ان کی اور ان کی ہر ادا، ہمارے مالک کے لیے وہ ہمارے مالک کی پارٹی کے سربراہِ اعظم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان کا اشارہ ہو اور میں ڈوبا ہوا بھی واپس نہ آتا تو تف تھا میرے ہونے پر۔

اور اس میں طرفہ کمال یہ ہے کہ ڈوبا ہوا سورج، مغرب سے طلوع کرنے کو دنیا کا موحد ترین انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام خدائی طاقت وشان قرار دے رہے ہیں لیکن ہمارے کریم آقا من اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتنی طاقت و قوت اور اختیارات رکھتے ہوئے بھی خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ کا اعلان فرما دیا یعنی میں اللہ تعالیٰ نہیں ہوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرمانبردار بندہ ہوں۔

ہمارے کریم و مولا، سرور انس و جان، جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اعلان انی عبداللہ کے اتنے اثرات مرتب ہوئے کہ اس کے بعد دنیا میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے اس کے بعد خدائی دعویٰ کیا ہو، اس

لیے کہ خدائی دعویٰ کرنے والا دعویٰ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہوگا کہ میں کس برتے پر خدائی دعویٰ کروں۔ وہ اتنے بااختیار، وہ اتنی طاقت کے مالک، وہ اتنے اوصاف حمیدہ سے موصوف ہو کر بھی اس کے بندے ہیں، اب کون ان سے کوئی بڑھ کر ہو اور وہ خدائی دعویٰ کرے۔

بلکہ آپ کے مرتب جلیلہ، مناسب عظیمہ، فضائل و کمالات فراواں دیکھ دیکھ بعض ناہنجاروں کے منہ میں پانی بھر آیا کہ خدائی دعویٰ تو نرا دردسر ہے۔ چلو، نبی بن جاتے ہیں اگرچہ ان کی اس حماقت پر ان کے سر پر جوتے برسائے گئے، گندگی اور غلاظت ان کا مقدر ہوئی۔ اور ہونی بھی چاہئے کہ ذات دی کوہڑھ کرلی اور چھتیراں نوں جپھے۔

خیر ان خباثت بھرے لوگوں کے ذکر سے اپنا مزہ کیوں کرکرا کریں۔ میں ایک سورج ہی نہیں، آسمان اور آسمان کی ساری مخلوق، اللہ تعالیٰ کے اس محبوب بندے کے غلاموں کے بھی غلام ہیں اور اسی غلامی پر ہمیں فخر ہے، ناز ہے، الحمدللہ۔

ساری عمر مدینے دے ٹبیاں دی تصویر بناوندیاں گزر گئی
سوہنے دے چیتے کر کر کے بس نیر وہاوندیاں گزر گئی

اللھم صل و سلم و بارك علیٰ سیدنا و مولٰنا محمد
و آلہ بقدرِ حسنہ و جمالہ

گھی کے برتن کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

ہر ترش کو شیریں بنانا، اس کی دستِ قدرت میں ہے۔ وہ زہر کو تریاق، اور تریاق کو زہر بنا سکتا ہے۔ آ اس کے حضور آ، ہم نے سب کچھ اس کے سپرد کر دیا ہوا ہے۔ ہم جتنی بے جان چیزیں ہیں۔ سب ایک ہی پارٹی کے لوگ ہیں۔ ہماری فطرت سے خود غرضی، خود پسندی اور اپنی مرضی استعمال کرنے کی طاقت، کشید کر لی

گئی ہے۔ اس لیے ہم فائدے میں ہیں۔ بس اپنے ماہی کی بات ماننی ہے اور کسی کی نہیں ماننی۔ اپنے مالک کی سننی ہے اور کسی کی نہیں سننی۔ اس لیے ہم ہر انداز سے فائدے میں رہے، نہ دوزخ کا ڈر، نہ جنت کی طمع اور حرص، مالک جہاں رکھے، جیسے رکھے، ہم ہر اس انداز میں خوش، وہ ہمارا دامن تنگ کردے، یا دامن وسیع کردے، دونوں پر خوش، گھی کا ایک چھوٹا سا برتن، اس میں کتنا دیسی گھی آ سکتا ہے لیکن ہماری پارٹی کے عظیم ترین راہنما، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جو انسان اور خیر البشر ہو کر اپنی مرضی استعمال نہیں کرتے۔ اس مالک کی رضا کے بغیر اپنی زبان بھی نہیں کھولتے۔ چند دن، چند روز، چند لمحے، ان کی خدمت میں گزارنے کا قدرتِ الٰہیہ نے یہ صلہ عطا فرمایا کہ تنگ دامانی کا، نہ ہمیں خود کبھی احساس ہوا، اور نہ ہمیں استعمال کرنے والے کو ہوا۔ میں اپنی بات خود آپ سناتا، تو ہوسکتا ہے اس کو تعلّی سمجھا جاتا۔ میں جن کے گھر میں ہونے اور جن کے ہاتھوں کے لمس سے بارگاہِ مصطفوی سے فیض بار ہوا۔ آپ ان پاکیزہ صفت لوگوں کی زبانی میری بات سن لیں۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِىْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ عُكَّةٍ لَهَا سَمْنًا فَيَاْتِيْهَا بَنُوهَا فَيَسْاَلُوْنَ الْاُدْمَ وَلَيْسَ عِنْدَهُمْ شَىْءٌ فَتَعْمِدُ اِلَى الَّذِىْ كَانَتْ تُهْدِىْ فِيْهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيْهِ سَمْنًا فَمَا زَالَ يُقِيْمُ لَهَا اُدْمَ بَيْتِهَا حَتّٰى عَصَرَتْهُ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيْهَا مَا زَالَ قَائِمًا (رواہ مسلم و احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اُم مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک چمڑے کے برتن میں گھی بھیجا کرتی تھیں۔ ان کے بیٹے آ کر ان

سے سالن مانگتے۔ ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تھی تو جس چمڑے کے برتن میں وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گھی بھیجا کرتی تھیں اس کا رخ کرتیں تو اس میں سے انہی گھی مل جاتا۔ ان کے گھر میں، گھی کا مسئلہ اسی طرح حل ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے اس چمڑے کے برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر وہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا تم نے اس چمڑے کے برتن کو نچوڑ لیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تو آپ نے فرمایا اگر تم اسے اسی طرح ہی رہنے دیتیں تو اس سے ہمیشہ گھی ملتا رہتا۔

حضرت ام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا چمڑے کے برتن میں حضور کو گھی بھیجا کرتی تھیں، نہ حضور نے میرے لیے۔ اس میں دعاءِ خیر و برکت فرمائی، نہ کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا۔ میں تو ایک گھی کے برتن کی حیثیت سے گاہے گاہے حاضر ہوتا رہتا تھا۔ پتہ نہیں۔ حضرت ام مالک کو اپنے بچوں کے لیے مجھ سے گھی نکالنے کی کیا سوجھی، یا ایک دو دفعہ اتفاقاً ایسا ہوگیا۔ پھر ان کی ڈھارس بندھی اور مسلسل میرے ساتھ رابطہ قائم کرلیا اور میں نے ان کے گھر سے، ان کے بچوں اور اہل خانہ کے لیے سالن کا مسئلہ حل کردیا۔ حضرت ام مالک کے اس اعتماد پر مجھے بھی صرف اس وجہ سے پورا اترنا پڑا کہ وہ ہماری ہی پارٹی کی ایک بندی تھی۔ مجھے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ان کو مایوس کرتے حیاء آتی تھی۔ آپ کو کیا خبر کہ کبھی میرے دامن میں کچھ ہوتا بھی تھا یا نہیں لیکن میں نے بھی ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ انہوں نے مجھے نچوڑ کر۔ خود ہی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی کا فرمان بھی سچا ہے کہ اگر وہ مجھے نہ نچوڑتیں تو میں قیامت تک ان کے لیے ان کے خاندان کے لیے گھی پیش کرتا ہی رہتا۔

علیٰ محمد صلوٰۃ الابرارِ
صلیٰ علیہ الطیبون الاخیار
نہیں جب میرا کوئی مونس و غم خوار دنیا میں
تو پھر یہ سر پہ میرے ہاتھ رکھنے کون آتا ہے
کوئی تو ہے جسے احساس ہے ہم غم کے ماروں کا
سفینہ کوئی تو اپنا کنارے سے لگاتا ہے

جو کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

کہتے ہیں کہ ایک جو کے دانے کی کیا قیمت ہوتی ہے، نہ سہی، ویسے آپ غور فرمائیں تو ایک ایک دانہ مل کر ہی ڈھیر بنتا ہے۔ ایک ایک تنکا مل کر ہی کھلواڑہ بنتا ہے۔ قطرہ، قطرہ بہم شود دریا۔ یعنی قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے۔ ایک ایک شخص سے ہی جماعت بنتی ہے۔ کہتے ہیں ایک ٹیڈی پیسہ کہیں گرا پڑا تھا۔ ایک صاحب نے اسے حقیر اور بے قدر و قیمت ٹیڈی پیسہ سمجھ کر کوئی اہمیت ہی نہ دی اور کہا چل پیچھے ہٹ۔ میری منزل کھوٹی نہ کر تو اس ٹیڈی پیسے نے جواب دیا جناب آپ کی منزل تو اسی دن ہی کھوٹی ہوگئی تھی جس دن آپ نے مجھے حقیر جان کے پھینک دیا تھا۔ ویسے میری بات سنیں۔ میں بے شک بے وقعت ہوں، بے حیثیت ہوں، نہ کوئی چیز مجھ سے خریدی جاسکتی ہے اور نہ بیچی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود میری ایک حیثیت ہے کہ سارے کے سارے ننانوے کے ننانوے پیسے مل کر بھی میرے بغیر روپیہ نہیں بن سکتے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت بھی ہے اس لیے اگرچہ میں ایک جو کا دانہ ہوں لیکن ایک ایک دانے سے ہی ڈھیر بنتا ہے۔

خیر ایک جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں ایک بات آ گئی۔ ورنہ اس واقعہ میں اس بات کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ میری نسبت جس ذات والا صفات سے ہوگئی تھی۔ اس کی نسبت سے ہی میری قیمت اور حیثیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اس واقعہ کی

تفصیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود سن لیں۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَطْعِمُہُ فَاَطْعَمَہُ شَطْرَ وَسْقِ شَعِیْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ یَاْکُلُ مِنْہُ وَامْرَاَتُہُ وَضَیْفُھُمَا حَتّٰی کَالَہُ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ لَمْ تَکِلْہُ لَاَکَلْتُمْ مِّنْہُ وَلَقَامَ لَکُمْ

(رواہ احمد و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ طلب کیا۔ آپ نے اسے نصف وسق جو عطا فرمائے وہ شخص اور اس کی بیوی اور ان دونوں کے ہاں آنے والے مہمان بھی (ایک عرصہ تک) وہی جو کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے وہ جو تول اور ماپ لیے۔ پھر وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر تم ان کو نہ ماپتے تو تم وہ جو کھاتے رہتے اور یونہی ہمیشہ باقی رہتے۔

ایک وسق 60 صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع 22 تولے کا ہوتا ہے جس کا کل وزن 1320 تولے ہوتا ہے۔ گویا حضور خاتم مُلک نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں ساٹھ کلو گرام، جو عطا فرمائے اگر وہ اللہ کے بندے تولنے اور ماپنے کے چکر نہ پڑتے تو یہ ساٹھ کلو گرام جو ہم یقین دلاتے ہیں وہ خود بھی اور ان کا خاندان بھی اور آیا گیا مہمان بھی ان کے بچے بھی ساٹھ سال تک کھاتے رہتے تو ہم ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتے۔

تُو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
جب بڑھائے تجھے اللہ بڑھانے والا تیرا

اللھم صل وسلم و بارك علىٰ سیدنا و مولنٰا محمد و آلهٖ و اصحابه حتی لا یبقی من الصلوٰة والسلام و البرکة شیٔ ۔

زمین کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

کسی برائی کا اجراء کرنے، یا کسی نیک کام کا اجراء کرنے والے، ہر دور میں موجود رہے۔ ایک پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، ہزار بار لعنت، اور دوسرے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہزار بار رحمت۔ یہ کھاری اور میٹھا پانی لوگوں کے درمیان صور پھونکنے اور مغرب سے سورج کے طلوع تک جاری رہے گا۔ اپنے لیے ان دونوں پانیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے۔ فیصلہ تیرا، تیرے ہاتھوں میں ہے۔

قدرت نے یہ فیصلے کی قوت، طاقت اور استطاعت ہم جمادات کو عطا نہیں فرمائی اور نہ یہ پرزہ کہیں بازار میں پایا جاتا ہے کہ وہاں سے خرید کر استعمال کر لیا ہے۔ یہ کرم کا ایک ازلی قطرہ ہے جس کے چاہے نصیب ہو جائے ہاں! یہ نعمت ہمارے حصہ میں، ہماری فطرت اور ہماری جبلت میں رکھ دی ہے۔ ہم نے نیکی کے میٹھے پانی کی لذت سے سرشار رہتے ہیں۔ ہمارا مالک جو حکم ارشاد فرمائے اس میں ہم ڈنڈی نہیں مار سکتے۔ ہمیں وہ حکم من وعن ماننا ہی ہوتا ہے۔ یا ہمارے مالک کا کوئی بندہ، حزب اللہ میں شامل ہونے والا، ہماری ہی پارٹی کا بندہ تصور کیا جاتا ہے بلکہ وہ انسان ہونے کے ناتے سے ہم سے بہر انداز سبقت لے جاتا ہے اور جو ہو ہی سب انسانوں سے افضل و اعلیٰ، ساری انسانیت کی عزت وتوقیر کی پیشانی کا جھومر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کا حکم ہم کیوں نہ مانیں۔ یوں تو ہم نے اس حکم کی تعمیل میں بہت سے کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن غزوہ بدر میں ایک ایسا واقعہ ہوا اگر غیر بھی تعصب سے پاک ہو کر بنظرِ غائر دیکھے تو ایمان کی نعمت سے کبھی محروم نہ رہے اس کی تفصیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماعت

عَنْ اَنَسٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ طَوِیْلَۃٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِیْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِیْ سُفْیَانَ وقام سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ فقال وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِیْضَھَا الْبَحْرَ لَاَخَضْنَاھَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَکْبَادَھَا اِلٰی بَرْکِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰی نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ قَالَ وَیَضَعُ یَدَہٗ عَلَی الْاَرْضِ ھَاھُنَا ھَاھُنَا قَالَ فَمَا مَاتَ اَحَدُھُمْ عَنْ مَّوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رواہ مسلم و ابو داؤد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے (قافلہ کی شان سے) آنے کی خبر پہنچی تو حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے ڈالنے کا حکم ارشاد فرمائیں تو ہم سمندر میں گھوڑے ڈال دیں گے اور اگر آپ ہمیں برک الغماد پہاڑ سے گھوڑوں کے سینے ٹکرانے کا حکم دیں تو ہم ایسا بھی کر گزریں گے۔ (ان کے اس جذبہ جانثاری کے اظہار کے بعد) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو بلایا، اور چل دیئے اور وادی بدر میں جا کر قیام کیا وہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین پر اس جگہ اور کبھی اس جگہ اپنا دستِ

اقدس رکھتے (ایک روایت کے مطابق اپنی چھڑی مبارک سے زمین پر دائرہ لگاتے) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر (دوسرے دن دوران جنگ) کوئی کافر حضور نبی اکرم وافضل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ سے ذرا برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں مرا۔

جبکہ ہمارا یہ حال تھا، بدر کی ساری زمین کا کہ اس گمسان کی جنگ میں گھوڑوں پر بدحواسی کے عالم میں بھاگا پھرتا تھا۔ اور ہم اس کی تلاش میں تھے۔ کسے خبر تھی، کس نے کہاں گرنا ہے اور کہاں گرنا ہے لیکن ہم نے جب سے سرکار کی زبان سے اس بدبخت کا نام سنا تھا کہ اس نے یہاں مرنا ہے، ہم پورے ہجوم میں ان کی شکلوں کی شناخت کرلی تھی۔ اگر وہ لگے ہوئے دائرہ یانشان زدہ جگہ سے کہیں دو چار انچ اِدھر اُدھر گرا بھی ہوا تھا تو ہم نے اسے کھینچ کھانچ کر اپنے پاس بلالیا تھا کیونکہ من اللہ عالم ما کان ویکون کو **مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ** کے اصول کے مطابق خبر تھی کہ اس نے یہی آ کر واصل جہنم ہونا ہے۔ اس کا خمیر یہیں سے بنا ہے۔ اور یہیں اس نے مرنا تھا۔ اس حقیقت سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگاہ تھے اور اس آگاہی کی ایک جھلک سے آپ نے قبل از وقت پردہ کشائی فرمادی اور وہ کم بخت وہیں آ کر مرا۔

تو دانائے ما کان اور ما یکون ہے
مگر بے خبر، بے خبر دیکھتے ہیں

(مولانا ابوالنور محمد بشیر)

الصلوۃ والسلام علیك یا عالم ما کان وما یکون ۔

پتھروں اور درختوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

اگر ہوا کی جان کا مالک سے رابطہ نہ ہوتا تو بتا! وہ قوم عاد وثمود میں، نیک و بد میں امتیاز کیسے کرسکتی تھی۔ ایمان تو ہر غیب پر ایمان لے آنے کا نام ہے اور کسی کے

کہنے پر ہر نظر نہ آنے والی چیز کو ماننے کا نام ہے پھر اس ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر ہر غیب اور چھپی ہوئی چیز خود نظر آنے لگتی ہے جیسے دریا نیل کو قوم موسیٰ علیہ السلام قبطیوں اور سبطیوں یعنی فرعونیوں کے درمیان فرق کیسے نظر آ گیا تھا۔ اچھا یہ بتا! نمرودی آگ کے انگاروں کو یہ کیسے پہچان ہوگئی تھی کہ یہ شخص وہی ابراہیم ہی ہے جس کے لیے گلزار بننے کا حکم دیا گیا ہے۔ قانون تو یہی ہے کہ لَا يَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ اس قانون کے مطابق لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں جنہیں ان میں فرق نظر نہیں آتا۔ وہ سب کو ایک جیسا ہی سمجھتے ہیں اور کچھ بے جان ایسے ہوتے ہیں جن کو یہ فرق واضح نظر آنے لگتا ہے، بدکار، انسان اپنی بدکاری چھپانے کے لیے کوئی اچھا لباس پہن بھی لے تو ایک دن پہچان کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آتی ہے۔ اس کی بدکاری اور بے ایمانی کی بدبو قرب و جوار میں پھیلنے لگتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں نفرتوں کا بیج اگنے لگتا ہے اور نیک لوگ گدڑی پوشی میں بھی پہنچان لیے جاتے ہیں۔

یہ پہچان کی طاقت اور صلاحیت قدرت نے ہم بے جان و بے حرکت جمادات کو حضرت انسان کی نسبت زیادہ بخشی ہے۔ حضرت انسان پہچان کے لیے بھی اپنے کچھ اصول مرتب کر لیتا ہے۔ اس نے جس رنگ کی بھی عینک پہنی ہوتی ہو وہ ساری کائنات کو اسی رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے اور دیکھتا ہے۔ حالانکہ نہ ساری دنیا سفید ہے، نہ سبز ہے، نہ نیلی ہے اور نہ کالی، دنیا میں تخلیق ہونے والی ہر چیز کا اپنا ایک رنگ ہے اور اس کے اپنے رنگ میں بھی ایک حسن ہے۔

جبکہ ہم جمادات کی ساری پارٹی کے کسی ایک فرد نے بھی اپنی پسند کی، اپنی آنکھوں پر کوئی عینک نہیں چڑھائی ہوئی بلکہ قدرت نے ہماری بینائی، اتنی تیز کر دی ہے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی مخالف پارٹی کا کوئی فرد، کوئی بھی لبادہ اوڑھ کے

آ جائے ہم اسے پہچان لیتے ہیں اگر جعلی لباس پہن کر آنے والا بھی ہمیں اپنی پہچان میں دھوکا نہیں دے سکتا تو جو ہو ہی اصلی رنگ میں اور رنگ بھی ایسا اصلی کہ سبحان اللہ تو اس کی پہچان میں ہم سے خطا کیسے ہو سکتی ہے۔

حضور سید عالم و عالمین، جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی پہچان میں ہمیں کبھی دھوکا نہیں ہوا اور نہ ان سے پیار کے اظہار میں ان کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہمیں کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی اور کبھی کوئی ہچکچاہٹ پیدا ہوئی۔ اس کی ایک جھلک حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زبانی دیکھ لیں۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، فِیْ رِوَایَةٍ طَوِیْلَةٍ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی نَزَلْنَا وَادِیًا اَفْیَحَ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْضِی حَاجَتَهُ فَاتَّبَعْتُهُ بِاِدَاوَةٍ مِّنْ مَاءٍ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَرَ شَیْئًا یَّسْتَتِرُ بِهٖ فَاِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِیْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی اِحْدَاهُمَا فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهٗ كَالْبَعِیْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِیْ یُصَانِعُ قَائِدَهٗ حَتّٰی اَتَی الشَّجَرَةَ الْاُخْرٰی فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهٗ كَذٰلِكَ حَتّٰی اِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَیْنَهُمَا لَاَمَ بَیْنَهُمَا یَعْنِیْ جَمَعَهُمَا فَقَالَ الْتَئِمَا عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَالْتَاَمَتَا قَالَ جَابِرٌ فَخَرَجْتُ اُحْضِرُ مَخَافَةَ اَنْ یُّحِسَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقُرْبِیْ فَیَبْتَعِدَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ فَیَتَبَعَّدَ فَجَلَسْتُ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ فَحَانَتْ مِنِّیْ لَفْتَةٌ فَاِذَا اَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَّاِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا

فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا عَلٰی سَاقٍ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ وَقْفَةً فَقَالَ بِرَاْسِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ اَبُوْ اِسْمٰعِیْلَ بِرَاْسِهٖ یَمِیْنًا وَّشِمَالاً ثُمَّ اَقْبَلَ فَلَمَّا انْتَهٰی اِلَیَّ قَالَ یَا جَابِرُ هَلْ رَاَیْتَ مَقَامِیْ قُلْتُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَانْطَلِقْ اِلَی الشَّجَرَتَیْنِ فَاقْطَعْ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا غُصْنًا فَاَقْبِلْ بِهِمَا حَتّٰی اِذَا قُمْتَ مَقَامِیْ فَاَرْسِلْ غُصْنًا عَنْ یَّمِیْنِكَ وَغُصْنًا عَنْ یَّسَارِكَ قَالَ جَابِرٌ فَقُمْتُ فَاَخَذْتُ حَجَرًا فَكَسَرْتُهٗ وَحَسَرْتُهٗ فَانْذَلَقَ لِیْ فَاَتَیْتُ الشَّجَرَتَیْنِ فَقَطَعْتُ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا غُصْنًا ثُمَّ اَقْبَلْتُ اَجُرُّهُمَا حَتّٰی قُمْتُ مَقَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلْتُ غُصْنًا عَنْ یَّمِیْنِیْ وَغُصْنًا عَنْ یَّسَارِیْ ثُمَّ لَحِقْتُهٗ فَقُلْتُ قَدْ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَعَمَّ ذَاكَ قَالَ اِنِّیْ مَرَرْتُ بِقَبْرَیْنِ یُعَذَّبَانِ فَاَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِیْ اَنْ یُّرَفَّهَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَیْنِ .... الحدیث ۔ (رواہ مسلم و ابن حبان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک (غزوہ) کے سفر پر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ہم ایک کشادہ وادی میں پہنچے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں پانی وغیرہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اردگرد) دیکھا لیکن آپ کو پردہ کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اس وادی کے ایک کنارے پر دو درخت تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی شاخوں میں

سے ایک شاخ پکڑی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر وہ درخت اس اونٹ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانبردار ہوگیا جس کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہو۔ اور وہ اپنے ہانکنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ کو پکڑا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر۔ وہ درخت بھی پہلے درخت کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تابع ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں درختوں کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں درختوں کو ملا دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے جڑ جاؤ۔ لہٰذا وہ دونوں آپس میں جڑ گئے۔ میں وہاں ایک طرف اپنے آپ سے ہی کچھ باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اچانک دیکھا کہ حضور جان ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت اپنے اپنے سابقہ اصل مقام پر کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جابر! تم نے وہ مقام اور جگہ دیکھی تھی جہاں میں کھڑا تھا میں نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں درختوں کے پاس جاؤ اور ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک شاخ کاٹ کر لاؤ اور جب اس جگہ پہنچو جہاں میں کھڑا تھا تو ایک شاخ اپنی دائیں جانب اور ایک شاخ اپنی بائیں جانب ڈال دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کھڑے ہو کر ایک پتھر توڑا اور اس کو تیز کیا۔ پھر میں ان درختوں کے پاس گیا۔ اور دونوں میں سے ہر ایک سے میں نے ایک ایک شاخ کو توڑا۔ پھر میں انہیں گھسیٹ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ پر لایا۔ ایک شاخ میں نے دائیں جانب اور ایک شاخ بائیں جانب ڈال دی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے مگر اس عمل میں کیا حکمت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس جگہ دو قبروں کے پاس سے گزرا تھا جن میں قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میری شفاعت کے سبب سے جب تک وہ دونوں شاخیں سرسبز و شاداب رہیں گی، ان قبروں والوں کے عذاب میں کمی آ جائے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک چشم دید واقعہ آپ نے ان کی زبان مبارک سے سن لیا۔ اگرچہ درخت نباتات کے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا تذکرہ بھی اس حدیث مبارکہ کا اصل موضوع ہے لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے درختوں کی شاخیں توڑنے کے لیے آپ کے حکم سے ہم میں سے ہمارے ایک پتھر کو توڑا اور تیز کیا، یہ پتھر توڑنا اور تیز کرنا، درخت کی شاخیں توڑنے کے لیے تھا۔ شاید اس وقت ان کے پاس کوئی چھری چاقو نہیں ہوگا جس سے شاخیں کاٹی جا سکتی ہیں۔ انہوں نے پتھر کو توڑا اور تیز کر لیا۔ پھر چاقو چھری اور کلہاڑی کا کام اسی پتھر سے لیا گیا اور اس نے دیا اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اس سارے واقعہ کے پس منظر میں حکم احکام کا سلسلہ کسی ماہی کے ہاتھ میں تھا اور اس کے حکم کی تعمیل میں پتھر بھی درختوں کی شاخیں توڑنے لگے۔ ورنہ جس کا کام اس کو ساجھے والی بات ذہن میں رہے ورنہ یہ کام تو چھری، چاقو اور کلہاڑی ہی کا تھا۔ پتھر کو حکم تو سرکار نے نہیں دیا تھا اور پتھر توڑنے کا عمل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تھا لیکن جابر کن کے تھے۔ وہ بھی تو انہی کے تھے اور ہمارا بھائی پتھر بھی اس بات کو سمجھ گیا تھا کہ حضرت جابر رضی

اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ بظاہر تو یہ جابر ہی تھے لیکن وہ تو ان کو بھیجنے والے کو بھی دیکھ رہا تھا۔

محمد مصطفٰے پہ جان و دل سے جو فدا ہوگا
جدھر جائے نظر اس کی جمال مصطفٰے ہوگا
خدایا گر کہیں اس مہ جبیں کا نقشِ پا پاؤں
قیامت تک نماز عشق کا سجدہ ادا ہوگا

اللھم صل وسلم علٰی سیدنا و مولٰنا محمد وآلہٖ واصحابہ و بارك وسلم ۔

لاٹھی کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

محبت، کوشش سے، محنت سے، دولت سے، عہدے سے، زر سے، زور سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ محبت، اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ احسان ہے، عطاء ہے، اس کی دین ہے، عطیہ خداوندی ہے، محبت کا انمول تحفہ، مقدر والوں کو نصیب ہوتا ہے، محبت کا خزانہ جس کو مل جائے اس کی زندگی، اس کی سوچ، اس کی فکر، اور اس کا ظاہر و باطن، سب کچھ بدل جاتا ہے۔ اس کی تنہائی میں محفل ہوتی ہے اور اس کی محفل میں تنہائی ہوتی ہے۔ روتا ہے، تو آنسوں چھلک پڑے ہیں، ہنستا ہے تو پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔ محبت کرنے والا اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔

محبت ایک راز ہے، گہرے سمندر کا موتی ہے، محبت میں سکون ہے، چین ہے، راحت ہے، دنیا کی ہر نعمت کے ہوتے ہوئے بھی ،زندگی کا خلاء صرف محبت کی دولت سے پر ہوسکتا ہے۔ محبت، جنون کی راہ گزر ہے، عشق کی سیڑھی ہے، جذبات کی خوشبو ہے، کیفیات کا خزانہ ہے کہتے ہیں God is Love ، Love is God یعنی خدا محبت ہے، محبت ہی خدا ہے۔ قرآن کی تفسیر ہے، جانِ کائنات

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کی خاک ہے، انا کی شکست ہے، نفرت کی قاتل ہے۔

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان، محبت بھی کرے، اور عقلمند بھی رہے، دیوانگی، وارفتگی، خودسپردگی، سب اسی محبت کے رنگ ہیں۔

میں ایک جمادات کے قبیلے کی، ان کی ایک بہن لاٹھی ہوں، لاٹھی مارنے کے کام بھی آتی ہے، مارنے والے دشمن کا سر بھی پھوڑتی ہے۔ لاٹھی اندھے کو راستہ بھی بتاتی ہے۔ لاٹھی سانپ مارنے کے کام بھی آتی ہے اور مالک کا حکم ہو تو خود بھی سانپ بن جاتی ہے۔ اپنے مالک سے محبت کے کرشمے، تاریخ میں حروف زر سے میں نے خود لکھوائے ہیں۔ بلکہ میرے مالک نے خود اپنی لازوال کتاب میں میرے تذکرے فرمائے ہیں۔ یہ محبت ہی کا اعجاز تھا کہ لاٹھی ہوتے بھی، کام وہ کئے، تو انسان بھی دیکھے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ مالک سے محبت، مالک کی مضبوط پارٹی، حزب اللہ کے سربرآوردہ اور سرکردہ شخصیات سے محبت کے انوکھے باب رقم کئے ہیں۔

آج کی اس بزم میں صدرِ بزمِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم میں بیٹھنے والوں کے ہاتھوں، اپنا ایک انوکھا واقعہ سنانا چاہتی ہوں، سوچتی ہوں کہ آپ اس کو کہیں میری شیخی و تعلّی نہ سمجھ لیں۔ اس لیے مصدوق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صادقین کی زبان سے سن لیں۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلَیْنِ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَۃٍ مُظْلِمَۃٍ وَّاِذَا نُوْرٌ بَیْنَ اَیْدِیْھِمَا حَتّٰی تَفَرَّقَا فَتَفَرَّقَ النُّوْرُ مَعَھُمَا وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اِنَّ اُسَیْدَ بْنَ حُضَیْرٍ وَّرَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَقَالَ حَمَّادٌ اَخْبَرَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ کَانَ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ وَّعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ

عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (رواۃ البخاری و ابو یعلیٰ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے (مجلس برخواست ہونے کے بعد) تاریک رات میں (گھر جانے کے لیے) نکلے تو (اس تاریک رات میں) اچانک ایک نور سامنے آ گیا (اور وہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ روشنی کے لیے چلتا رہا۔ اور جب وہ دونوں آدمی (مختلف اطراف میں گھر ہونے کی وجہ سے الگ الگ راہ پر چل پڑے تو وہ نور بھی ان دونوں کے ساتھ (دو حصوں میں تقسیم ہو کر) الگ الگ ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے (تاریک رات میں گھر جانے والے) وہ دو آدمی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے۔

خوشبوئیں بانٹنے والے لوگوں کی معیت، کچھ نہ کچھ تو خیرات دے ہی جاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہم السلام کی بیوی نے غیروں کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی غضبناک فوج کے عتاب کا شکار ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ ابد الآباد تک جینے لگے، ایک ابراہیم دنیا پر فریفتہ ہو گیا۔ وہ دنیا کی آگ میں جل گیا اور ہمیشہ کی آگ بھی ابھی اس کی منتظر ہے۔ ایک ابراہیم نے دنیا پر لات دے ماری۔ اس کے لیے آگ بھی گلزار ہو گئی۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے نور علی نور کی صحبت اختیار کی۔ رات کی تاریکیاں ان کے لیے روشنی کا انتظام کرتی پھرتی ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے در و دیوار کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم سے محبت

اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ ''دیوار ہم گوش دارد''۔ کہ دیوار بھی کان رکھتی ہے تو یقیناً زبان بھی رکھتی ہوگی۔ بہرے شخص کی زبان، کتنی بڑی بھی ہو وہ زبان سے بولنے کا فیض حاصل نہیں کرسکتا۔ زبان کا فیض کانوں کی سماعت پر موقوف ہے۔

کان اور زبان کا ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا ورنہ گدھے کے کان اور زبان بھی ہوتی ہے لیکن وہ کانوں اور زبان کے ہونے سے انسان تو نہیں بن سکتے۔

کان اور زبان ہو، کسی کی بات سننے کے قابل ہو اور آگے بیان کرنے قابل ہو تو پھر کان اور زبان استعمال نہ کرنا نعمت خداوندی کی ناشکری ہے۔

ہم درو دیوار، اس کی مٹی اس کے ذرے، اور اس کا سارا ساز و سامان، اس شخص کے گھر میں تھے جس کی ہر بات سننے کے قابل تھی اور غور سے سننے کے قابل تھی۔ پھر اس پر زبان کھولنے کا شرف حاصل کرنا ابدی زندگی پانے کے مترادف تھا۔

ہم درو دیوار اور ہمارے جسم کا ایک ایک انگ، اس دولت سے نعمتِ خداوندی سے سرشار تھے اور سرشار رہتے تھے۔ ایک دن تو ہم خاموش رہ ہی نہ سکے۔ یہ کہانی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں بیٹھنے والے کی زبان سے سماعت فرمائیے۔

امام بیہقی، ابونعیم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور سراپا سرور و محبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: آپ کل اپنے اہل و عیال سمیت اپنے گھر ہی میں رہیئے گا۔ میں گھر میں آؤں گا مجھے آپ حضرات سے ایک ضروری کام ہے۔ (دوسرے دن) حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام اہل خانہ

حضور نبی رحمت اور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار فرماتے رہے۔ جب سورج کافی بلند ہوا تو سرکار جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ آپ نے اہل خانہ کو السلام علیکم و رحمۃ اللہ فرمایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ جناب رحمت عالم جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ آپ لوگ کیسے ہیں، سب نے کہا، الحمدللہ۔ ہم سب خیریت سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے قریب آجاؤ جب وہ سب ایک دوسرے کے قریب ہوگئے اور آپ کے بھی قریب ہوگئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک ان سب کے اوپر پھیلا دی۔ اور اپنے مالک و خالق جل وعلیٰ کے حضور عرض گزار ہوئے۔ یا مولیٰ! یہ میرے چچا ہیں جو میرے باپ کی طرح ہیں اور یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کو جہنم کی آگ سے اس طرح بچا جس طرح میں نے ان پر اپنی چادر ڈال کر ان کو محفوظ کرلیا ہے۔ آپ کی اس دعا سے درودیوار سے بار بار آمین آمین کی آواز آئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل خانہ نے جو فداکاریوں کے خوبصورت باب رقم کئے تھے نہ جانے حضور کی اس وقت کیا کیفیت تھی کہ آپ نے دوسرے دن ان کے گھر میں آکر دعا فرمائی۔ اتنی عنایت فراواں کی کیفیت دیکھ کر ہم سب درودیوار اور ہمارا ہر ایک حصہ بے ساختہ اس دعا پر آمین کہنے سے سرشار ہوگیا۔

اس روایت کو ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن الغسل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے عم محترم! مجھے آپ سے اور آپ کی اولاد سے ایک ضروری کام ہے، آپ

انہیں لے کر چلئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک گھر میں داخل فرمایا۔ ان پر اپنا عمامہ پھیلایا پھر دعا مانگی۔ اے میرے مولا! یہ میرے اہل بیت اور میری عزت ہیں۔ ان کو آگ سے اس طرح محفوظ رکھ جس طرح میں نے ان کو اپنے عمامہ کے نیچے محفوظ کرلیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گھر کے ہر (مٹی کے) ڈھیلے اور ہر دروازے نے آپ کی دعا پر آمین کہا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد مندرجہ ذیل ہے:

حضرت فضل، حضرت عبداللہ، حضرت قثم، حضرت معبد، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

جب مستجاب الاعوات لوگوں کے سرخیل و امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرما رہے تھے اس وقت آپ کی کیفیت قابل دید تھی اور قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ کی شانِ پاک والا، آپ کی اس دعا کی اجابت پر مہر محبت ثبت فرما رہا تھا۔ ہماری آمین ان کی دعا کی قبولیت کی محتاج نہیں تھی۔ بلکہ ہم تو اس چڑیا کی مانند جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کے لیے پانی کا ایک ایک قطرہ لا رہی تھی۔ ہم بھی شامل ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کی مٹی کا ہر ڈھیلا، ہر دروازہ اور ہر کھڑکی شامل ہوگئی تھی۔

اللھم صل علٰی محمد و آلہ واصحابہ و بارك وسلم

پتھروں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

پتھر کا موم ہونا، حیرت انگیز نہیں ہے۔ پتھر سے سخت جان، تو لوہا ہے۔ وہ بھی اگر بغیر کسی آگ کی آنچ دیئے یا بغیر کسی آلہ کے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ان کی چاہت کے مطابق موٹا یا باریک اور نرم و گداز ہو جاتا تھا تو پتھر کا موم ہونا کونسا اچنبا ہے۔ یہ تو مالک کی مہربانی ہے کہ اس کی عنایت سے لوہا اور پتھر نرم و گداز ہو جائیں۔ ورنہ ہم نے تو ہزاروں انسان ایسے دیکھے ہیں جو انسان ہو کر بھی

ان کے دل پتھر ہو گئے۔ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً یا اس سے بھی سخت۔

اگر ہمارا ایک بھائی حضرت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کو اپنے جگر میں سمو کر عزت و تکریم اور شان و عظمتِ ابدی پا سکتا ہے تو ہم پیچھے کیوں رہتے۔ جب کبھی سید کائنات اور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لاتے تو ہم آپ کے قدم مبارک چوم لیتے ہیں۔ بلکہ کئی عشاق پتھر تو آپ کے قدمین مبارک کو اپنے اندر جذب کر لیتے۔ ہم تو بہتر یہی سمجھتے ہیں کہ اپنی کہانی خود آپ بیان کرنے کی بجائے آپ ہی کے چاہنے والے محبتوں کے پیکروں نے جو خود اپنے چشم دید واقعات رقم کئے ہیں آپ خود ان کو پڑھ لیں۔

حضرت علامہ شہاب الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفا'' شریف کی شرح لکھی ہے وہ فرماتے ہیں یہ بات ہمارے عالم میں مشہور ہے اور عرب شعراء کرام نے ان واقعات کو اپنے اشعار میں نظم کیا ہے کہ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات چلتے تھے تو قدمین شریفین کے نشانات پتھر اپنے اندر جذب کر لیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ بعض نشانات ابھی تک محفوظ و مامون ہیں۔ اور تا حال جوں کے توں موجود ہیں۔ لوگ ان کی زیارت کرتے ہیں۔ ان کی تعظیم کر کے ان سے برکات حاصل کرتے ہیں جیسا کہ ایک نشان ''قدس'' پتھر پر تھا۔ پھر یہ پتھر مصر کے مختلف مقامات پر منتقل کیا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سلطان 'ہقایتبای' نے اس پتھر کو بیس ہزار دینار میں خریدا اور وصیت کی تھی کہ اس پتھر کو اس کی قبر کے پاس رکھ دیا جائے۔ اب بھی وہ مبارک پتھر سلطان کی قبر پر موجود ہے۔

بعض اوقات جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریت پر چلتے تو آپ کے قدموں کے نشانات نہیں پڑتے تھے۔

(حجۃ اللہ العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۵)

امام القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المواہب'' میں فرمایا ہے کہ حضور جان بہار

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی چٹان پر چلتے تھے تو آپ کے قدموں کے نشان پڑ جاتے تھے جیسا کہ آپ کا یہ معجزہ ہر جگہ مشہور و معروف ہے۔ ادباء وشعراء نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات بھی اس معجزہ کی تائید کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اسی طرف اشارہ ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بنالو۔ (ایضاً ص ۳۵)

کنکریوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

ہمارے قبیلے کے تذکرے سے آپ سرشار ہو رہے ہوں گے۔ زمین کا ہر ذرہ، محبوب کائنات سے محبت کرتا تھا اور کرتا ہے۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل کرتا ہے۔ ہم میں کسی کو بھی کوئی اختیار حاصل نہیں جیسا کہ انسان کو حاصل ہے کہ ہم آپ کے کسی حکم کو نظرانداز کردیں، بھول جائیں، یا نہ مانیں، جو فرض ہمیں سونپ دیا جاتا ہم اس فرض کی ادائیگی میں کمربستہ رہتے جب تک اس کو ادا نہ کرلیتے۔

امام احمد، حاکم، امام بیہقی اور ابونعیم علیہم الرحمۃ والرضوان نے حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی اور وہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان فرماتی ہیں کہ:

> قریش حجر میں جمع تھے۔ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ جب محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ادھر تشریف لائیں تو ہم سب انہیں ایک ایک چوٹ لگائیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن لیا۔ انہوں نے گھر جاکر اپنی امی جان حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا۔ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات حضور نبی رحمت سے بیان کردی۔ آپ نے اپنی پیاری چھوٹی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: بیٹی! فکر نہ کرو پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

یہ ارشاد فرما کر آپ اپنے کاشنہ اقدس سے نکلے اور مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ جہاں وہ مشرکین بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہیں یہ وہی ہیں لیکن ان پر کوئی ایسی ہیبت طاری ہوئی) کہ سب نے آنکھیں جھکالیں۔ جب تک اپنی محفل میں بیٹھے رہے سر جھکائے بیٹھے رہے اور ان میں سے کسی نے بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس وہیں کھڑے رہے۔ پھر آپ نے مٹھی بھر کنکریاں لے کر ان کی طرف پھینکیں اور فرمایا شاہت الوجوہ۔ برباد ہو گئے چہرے۔ وہ کنکریاں جس جس شخص کو بھی لگیں وہ غزوۂ بدر کے دن واصل جہنم ہوا۔ آپ کے ہاتھوں کے مبارک لمس نے وہ شعور بخش دیا تھا کہ کس کس کو لگ کر نشاندہی کر دینی ہے کہ اِس نے یومِ بدر میں کام آنا ہے۔

اشارہ پاتے ہی بتوں کا ریزہ ریزہ ہونا

حضرت انسان صدیاں بیت گئی تھیں کہ پتھروں سے بت تراش کر ہمیں معبود کی طرح پوجتا تھا۔ پتہ نہیں انسان کو کیا ہو جاتا ہے کہ جب انسانیت سے گرتا ہے تو پھر حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ جانور تو پھر کسی نہ طرح اپنے مالک کو پہچانتا ہے انسان یہ تمیز بھی کھو بیٹھتا ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا کہ جا تو، تو ہے ہی کتا تو قریب بیٹھے ہوئے کتے نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اپنے بھائی کو انسان کو اور جو کچھ کہنا ہے کہہ لے لیکن اسے کتا کہہ کر کم از کم ہماری توہین تو نہ کر۔ ہم تو کتے ہو کر بھی نجس و پلید اور ناپاک ہو کر بھی اپنے کتے پن سے نیچے کبھی نہیں گرے۔ جو خباثتیں ہم میں ہیں وہ جیسی ازل سے ہماری قوم کے حصے میں آئی ہیں ہم اس گراف سے نیچے کبھی نہیں گرے۔ اور جو خوبیاں ہم میں

ہیں ان خوبیوں میں سے کسی خوبی سے بھی ایک انچ نیچے نہیں گرتے۔ شاید تمہیں خبر نہیں۔ ہماری قوم بے وفا نہیں ہوتی۔

خیر انسان اپنی انسانیت سے نقطہ انجماد سے بھی بہت نیچے گر چکا تھا کہ خود اپنے ہاتھوں بت تراشتا، بناتا، سنوارتا، اونچی مسند پر بٹھاتا اور وہ جبیں جو رشک ملائکہ ہونی چاہئے تھی وہ بتوں کے آگے جکا دیتا۔

یوں صدیاں بیت گئیں اور نہ جانے اور کتنی صدیاں بیت جاتیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی قابل رحم حالت پر رحم فرمایا اور پوری تخلیقات میں سے سب سے عظیم تر شخصیت، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور بادنسیم سے بھی خنک تر پیغام سے انسانیت کے ضمیر پر دستک دی۔ لیکن انسانیت جتنی زیادہ قعر مزلت میں گر چکی تھی اتنی ہی طاقت سے اس پیغامِ جانفزا کی مدافعت میں مصروف ہوگئی۔

آخر وہ وقت آ پہنچا جس مقصد کے لیے آپ کو ارسال فرمایا گیا جس کے لیے شب روز تکالیف برداشت کیں، سختیاں جھیلیں، مخالفتوں کے پہاڑ ٹوٹے، اس صبح بہار کی آمد کا سورج طلوع ہوا۔ اندھیرے چھٹے، تاریکیاں دور ہوئیں، بتوں جھوٹے معبودوں کا راج ختم ہوا اور آپ ایک فاتح کی حیثیت سے اس مقام کعبہ میں تشریف فرما ہوئے جہاں صدیوں سے ہمیں مسند خدائی پر بٹھایا ہوا تھا۔

ہم اپنے مالک کی خالق کی قسم کھا کر برملا کہتے ہیں کہ اس میں ہمارا کوئی کردار نہ تھا، سوائے اس کے کہ بت خانے میں ان کے بٹھائے بھگوان بنے بیٹھے تھے۔

جانِ کائنات اور جانِ بہار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ خدا کا شکر ہے آپ کے ہاتھ میں گرز نہیں تھی جو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگی ورنہ ہمارا وجود رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بن جاتا۔

آپ تشریف لائے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیجئے یہ دونوں ثقہ صحابی اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ آپ کبھی ہاتھ کے ساتھ، اور کبھی چھڑی کے ساتھ اشارہ فرماتے اور زبان مبارک سے کبھی قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور کبھی جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ پڑھتے اور ہم دھڑام سے زمین پر گرنے لگے جس کے منہ کی طرف اشارہ ہوتا وہ پیٹھ کے بل اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ فرماتے وہ منہ کے بل گر پڑتا۔

یوں ہم نے آپ کو اپنے مالک کے واحد نمائندہ، محبوب ترین نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ہمیں جہنم کا ایندھن بننے سے بچانے والے کی حیثیت سے اپنا مرکزِ محبت تصور کرتے ہوئے جذبات تشکر سے لبریز خاک بسر ہو گئے۔

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا

(حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد دوئم، ص ۳۵)

زمین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سراقہ کے گھوڑے کو دھنسا لینا

ہجرتِ مدینہ منورہ کی رات بھی کیا تاریخی رات تھی۔ ایک طرف کمر بند سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچانے والا اپنی تمام تر صلاحیتوں، رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں کے اپنے اس فرض کی ادائیگی میں شب و روز مصروف ہے نہ اجرت طلب کرتا ہے اور نہ دادِ تحسین کا طالب ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور دوسری طرف جہنم میں گرنے والے، جہنم میں گرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ وہ اندھیروں کے باسی، اندھیروں کے پیار میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ اندھیروں سے نکال نکال کر روشنی میں لانے والا، انہیں اچھا ہی نہیں لگتا بلکہ اس کا وجود بھی ان کے لیے ناگوار ہو رہا ہے۔

زمانہ یوں بھی اپنے محسنوں کو تنگ کرتا ہے
وہ درسِ صلح دیتے ہیں، یہ ان سے جنگ کرتا ہے

وہ راحتوں، رحمتوں اور برکتوں کا پیغام بر، انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا، ان کی آنکھوں کی پتلیوں پر چڑھے ہوئے تعصب کے جالے نے خیر وشر کی اپنے بیگانے کی، نیک و بد کی، محسن و غیر محسن کی صفتِ امتیاز ہی ختم کردی تھی۔ وہ خیر کو، خوبی کو، محسن کو، مُربی کو، بادنسیم کے ٹھنڈے جھونکے کو، وہ خنک خنک بادصبا کو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کردینا چاہتے تھے اور آج کی رات یہ غلیظ عمل یہ کلنک کا ٹیکہ اپنی پیشانی کے عین درمیان میں لگوا کر ساری کائنات کی نفرتوں، لعنتوں اور پھٹکاروں کی تھوک کا تھوبہ لگوانے پر تلے بیٹھے تھے۔

بس مزا دے جائے گی ہاں چھیڑیئے
ہجر کی شب میں وصالِ یار کی کچھ داستاں

پابند حکم الٰہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات جب تاریکیوں کے متوالے روشنی کی آخری کرن اپنی پھونکوں سے بالکل بجھا دینے کی خاطر دروازے پر ننگی تلواروں کا سایہ کیئے کھڑے تھے۔ مالک الملک جلّ وعلیٰ نے محبوب کے جلووں کی تابانیوں کو اور جلا بخشنے کے لیے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی جانب سفر کا حکم ارشاد فرمایا۔

جانِ کائنات، روحِ بزم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس سے نکلتے ہوئے وحدت کا دم بھرتے ہوئے چند کنکریوں پر سورہ یٰسین کی چند آیات تلاوت کرتے ہوئے اندھیروں کے پروردہ اندھوں کے سروں اور آنکھوں میں ڈالتے ہوئے روانہ ہوئے۔ قدم قدم بچھ جانے والے، روشنی کے قدردان، روشنی کے دلدادہ، ماہِ تابانِ عالم پر جان تصدق کرنے والے، ابوبکر کے نام پر صدیق کا حسین اور سچا لقب پانے والے آپ کے ہمراہ ہوئے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (الزمر ۳۳/۳۹)

کا تمغہ خداوندی اپنی پیشانیوں پر سجائے، دونوں غارِ ثور سے نکلتے ہوئے ام معبد کو نوازتے ہوئے اس کی بانجھ بکری کے تھنوں سے لبناً خالصاً سے بھرتے ہوئے، سوئے ہوؤں کی قسمت کو جگاتے ہوئے، ان کی کٹیا کو بقعۂ نور بناتے ہوئے، ان کی کُلِیّوں (جھونپڑیوں) کو عرشِ اعظم بناتے ہوئے، یثرب کو مدینہ منورہ طابا اور طوبیٰ بنانے کے لیے جا رہے تھے۔

کفر اور اہلِ کفر اپنی ناکامیوں، نامرادیوں، اپنی بے بسیوں اور بیچارگیوں کی آگ میں جل رہے تھے۔ دوڑو، ڈھونڈو، پکڑو، قتل کردو، یا زندہ پکڑ کر لے آؤ۔ ایک سو اونٹ، فی کس کے حساب سے انعام پاؤ۔

باہمت لوگ، بھاگ کھڑے ہوئے، کوئی ادھر، کوئی ادھر، کوئی اس پہاڑ کی اوٹ میں، اور کوئی اس پہاڑ کی غار میں تلاش کر رہا ہے۔ کوئی ٹیلہ، کوئی پہاڑ ایسا نہ بچا ہوگا جہاں ڈھونڈ نہ مچائی گئی ہو۔

سراقہ بن مالک بن مالک کی کہانی ان کی اپنی زبانی سن لیں۔

جَاءَنَا رُسُلُ كُفَّارِ قُرَيْشٍ يَجْعَلُوْنَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ دِيَةً كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ نَاقَةٍ مِّنَ الْاِبِلِ لِمَنْ قَتَلَهٗ اَوْ اَسَرَهٗ ۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ۳-۳۵۲)

یعنی کفار اور مشرکین کے منادی ہمارے پاس آئے اور یہ اعلان کرنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کو قتل یا گرفتار کرنے والے کو سو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی۔

سراقہ بن مالک اپنے قبیلہ بنو مدلج کے سردار تھے۔ اور اپنی ایک مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ وہ سو اونٹنیوں کا انعام کوئی معمولی انعام نہ تھا۔ منہ میں پانی بھر آیا لیکن ضبط سے کام لیا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا ایک شخص نے مجلس میں سے کسی نے کہا

بھی کہ میں نے کچھ دیر پہلے تین سوار جاتے دیکھے ہیں۔ ممکن ہے وہی ہوں تو سراقہ نے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے فوراً کہا نہیں وہ نہیں ہیں وہ تو ابھی ابھی یہاں سے گزرے ہیں وہ کوئی اور ہی ہوں گے اور کچھ دیر ایسے ہی بیٹھے رہے اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ ان کے تعاقب کے لیے جانے والے ہیں۔

تھوڑی دیر میں مجلس برخواست کی کہ گھر جا کر لونڈی اور خادمہ سے کہا میرا گھوڑا افلاں مقام پر پہنچادو۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچتا ہوں، کنیز نے گھوڑا تیار کیا اور ساز و سامان تیار کر دیا۔ سراقہ وہاں پہنچے، گھوڑے پر بیٹھے اور گھوڑا سرپٹ دوڑا دیا اور کچھ دیر بعد مخبر صادق نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے قافلے کو جالیا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو آگے پیچھے دائیں بائیں نظر رکھے ہوئے تھے اور مسلسل نظر رکھے ہوئے۔۔ انہوں نے سراقہ کو گھوڑا سرپٹ دوڑاتے آتے ہوئے دیکھ لیا اور خطرہ کو بھانپ لیا۔ حضور سراپا نور و ظہور بے فکری کے ساتھ اور اطمینان و سکون کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، کریم آقا! خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ کوئی آ پہنچا ہے، آپ نے فرمایا: صدیق! ان اللہ معنا، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

حضور پر نور، راحتِ قلب حزیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور آپ کے قدموں میں بچھ بچھ جانے والی زمین نے ابروئے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری پڑھ لی اگرچہ آپ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا تھا لیکن میں زمین سمجھ گئی تھی کہ اب میرا کردار کیا ہے۔ میں نے فوراً گھوڑے کی ٹانگوں کو گھٹنوں سمیت اپنی گرفت میں لے کر اپنے اندر دھنسا لیا۔ اچھا خاصا، چلتا دوڑتا گھوڑا، ماہر ترین سوار کی مہارت خاک میں مل گئی اور دونوں زمین پر آ رہے۔ بڑی حیرت، بڑی ندامت اور شرمندگی سے اٹھے، کپڑے جھاڑے اور اپنے ترکش سے تیر نکال

کر فال لی کہ مجھے آگے بڑھنا چاہیے یا نہیں۔ فال نے مخالفت کی لیکن لالچ اور حرص کا بھوت سر پر سوار تھا۔ شکار سامنے تھا۔ اتنی جلدی چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ مجھ زمین کو بھی بس اتنا ہی اشارہ تھا کہ صرف جھنجھوڑنا مقصود ہے۔ قارون کی طرح مکمل گرفت میں لینا مقصود نہیں۔

وہ پھر چل پڑے اور گھوڑا دوڑا دیا۔ ان کا جوش و ولولہ دیکھ کر مجھے بھی طیش آ گیا کہ مجھ پر چلنے والا اتنا اپنی طاقت پر اترائے اور ہمارے سامنے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے میں کامیاب ہو جائے تو تف ہے ہمارے خدام ہونے پر۔ میں نے پھر دوبارہ کچھ زیادہ جھٹکا دیتے ہوئے اپنے اندر دھنسا لیا۔

اب کے ان کی آنکھیں کھلیں کہ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ جن کو قتل کرنے یا گرفتار کرنے آیا ہوں ان کی طرف سے تو ابھی مدافعت کی ابتداء بھی نہیں ہوئی اور ارد گرد کے خدام نے ہی مجھے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ ان کی سمجھ میں بات آ گئی۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آخر التجا گزار ہوئے۔

اُنْظُرُوْا اِلَیَّ فَوَ اللّٰہِ لَا اٰذِیْتُکُمْ وَلَا یَأْتِیْکُمْ مِّنِّیْ شَیْءٌ تَکْرَھُوْنَہٗ۔

مجھ پر نظر کرم فرمائیے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا اور نہ لوگوں کو آپ کو تکلیف پہنچانے دوں گا۔

مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہی کے لیے آنے والے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ لطف معاف فرما دیا اور آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس سے پوچھیں کیا چاہتا ہے تو سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر

ساری کیفیت مکہ اہل مکہ اور کفار قریش کی بتا دی اور انعام قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور صرف اتنا فرمایا: جاؤ اور ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔

سراقہ نے واپس ہونے سے پہلے ایک امن نامہ لکھ کر عطا کرنے کی التجا کی جو قبول ہوگئی۔ آپ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا عامر بن فہیرہ کو جو اس سفر میں ہمسفر تھے۔ ان کو امان نامہ لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امن نامہ لکھ کر عطا کر دیا۔

حیرت ہے جو سراپا خطرہ بن کر آیا تھا تیر و تفنگ سے لیس ہو کر آیا تھا، قتل کرنے یا گرفتار کرنے کی غرض سے آیا تھا، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اپنی طرف سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی طرف سے امن نامہ لکھ کر دیتا کہ اب اس کے بعد میری طرف سے میرے خاندان اور دوسرے کسی بھی طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ اُلٹا وہ خود امن کی بھیک مانگ رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے:

فسالت ان یکتب لی هو ادعة امن به .

کہ میں نے عرض کی کہ مجھے ایک تحریر لکھ کر عطا کی جائے جو میرے لیے امان نامہ ہو۔

دراصل اہل عرب سمجھ چکے تھے کہ یہ دین کا سورج عنقریب نصف النہار تک پہنچنے والا ہے۔ سراقہ کو فکر ہوئی کہیں عروج ملنے پر میری یہ حرکت اگر ان کو یاد رہ گئی تو نہ جانے کیا سزا ملے۔ آپ سے امن نامہ لے لیا جائے تاکہ اس وقت کی اگہانی انتقامی سزا سے بچ سکوں۔ سراقہ کو کیا خبر کہ تیری تو حرکت ہی اتنی بڑی نہیں جن لوگوں نے ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے ہوئے ہیں فتح حاصل ہونے کے بعد یہ تو ان کو بھی لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ جاؤ آج تم پر کوئی گرفت نہیں تم سب کو معاف کیا جاتا ہے۔

سراقہ نے دیکھا نظامِ ہستی کا ذرہ ذرہ آپ کی خدمت پر مامور ہے۔ اس

کے اپنے تیروں کی فال اس کے خلاف جارہی ہے۔ آخر وہ تیر بھی تو ہم جمادات کے قبیلے کے تھے۔ وہ اس کے اپنے ترکش میں ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ نہیں تھے وہ تو اپنے اصل خالق و مالک کی پارٹی کے بندے تھے۔ وہ تو اپنی پارٹی کے سربراہِ عظیم کے ساتھ تھے۔

سراقہ نے دیکھا پتھریلی زمین، جس پر کدال بھی ماریں تو نتیجہ ناکامی کی صورت نکلے۔ آج وہ زمین مجھے بھی اور گھوڑے کو بھی اپنے اندر دھنسا رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ میرا گھوڑا اور میں زندہ ہی درگور ہو جائیں وہ تو سراقہ کی قسمت اچھی کہ اس نے دشمنی کے لیے بھی بڑی عظیم ہستی کا انتخاب کیا جو جتنا بڑا ہوتا ہے اس کا دل گردہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! صرف اشارہ کی دیر تھی۔ اشارہ ہوتا تو ہم مٹی کے ذرے زمین کی پہنائیاں اس کو، اس کے گھوڑے کو، پیچھے اس کے خادمہ کو، جس نے گھوڑا تیار کیا تھا، اس کے خاندان کو، بلکہ اس کی ساری بستی کو زمین بوس کر دیتے۔ صفحۂ ہستی سے ان کا نشان مٹا دیتے۔ اس کے پورے خاندان کو عبرت کا نشان بنا دیتے۔ لیکن بڑوں کی بڑی شان ہوتی ہے۔ آپ کا اشارہ ہوا، چھوڑو نادان ہے۔ اس کو کیا کہنا ہے لالچ میں آ گیا ہے، لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے، ہمارے نواسوں میں ایک نواسہ ایسا بھی ہونے والا ہے کہ اس کے گھر میں چور بن کر آنے والا قطب بنا دیا جائے گا۔ آج ہم بھی سخاوت میں اس کی خطاء پر سزا نہیں اور بھی بہت کچھ عطا کرنے والے ہیں۔

جب سراقہ امن نامہ لکھوا چکا، جذباتِ تشکر سے لبریز واپس مڑنے لگا تو دریاءِ سخاوت کی ایک چھل آئی چودہ طبق کے والی نے آواز دے کر فرمایا:

وَلَمَّا اَرَادَ الْاِنْصِرَافَ قَالَ لَهٗ كَيْفَ بِكَ يَا سُرَاقه اِذَا تَسَوَّرتَ بِسَوَارِیْ كِسْرٰی ۔ (السيرة الحلبيه، ۲:۴۵)

جب وہ واپس مڑا تو آپ نے ارشاد فرمایا: سراقہ! اس وقت تیری

شان و منزلت کیا ہوگی جب شہنشاہ ایران کے ہاتھوں کے چھینے ہوئے سونے کے کنگن تیرے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے۔

نگاہِ نبوت کی دور رسی، کہاں تک دیکھ رہی تھی۔ اس وقت کی ایک بہت بڑی سپر پاور شکست خوردگی کے بعد اس کی بادشاہی اور شہنشاہی کی علامت، سونے کے کنگن مالِ غنیمت میں، مسجد نبوی شریف میں آئیں گے اور حضور کا ایک بوڑھا غلام، گھر سے بلایا جائے گا، سونا حرام ہوتے ہوئے بھی، اس کے لیے حلال ہو جائے گا اور وہ کنگن اس وقت سراقہ کو بڑی شان و شوکت سے پہنائے جائیں گے۔

نہ جانے، سراقہ پر سارے راستے، اس ارشاد عالی کا کیا نشہ رہا ہوگا۔ وہ کس مستی میں گھر پہنچا ہوگا۔ لیکن ہم خاک کے ذرے، مٹی کے تودے اور اس کے ترکش کے تیر، جن کے سامنے دشمن کو عنایاتِ کریمانہ سے جس انداز سے نوازا جا رہا تھا وہ کیفیت تو ہمیں بھی مست کر گئی۔

یہ سب اسی مستی کا نتیجہ تھا کہ جب سراقہ کچھ عرصہ بعد اپنی محافل میں یہ واقعہ لذت لے لے کر سناتے تو قریش مکہ کو فکر دامن گیر ہوگئی یہ تو سارے علاقے کو لے بیٹھے گا اور سارے علاقے کو مسلمان کر دے گا۔

سراقہ کی بات سن کر لوگ سوچنے لگتے، وہ کونسی غیبی طاقت ہے جو ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ سراقہ کے تیروں کی فال، کیوں اس کے حق میں نہ نکلی، سراقہ کے گھوڑے اور سراقہ کو سنگ لاخ زمین نے کیسے اپنے اندر دھنسا لیا۔ پھر ان کے سامنے عبدالمطلب کے یتیم پوتے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن، لڑکپن اٹھتی اور ابھرتی بے داغ جوانی، صداقت و امانت کا شہرہ، اس کا ہر انداز، انوکھا، نرالا، البیلا، پھر اعلانِ نبوت کے بعد سے سفر ہجرت تک کے سفرِ استقامت، قریش کی مخالفت، نفرتوں کے زہر میں بجھے تیروں کی بوچھاڑ، آگے سے نہ سی کی آواز آتی ہے نہ بد دعا نکلتی ہے۔

اعجاز اس کے حسن تکلم کا دیکھئے
ان کے سخن سخن سے پڑے پتھروں میں جان

ابوجہل سٹپٹا اٹھا اور اس نے سراقہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیا۔

فَلَمَّا ظَهَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَدْ وَصَلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ جَعَلَ سَرَاقَة يقص على الناس مارای و ماشاهد من امر النبی صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم ومان كان من قضية جواده واشتهر هذا عنه فخاف روساء قريش معرته وخشوا ان يكون ذلك سببا لاسلام كثير منهم ۔

(البدایۃ والنھایہ،۳:۱۸۵)

جب سراقہ نے محسوس کر لیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ چکے ہوں گے تو سراقہ نے آپ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں جو کچھ دیکھا اور اپنے گھوڑے کا (زمین میں دھنسنے کا) واقعہ بیان کرنا شروع کردیا۔ جب یہ واقعہ سراقہ کی طرف سے تمام شہر میں مشہور ہو گیا تو قریشیوں کو رئیسوں کو فکر دامن گیر ہوئی۔ انہیں خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ اس کی باتیں سن سن کر اسلام قبول کرنے والوں میں شامل نہ ہو جائیں۔

وہ سازش کا پرکالہ، نفرت کی آگ سے لپٹا ہوا، سوز و گداز کے ساز کی لطافتوں سے محرومی کا شکار، اخوت و مروّت کی جانشینی سے لب نا آشنا، بھاری پتھر کی طرح کفر سے چمٹا ہوا شخص، خیر و شر کی تمیز کے ہنر سے ناواقف، تاریکی اور اندھیروں کا دلدادہ، اگر اس ساری عبادت کا ترجمہ پوچھو تو صرف ایک لفظ اس کی ترجمانی کے لیے کافی ہے۔ ابوجہل۔

اس نے حضرت سراقہ کی زبان سے حقیقت حال اور پھر اس سے بکھرتی

خوشبو کا تذکرہ سنا تو جل بھن گیا اس سراقہ کے کردار پر حملہ کرتے ہوئے ہجویہ اشعار لکھ بھیجے تاکہ اس کی ساکھ جو اس کے قبیلے میں، خاندان میں، قرب و جوار میں، اڑوس پڑوس میں بنی ہوئی ہے وہ ختم ہو جائے اور لوگ اس کی باتوں میں آ کر دینِ اسلام کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔ ابوجہل کے اشعار پڑھیے اور ایک ایک حرف سے اس کی جبلی خباثت ٹپکتی دیکھئے:

بنی مدلج و انی اخاف سفیهکم
سراقه مستغو لنصر محمد

اے مدلج کے خاندان والو! مجھے تمہارے بے وقوف سراقہ سے اندیشہ ہے کہ یہ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد و نصرت پر تیار نہ کرے۔

علیکم به الا یفرق جمعکم
فیصبح شتی بعد عز سودد

اگر تم اپنا اتحاد گنوانا نہیں چاہتے اور باہم افتراق و انتشار سے عزت و سیادت کھونا نہیں چاہتے تو اس بے وقوف پر قابو پا لو۔

حضرت سراقہ بن مالک نے ابوجہل کی نفرتوں کے زہر میں ڈوبے ہوئے ہجویہ اشعار کا جواب ارشاد فرمایا:

ابا حکم واللہ لو کنت شاهدا
لامر جوادی اذ تسوخ قوائمه

اے ابوحکم (ابوجہل) اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنستے ہوئے خود دیکھ لیتے۔

عجبت ولم تشکك بان محمداً
رسول و برهان فمن ذا یقاومه

تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے اور کوئی شک وشبہ تمہارے ذہن میں نہ رہ جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کی دلیل ہیں لہٰذا ان کا مقابل کون ہوسکتا ہے۔

علیك فكف القوم عنه فاننی
اخال لنا یوماً ستبدوا معالمه

تجھے چاہئے کہ تو اپنی قوم کو ان کے مقابلے سے روکے کیونکہ میری دانست میں وہ دن دور نہیں جب ان کی عزت اور کامیابی کی علامات ظاہر ہو جائیں گی۔

بامر تود النصر فیه فانهم
وان جمیع الناس طرا مسالمه

تو بھی ان کی آمد آمد کا خواہاں ہوگا اور تمام لوگ اس سے صلح کے خواستگار ہوں گے۔

بات کہاں سے چلی کہاں تک پہنچی یہی محبت کی علامت ہے کہ محبت میں بات ختم ہی نہیں ہوتی اور محبت نہ ہو تو بات صحیح ٹھکانے سے شروع ہی نہیں ہوتی۔

اس سارے معاملے میں، میرا بحیثیت ایک زمین کے، سراقہ کو حضور کا دشمن سمجھ کر اپنے اندر دھنسا لینا، کوئی معمولی بات نہ تھی۔اس کے اثرات کہاں تک پہنچے، اس کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں:

وہاں وہاں میری آنکھوں کے ہیں دیئے روشن
جہاں جہاں تیرے قدموں کے ہیں نشان آقا

فصلی اللہ تعالیٰ علیه و آله
واصحابه وبارك وسلم

مقام ابراہیم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

میں بھی ایک پتھر ہی ہوں لیکن میں اس دنیا کا رہنے والا نہیں ہوں۔ میرا مسکن، جنت الفردوس ہے اگر جنت ہی میں رہتا تو شاید اتنا مقام و مرتبہ حاصل نہ کر پاتا جتنا زمین پر آ کر حاصل ہوا ہے۔

میرے خالق و مالک جل وعلیٰ کی ازلی و ابدی کتاب میں ایک بہت ہی عظیم شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔ کبھی ان کی فداکاری کا، کبھی جانثاری کا، کبھی بچوں اور بیوی کی جدائی کا، کہیں بیٹے کی قربانی کا، کہیں ہجرت کا، کہیں مشرکین سے مختلف انداز میں، مختلف مقامات پر مناظروں کا، یعنی شاید ہی کوئی زندگی کا ایسا شعبہ ہوگا جس کے حوالے سے مالک نے گفتگو نہ کی ہو۔ ایسی شخصیتوں کے تذکرے آسمانوں پر بھی ہوتے رہتے ہیں اور جنتوں میں بھی، حوروں میں بھی غلمان میں بھی، پھلوں میں، پھولوں میں، جنتی ابدی نہروں میں اور ہر چیز ایسی شخصیات کی بلائیں لینے کی حسرت رکھتی ہے۔

لیکن ہر ایک کی حسرت پوری نہیں ہوتی۔ یہ تو مالک کی مرضی ہے جسے چاہے کسی نعمت سے نواز دے اور جسے چاہے کسی نعمت سے محروم رکھے۔

بیت المعمور کے عین نیچے حضرت آدم علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے فرشتوں کے زمین پر آنے پر فرشتوں کے لیے بیت اللہ تعمیر ہوا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر تشریف آوری پر کچھ ترمیم و اضافہ ہوا۔ سنا ہے جنت الفردوس سے ہی سارا سامان آیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی آمد سے پہلے احتراماً یہ بیت اللہ شریف پھر آسمانوں پر اٹھا لیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا تو ہمارے خالق و مالک عزوجل نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا حکم ارشاد ہوا۔ آپ نے اپنے ہونہار اور جلیل القدر بیٹے اسماعیل کو ساتھ ملایا اور تعمیر شروع کر دی۔ جب اس کی دیوار بن، تھوڑی سی بلند

ہوئیں، تو خالق ارض وسما نے خالق کون و مکان نے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت کے لیے جنت کے پتھروں میں سے میرا انتخاب فرمایا اور مجھے جنت سے دنیا پر اتارا۔ میرا کام یہ تھا بلکہ مجھے سمجھا دیا گیا تھا کہ تیرا صرف یہی کام ہے کہ ابراہیم کی جو چاہت اور ضرورت اور منشاء ہو تو نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کو پورا کرنا ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر میں دیواروں کی بلندیاں تو آخر ہونا تھیں۔ وہاں گو کا سامان تو تھا نہیں، رسیاں، بانس اور پھٹے وغیرہ کہاں سے آتے۔ بس یہ ڈیوٹی میری تھی۔ میں نے سرانجام دینا شروع کر دی۔ جتنا اونچا ہونے کی ضرورت ہوتی، میں اونچا ہو جاتا پھر جب نیچے ہونے کی ضرورت ہوتی میں نیچے ہو جاتا۔

مجھے اپنی قسمت پر ناز تھا کہ میں دنیا میں اپنے خالق و مالک کے ایک ایسے جلیل القدر بندے کی خدمت پر مامور ہوں جس کی فدا کاری کی اسناد خود ہمارے خالق نے آپ عطا فرمائی ہیں۔ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ اور دوسری جگہ فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ۔ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ لہٰذا اس خدمت کے دوران موقع غنیمت جانا کہ یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے۔ میں نے آپ کے قدومِ میمنت لزوم کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیا آپ کے دونوں قدم مبارک میں نے اپنے اندر جذب کر لیے۔

تیری معراج کہ تو عرش بریں تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

میں نے وہ قدم اس طرح اپنے اندر محفوظ کر لیے کہ اگر کوئی شخص عدسہ لیکر اور محدب شیشہ لے کر دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کی لکیریں اور نقوش مکمل طور پر محفوظ کر لیے ہیں۔

اگرچہ مجھے تو اس کا کوئی احساس نہ تھا۔ ہمارے کریم آقا و مولا، راحتِ جاں

جہانِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے میلاد کے بعد جب آپ کی عمر مبارک چھ سات سال کی ہوئی، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے تقریباً دو ہزار سال تو ہو چکے تھے۔ جب کبھی آپ حرم کعبہ میں اپنے دادا جان، حضرت عبدالمطلب کے لیے بچھائی گئی مسند پر آ کر دادا جان کے پاس بیٹھنے لگے تو چونکہ آپ کے احترام میں لوگ اپنے بیگانے آپ کی مسند پر نہ خود بیٹھتے تھے اور نہ کسی کو بیٹھنے دیتے تھے۔ اسی طریقہ کو جاری رکھتے ہوئے آپ کو بھی لوگوں نے منع کیا تو حضرت عبدالمطلب نے لوگوں کو منع فرمایا کہ اس بچے کو کوئی نہ روکے یہ میرا بیٹا فرشتوں سے پیار کرتا ہے اور بنو مدلج کے لوگوں نے مجھے آ کر کئی بار کہا ہے کہ عبدالمطلب اس بچے کی حفاظت کرو۔ یہ کوئی عام سا بچہ نہیں، ہم نے اس کے قدم مبارک دیکھے ہیں، اس جیسے قدم کسی کے نہیں، اور جو مقام ابراہیم پتھر ہے اس میں موجود جو نشان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہیں ان نشانوں، لکیروں اور ریشوں کے ساتھ اس کے قدموں کے نشان آپس میں ملتے ہیں۔

پتہ نہیں، بنو مدلج کو کون بتا گیا بہر حال، جب میں نے سنا تو میری فرحت و انبساط کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں نے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم چومے ہیں وہاں میں نبی آخر الزمان، نبی رحمت، نبی عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدمین شریفین مبارک بھی چومے ہیں۔

بتاؤ! اگر میں جنت میں رہتا تو یہ عظمتیں، یہ شانیں، یہ رفعتیں اور یہ بلندیاں کہاں نصیب ہوتیں۔

پائے حضور پر ہے مرا سر جھکا ہوا
ایسے میں آ اجل تو کہاں جا کے مر گئی

حضرت عبدالمطلب، حضرت سیدہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضاعی والدہ بھی تھیں اور ہمہ وقت آپ کی

خدمت پر مامور بھی تھیں۔ اور حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والد ماجد کی طرف سے ایک کنیز کے طور پر ورثے میں بھی ملی تھیں۔ آپ ان کو بھی فرمایا کرتے: ام ایمن! اس بچے سے غافل نہ ہوا کرو۔ کیونکہ اہل کتاب یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہوگا اور اس بچے کے قدموں کے نشان مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان کے مطابق ہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین جلد اول، ص ۳۲۸، ۳۲۹، ابن سعد، ابن عساکر، حضرت امام زہری، مجاہد، نافع اور حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم)